کشمیر تاریخ کے آئینے میں

ایم۔ اے خان

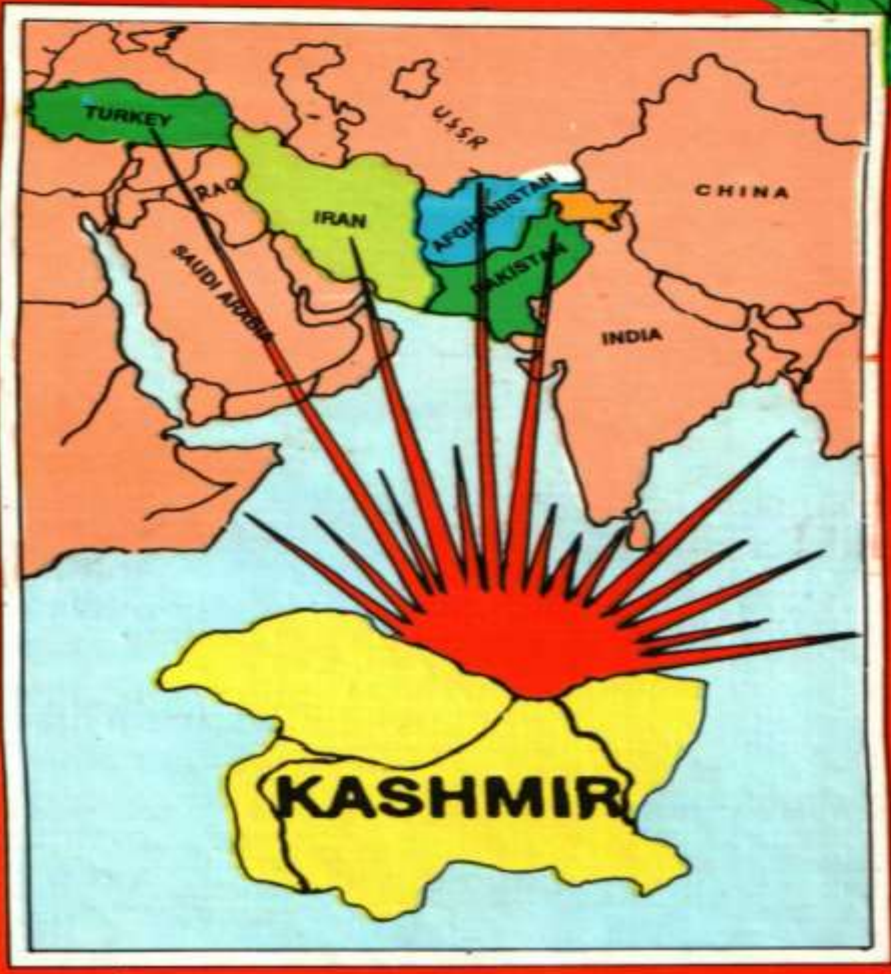

کشمیر

تاریخ کے آئینے میں

ایم۔اے۔خان

لالہ زار پبلشرز میرپور۔آزاد کشمیر

فہرست

انتساب۔	
پیش لفظ۔	۶
نقش ثانی۔	۸
ایک تبصرہ۔ کلیم اختر۔	۱۰
مقدمہ	۱۳
تاریخ اور فلسفہ تاریخ۔	۱۵
کشمیر کیا ہے؟ تعارف۔	۲۳
تاریخ کشمیر (قدیم و جدید) ڈوگرہ عہد تک۔	۳۱
تقسیم ہند اور کشمیر۔	۴۵
(۱) تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کی پوزیشن۔	۴۶
(۲) تقسیم ہند سے پہلے ریاستوں کی پوزیشن۔	۵۰
(۳) تقسیم ہند سے پہلے کشمیر کی پوزیشن۔	۶۴
تقسیم ہند اور کشمیر کی خود مختاری	۱۰۱
۱۔ کابینہ مشن اور ریاستیں۔	۱۰۴
۲۔ منصوبہ تقسیم اور ریاستیں۔	۱۱۰
۳۔ قانون آزادی ہند اور ریاستیں۔	۱۱۵
۴۔ ریاستوں کو خود مختاری کا حق بحال ہو گیا۔	۱۲۱
۵۔ تقسیم ہند کی عملی صورت اور کشمیر کا متنازعہ ہو جانا۔	۱۵۰
کشمیر بھارت کا حصہ نہیں۔	۱۵۳
۱۔ تاریخی نقطہ نظر سے۔	۱۵۵

۲ - آئینی اور قانونی نقطہ نظر سے -	۱۵۶
۳ - دستاویز الحاق کی روشنی میں -	۱۵۷
۴ - بین الاقوامی وعدوں کی رو سے -	۱۶۳
۵ - مذہبی نقطہ نظر سے -	۱۶۵
۶ - اقتصادی نقطہ نظر سے	۱۶۵
۷ - ثقافتی نقطہ نظر سے -	۱۶۶
کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں	۱۶۷
۱ - تاریخی نقطہ نظر سے -	۱۷۱
۲ - آئینی اور قانونی نقطہ نظر سے -	۱۷۸
۳ - دوقومی نظریہ کے تحت -	۱۸۳
۴ - قائداعظم اور مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے -	۱۸۶
۵ - حق خود ارادیت چہ معنی دارد -	۱۸۹
۶ - معاہدہ تاشقند کے تحت -	۱۹۳
۷ - اقوام متحدہ کے نقطہ نظر سے -	۱۹۴
۸ - پاکستان کے ۴۳ سالہ کردار کی روشنی میں -	۱۹۶
خلاصہ بحث	۲۲۷
کشمیر کے شب و روز (۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۴ء)	۲۲۹
(۱) مقبوضہ کشمیر	۲۳۱
(۲) آزاد کشمیر	۲۴۱
(۳) گلگت بلتستان	۲۶۱
تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر	۲۹۳
جدوجہد آزادی کشمیر - رکاوٹیں اور اسباب	۳۲۵

	۱۹۹
خلاصہ بحث	۲۲۷
کشمیر کے شب و روز (۱۹۴۷ء تا ۱۹۸۴ء)	۲۲۹
(۱) مقبوضہ کشمیر	۲۳۱
(۲) آزاد کشمیر	۲۴۱
(۳) گلگت بلتستان	۲۶۱
تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر	۲۹۳
جدوجہد آزادی کشمیر - رکاوٹیں اور اسباب	۳۲۵
لائحہ عمل ---- خدوخال	۳۳۷
جدوجہد آزادی ۱۹۸۷ء - ۱۹۹۰ء	۳۷۳
کتابیات	۳۷۷

عرض مولف۔ نقش اول

کشمیر کی موجودہ پیچیدہ صورت حال کے تناظر میں ایک حقیر سی کوشش آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ یہ کوئی شاہکار ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں نے صرف انہی پہلوؤں پر زیادہ زور دیا ہے، جو اس وقت تک یوں سامنے نہیں لائے گئے۔ حقائق پر مبنی ان اوجھل پہلوؤں کی رونمائی گو تلخ ضرور ہوگی۔ مگر یہ ایسے حقائق ہیں، جن کو نظر انداز کرنے سے "مسئلہ کشمیر" کی حقیقی نوعیت سامنے نہیں آتی۔ میری یہ تحریر کم از کم ۵ سال پہلے آنی چاہئے تھی۔ مگر معاشی مسائل کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ اب بھی چند احباب کے تعاون سے یہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے اور میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے اس تحریر کی تیاری و چھپوائی میں تعاون کیا۔

نقشِ ثانی:-

اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترمیم واضافے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ پہلا ایڈیشن مارچ ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ کتاب کے منظر عام پر آتے ہی بعض حلقے خصوصاً سرکاری حلقے چونک اٹھے تھے۔ سرکاری سطح پر پابندی کے لئے بھی اقدامات کیے گئے۔ مصنف کو بھی تلاش کرنے کی کوششیں جاری رہیں۔ بعد میں یہ سرکاری سرگرمیاں دم توڑ گئیں۔ اس عرصے میں کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ میرے لئے یہ بات انتہائی اطمینان بخش ہے کہ میری یہ تحریر دلچسپی سے پڑھی گئی۔ نہ صرف یہ کہ اس تحریر نے کئی اذہان و قلوب کو متاثر کیا بلکہ کشمیر پر لکھنے والوں کو ایک نئے مقام پر لا کھڑا کیا ہے۔ تحقیق و جستجو سے، جو نتائج راقم نے اخذ کئے، آئندہ لکھنے والے اسے نظر انداز کر کے کوئی اور سمت اختیار نہیں کر سکیں گے۔ مجھے اس سے بھی خوشی ہے کہ غیر معروف مصنف ہونے اور کتاب میں تعارف نہ ہونے کے باوجود کتاب نے صرف اور صرف مواد اور تحقیق کی بنا کر لوگوں کی توجہ حاصل کی ہے۔ یہاں تک کہ اس کتاب کی دو نقلیں چھپ کر مارکیٹ میں آچکی ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے مصنف انگلینڈ میں رہائش پذیر ہیں۔ انہیں میری تحریر نے مجبور کردیا کہ اسے وہ دوسرے انداز میں لکھ کر سامنے لائیں۔ البتہ ان میں سے "کشمیر کیوں ٹوٹا۔" کے مصنف ایس۔ آر زمان انقلابی خود سرے سے پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ عمر بھی ۲۲ سال ہے۔ راقم کی کتاب کی کسی طریقے سے تلخیص کی ہے یا کرائی ہے اور چھاپ دی ہے۔ یہ بات ان کے شوق اور مواد سے دلچسپی کی غمازی کرتی ہے۔ دوسرے مصنف شبیر چوہدری ہیں، جنہوں نے ایک اور انداز اختیار کیا۔ ان کی کتاب کا نام "کشمیر کی قومی آزادی اور پاکستان۔" ہے انکی بھی یہاں کی تعلیم نہیں ہے۔ البتہ انگلینڈ میں انہوں نے تعلیم حاصل کی ہے۔ کتاب کے باہر انہوں نے PH.D لکھا ہے، جب کہ پیش لفظ میں انہوں نے تردید کررکھی ہے۔ انہوں نے بھی زیادہ تر بنیاد میری کتاب کو بنایا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ اس کتاب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ لیکن تحقیق وروایت کے انداز سے آگاہ نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے زیادہ تر نقل کی ہے۔ یہ بات مستقبل کے مورخین کیلئے مناسب نہیں ہوتی۔ ادب و تحقیق میں ایسی نقل، جس سے تخلیق یعنی کوئی نئی بات پیدا نہ ہو،

مستحسن خیال نہیں کی جاتی۔
اس ایڈیشن میں ترمیم و اضافے کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

- تاریخ اور فلسفہ تاریخ، اس باب کو زیادہ جامع بنایا بنایا گیا ہے۔ یہ پہلا باب ہے۔
- تعارف کشمیر کے باب میں انتظامی تقسیم کے عنوان میں اضافہ کیا گیا ہے۔
- " تقسیم ہند سے پہلے کشمیر کی پوزیشن۔ یہ نیا باب اس دفعہ شامل کیا گیا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں یہ باب شامل نہیں تھا۔
- "کشمیر بھارت کا حصہ نہیں۔ اسے بھی نئے انداز سے لکھا ہے۔
- "آزاد کشمیر۔ کی سیاسی جماعتیں۔ اس میں اضافہ کیا گیا ہے۔
- " مقبوضہ کشمیر کی سیاسی جماعتیں۔ نیا اضافہ ہے۔ پہلے ایڈیشن میں تفصیل شامل نہ تھی۔
- جدو جہد آزادی ۱۹۸۷ء تا ۱۹۹۰ء کا ایک مختصر جائزہ شامل ہے۔

اس کے علاوہ جہاں کہیں الفاظ و تحریر میں کمی تھی۔ اسے بہتر بنایا ہے۔ پہلے ایڈیشن کی غلطیوں کو حتی الامکان درست کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ ایڈیشن پہلے ایڈیشن کے بعض تلخ تجربات و واقعات کی بنا پر لیٹ ہوا، جس سے اکثر مصنفوں کو گذرنا پڑتا ہے۔ ابھی شاید اور کتنا وقت لگتا، اگر جناب ممتاز احمد ہاشمی ایڈووکیٹ صاحب کا پرخلوص تعاون حاصل نہ ہوتا۔ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں، جہاں جہاں غلطیاں تھیں، ہاشمی صاحب نے عرق ریزی سے حتی الوسع انہیں درست کرنے میں معاونت کی۔ ان کا شکریہ ادا نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ اس کے علاوہ جناب ڈاکٹر جمیل احمد میر صاحب نے بھی بڑی محنت و کاوش سے کتاب کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے کئی جگہوں پر ترمیم کیلئے بھی مشورے دیئے۔ ان کا بھی بے حد شکر گزار ہوں۔ چھپائی کیلئے زر تعاون جناب نعمت شہزاد صاحب نے فراہم کر کے نہ صرف میری مشکل آسان کر دی اور ممنون احسان بنایا بلکہ کتاب کی چھپائی کا مرحلہ جلد طے ہوگیا۔ لالہ زار پبلشرز کے فاروق اسیر صاحب نے اسے اپنے ادارے سے شائع کرنے کی ذمہ داری لی۔ یوں چھپائی کا یہ مرحلہ اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کی زندگی دراز کرے اور ان کے رزق حلال میں اضافہ کرے۔ آمین۔

مارچ ۱۹۹۱ء

ایک تبصرہ۔ کلیم اختر

یہ امر نہایت خوش آئند ہے کہ ریاست جموں کشمیر کے مختلف پہلوؤں پر کتابیں شائع ہونی شروع ہو گئی ہیں اور گذشتہ پینتیس سال میں جو کمی محسوس کی جارہی تھی، ب کسی حد تک اسے پورا کیا جارہا ہے۔ یہ سلسلہ ریاست کے دونوں حصوں کے علاوہ پاکستان بھارت اور دوسرے غیر ممالک میں بھی جاری ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں اولیت تو جموں و کشمیر کلچرل اکادمی سرینگر کو ہی حاصل رہے گی، جس نے ریاست کے ہر حصہ کے رہنے والوں کے معاشرتی، سیاسی، ثقافتی، علمی و ادبی پہلوؤں پر کتب قلمبند کرائی ہیں اور لوک ادب کے حوالہ سے ان علاقوں کے گیتوں اور کہانیوں کو بھی جمع کرلیا ہے۔ چنانچہ ایک اندازہ کے مطابق جموں و کشمیر کلچرل اکادمی سرینگر اب تک ایک سو کے لگ بھگ کتب اور جرائد شائع کرچکی ہے اس کے مقابلہ میں آزاد جموں و کشمیر میں اتنا کام نہیں ہوا ہے۔ البتہ وہاں موجودہ حکومت نے اس طرف توجہ دی ہے اور توقع ہے کہ یہاں سے بھی اچھی اچھی کتابیں شائع کی جائیں گی اور مسئلہ کشمیر کے حقیقی رخ کو اجاگر کیا جائے گا۔

پاکستان میں بھی کشمیر کے مسئلہ کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور قلمکار اب بھی مشق سخن جاری رکھے ہیں اور ایسی ہی حالت لندن میں مقیم کشمیری باشندوں کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کے موضوع پر ہر ایک نے اپنے اپنے انداز سیاست اور نقطہ نظر کے بارے میں لکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لکھی گئی کتابیں یک طرفہ مواد پیش کرتی ہیں۔ جبکہ حالات اس امر کے متقاضی ہیں کہ اصل واقعات کو بیان کیا جائے۔

حال ہی میں میر پور آزاد کشمیر سے کشمیر کے بارے میں ایک کتاب بعنوان "کشمیر تاریخ کے آئینے میں" شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے مصنف ایم اے خان ہیں، جنہوں نے بڑی محنت و ریاضت سے اس کتاب کو لکھا ہے۔ ان کی یہ کوشش ہے کہ مسئلہ کشمیر کو مقامی اور جماعتی سیاست سے بالاتر رکھ کر سوچا اور سمجھا جائے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر تاریخ اور سیاست سے وابستہ ہے اور فاضل مصنف کا یہ کہنا

کر • تقسیم کے بعد بھارتی یا پاکستانی مصنفین نے کشمیر پر جو کچھ لکھا ہے، وہ خالصتاً انہوں نے اپنے ملکوں کے مفادات کے حوالے سے لکھا ہے اور تاریخ کشمیر کی توجیح حقیقی صورت حال کی روشنی میں نہ کی۔ یہ غلط توجیح ممکن ہے، اس صورت میں کوئی پیچیدگی پیدا نہ کرتی اگر کشمیر مکمل طور پر ۱۹۴۷ء میں ہی پاکستان کے کھاتے میں آجاتا۔ ایسا تو نہ ہوسکا اور جوں جوں کشمیر کی متنازعہ حیثیت نے طول کھینچا، تاریخ کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ اب کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد کی بنیاد اس کی حقیقی تاریخ بن سکتی ہے۔•

فاضل مصنف کا یہ کہنا ہے کہ تاریخ کشمیر مسخ ہوگئی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ۔

• فطرت کے اس قانون کو کوئی نہیں بدل سکتا، جو قوموں کے عروج و زوال کے متعلق ہے۔ عروج سے زوال پذیر ہونے میں بھی ایک عرصہ لگتا ہے۔ اس طرح زوال سے عروج کی طرف مراجعت میں بھی عرصہ درکار ہوتا ہے۔ کشمیریوں کا سفر عروج کی طرف ہی جاری ہے۔ آزادی کی طرف ہی بڑھ رہے ہیں۔ غلامی و آزادی کا دور قوموں پر آتا ہی رہتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے کسی قوم کو غلام نہیں رکھا جا سکتا۔ اس کی قومی تاریخ کے حقائق چھپائے نہیں جا سکتے۔ تاریخ کشمیر میں الجھاؤ تو ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے تحت پیدا کیا گیا تھا اور اس کو بنیاد بنا کر تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔•

کتاب کے ابتداء میں کشمیر کا تعارف ہے۔ پھر تاریخ قدیم (زمانہ قبل از اسلام) سے ہے۔ ۱۹۳۱ء تک کی مختصر تاریخ ہے۔ اس باب میں مصنف نے یہ بتایا ہے کہ حکمران ہمیشہ ہی عوام کو آپس میں لڑاتے رہے اور کشمیری عوام کا خون چوستے رہے۔ دوسرے باب میں تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کی پوزیشن بیان کی گئی ہے اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستوں کی ابتدائی تاریخ کو پرانی کتب اور دستاویزات کے حوالے سے درج کیا ہے اور ہماری دانست میں فاضل مصنف نے ان دو بابوں میں لکھنے میں خاصی محنت کی ہے اور بہت سی غلط روائتوں کو رد کر دیا ہے۔

تقسیم ہند اور کشمیر کی خود مختار حیثیت والا باب بھی اسی انداز سے لکھا گیا ہے اور پوری تحقیق و جستجو اور کتب اور جرائد کے مستند حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ البتہ ہمیں ان کے اس نقطہ نظر اور توجیح سے اختلاف ہے کہ

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ہے۔ دراصل یہی وہ نقطہ ہے جہاں ہمارے قلمکار بھٹک جاتے ہیں اور تاریخ کو اپنے حق میں ثابت کرنے کے لئے ایسے دلائل دیتے ہیں، جن کی تشہیر سے ذہنی انتشار اور فکری و سیاسی خلفشار پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر حال یہ فاضل مصنف کا نقطہ نظر ہے اور اسے سمجھنا چاہئے اور اس کا جو اعتراض ہے، اس کا جواب دینا چاہئے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح کا یہ بیان کہ کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔ کے بارے میں انہیں کوئی سند نہیں ملی۔ اس مسئلہ پر مورخین اور محققین کو تحقیق کرنا چاہئے۔

"کشمیر تاریخ کے آئینے میں۔ ۳۳۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ اس میں تقسیم کے بعد مقبوضہ کشمیر میں مجاہدوں کی سرگرمیوں کو بیان کیا گیا ہے۔ کتاب میں آزاد کشمیر کی سیاسی جماعتوں کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے اور فاضل مصنف نے ان لوگوں کو ہدف تنقید بنایا ہے کہ جنہوں نے تحریک آزادی کشمیر کے نام پر مفاد حاصل کئے۔

اس کتاب میں تحریک حریت کشمیر کے آغاز کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور مختلف حوالوں سے تحریک کے حقیقی رخ کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تحریک حریت کشمیر پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ یہ عوامی تحریک ہے اور عوام ہی اسے تند و تیز جھونکوں کے درمیان زندہ رکھے ہیں۔ کتاب کے مصنف یم اے خان ہیں، جن کے بارے میں کتاب میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہیں۔ بہر حال انداز تحریر سے عیاں ہے کہ مصنف ایک پڑھے لکھے انسان ہیں کیونکہ ان کا انداز معلمانہ ہے۔ ممکن ہے کسی درسگاہ میں پروفیسر ہوں۔۔۔۔ بہر حال کتاب کا محققانہ انداز بتاتا ہے کہ یہ کام کوئی استاد ہی کر سکتا ہے، جو ریسرچ کے جملہ قواعد و ضوابط جانتا ہے۔ (امروز لاہور

۱/۸/۸۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

زندگی ایک بامقصد عمل ہے۔ مقصدیت یا نصب العین کے بغیر عملیت کا پہلو مکمل ہی نہیں ہوتا اور جب تک عملیت کا پہلو مکمل نہ ہو، زندگی میں تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ انسانی زندگی کے لئے ایک اعلیٰ مقصد۔ ایک عظیم نصب العین کا تعین لازمی ہے۔ زندگی میں حرارت و جوش صرف اور صرف نصب العین کے حوالے سے پیدا ہوتا ہے۔ انسانی زندگی اور حیوانی زندگی میں یہی ایک بنیادی فرق ہے۔ حیوان کی زندگی میں مقصدیت کا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا ہے، جب کہ انسان مقصدیت کے حوالے سے ایک بھرپور زندگی گزارتا ہے۔ انسانی زندگی کے تین پہلو ہیں۔ انفرادی۔ اجتماعی اور بین الاقوامی۔ زندگی کے ان تینوں پہلوؤں کو مقصدیت کے حوالے سے ضبط و انقیاد میں لانا انسانی زندگی کا ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے۔ یہی مسئلہ اس تحریر کا سبب بنا۔ بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان یہ سوچنا اور پھر فیصلہ کرنا تقاضا زندگی ہے کہ وہ کونسی راہ حق ہے، جس کے حصول کے لئے یہ عارضی زندگی آگے بڑھے اور منزل مقصود کو جالے۔ وہ کونسا نصب العین ہے، جس کے حصول کے لئے یہ عارضی زندگی گذاری جائے اور جو روز محشر سرخروئی کا باعث بن جائے۔ زندگی کے نصب العین کی تلاش انسانی تاریخ کے ہر دور میں ایک پیچیدہ مسئلہ رہا ہے۔ مگر اس کا تعین بھی ہر دور میں ممکن رہا ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ نصب العین کے تعین کے مسئلے پر نوع بنی انسان ہمیشہ دو طبقات میں بٹی رہی۔ ایک طبقہ انسانی ذہن کے تراشیدہ علوم و افکار کو کامل تصور کر کے اپنی امیدوں کا مرکز بناتا رہا ہے، جبکہ اس کے مقابلے میں ایک طبقہ ہمیشہ سے الٰہی علوم کا متلاشی رہا ہے۔۔ یہ دو طبقہ ہائے فکر ہی حق اور باطل، سچائی اور جھوٹ کے امتیاز کا سبب بنتے رہے ہیں۔ انسانی علوم و افکار کے حامل گروہ کا موقف یہ رہا ہے کہ انسانی علوم و افکار ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد تجربات و مشاہدات کی روشنی میں انسانی زندگی کے لئے ایک بہترین لائحہ عمل ہیں۔

جبکہ الہٰی علوم کے متلاشیوں کا موقف یہ رہا ہے۔ کہ انسانی علوم کے مقابلے میں خالق کائنات کی ہدایت، انسانیت کے لئے بہترین اور ہر لحاظ سے کامل عطیہ ہے اور ہمارے پاس یہ عطیئہ الہٰی قرآن حکیم اور احادیث پاک کی شکل میں من و عن موجود ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث پاک کی تعلیمات کی روشنی میں انفرادی سطح پر زندگی کا نصب العین "انسان مرتضیٰ" بننا ہے۔ اجتماعی سطح پر ایک ایسے معاشرے کا قیام، جو نسل انسانی کے ایک ہونے کے تصور پر مبنی ہو اور جس کے مکین خوف و غم سے محفوظ ہوں۔ جبکہ بین الاقوامی سطح پر مقصود غلبہ حق ہو۔

اسلام کے ان آفاقی اصولوں، جو توفیق الہٰی سے میں سمجھ سکا، کی روشنی میں زندگی کا نصب العین متعین کرنے کی سعی کی، تو خطہ کشمیر کا باسی ہونے کے ناطے سے لا محالہ آزادی اور غلامی کی صورت میرے سامنے تھی۔ اپنے مخصوص معاشرتی تقاضوں کے تناظر میں کشمیر کی غلامی کے حوالے سے فیصلہ در کار تھا، جو اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں فرمان خداوندی کے تحت ہر اس جابر و ظالم کے خلاف جہاد کروں، جس نے خطہ کشمیر پر تسلط جمار کھا ہے اور جہاں کی اکثریت کلمہ گو ہے۔ قرآن عظیم کی درج ذیل آیت سے اس بات کی یوں تائید ہوتی ہے۔

"اور تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ کہ تم ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے، جو کمزور پاکر دبا لئے گئے اور جو فریاد کرتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ ہمیں اس بستی سے نکال، جس کے باشندے برے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کوئی حامی اور مدد گار بھیج"۔

اور جب "کشمیر" کی آزادی کے لئے جہاد کی ٹھانی تو اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا کہ اس خطہ اسیر کے باسیوں کو اپنے طور پر جہاد آزادی کی قطعی اجازت نہیں۔ کشمیر کو "مسئلہ کشمیر" بنا کر بھارت، پاکستان اور بین الاقوامی سامراجی طاقتوں کا محتاج بنادیاگیا ہے۔ اب اس حقیقت کو جانے بغیر جہاد آزادی ممکن نہیں تھا کہ ہماری تقدیر کے فیصلے کرنے کا اختیار دوسروں کو کس نے دیا ہے۔ اگر یہ اختیار جبر و ظلم سے لیا گیا ہے تو اس کے خلاف جدو جہد کیوں نہیں کی گئی؟ اب صورت یہ ہے کہ بھارت اور پاکستان نے ہماری تقدیر کو اپنی خواہشوں اور مفاد پرستیوں کے تابع بنا رکھا ہے۔ فیصلے دہلی یا اسلام آباد میں ہوتے ہیں۔ یا پانچ بڑی طاقتوں کے زیر سایہ اقوام متحدہ میں ہر دو ممالک

تاریخ اور تقسیم ہند کی رو سے کشمیر پر اپنا حق جتاتے ہیں۔ مگر جب مجھے تاریخ کے اوراق پلٹنے کی توفیق ہوئی تو صورت حال کو اسکے بالکل برعکس پایا۔ تقسیم ہند کے بعد بھارتی یا پاکستانی مصنفین نے کشمیر پر جو کچھ لکھا، وہ خالصتاً انہوں نے اپنے ملکوں کے مفادات کے حوالے سے لکھاہے۔ ان مصنفین نے تاریخ کشمیر کی توجیح حقیقی صورت حال کی روشنی میں نہ کی۔ تاریخ کی یہ غلط توجیح شاید پیچیدگی پیدا نہ کرتی، اگر کشمیر مکمل طور پر ۱۹۴۷ء میں ہی پاکستان کے کھاتے میں آجاتا۔ ایسا تو نہ ہو سکا اور جوں جوں کشمیر کی متنازعہ حیثیت نے طول کھینچا، تاریخ کی اہمیت اسی مناسبت سے بڑھتی گئی۔ اب کشمیر کی آزادی کے لئے جدو جہد کی بنیاد اس کی حقیقی تاریخ بن سکتی ہے۔ زیر نظر کتاب تاریخ کشمیر کے چند او جھل مگر انتہائی اہم پہلو نمایاں کرنے کی ایک سعی ہے۔ اس لئے اس تحریر کو اس پہلو سے دیکھا جائے۔

میری یہ خواہش ہے کہ کشمیر کی آزادی کی جدو جہد کے سلسلے میں، جو جمود ہے، وہ ٹوٹے۔ اس جمود کے ٹوٹنے کی تدبیر اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کہ تاریخی حقیقتوں کی روشنی میں ایک لائحہ عمل مرتب ہو، جس میں بنیادی اور فیصلہ کن کردار کشمیریوں کا ہو اور اس کے لئے حقیقی تاریخی شعور کا حاصل ہونا ضروری ہے۔

آخر میں رب ذوالجلال سے دعا کرتا ہوں۔ کہ اس تحریر میں جو کچھ حق اور سچ ہے، اسے لوگوں کے دلوں میں اتار دے اور اگر کچھ غلط اور باطل ہے، تو اس سے ہر پڑھنے والے کو محفوظ رکھے۔ (آمین)

وما توفیقی الا باللہ

مارچ ۱۹۸۶ء

ایم۔اے خان

تاریخ اور فلسفہ تاریخ

(ضرورت واہمیت)

"و تلک الایام نداولھابین الناس" (القرآن)

ترجمہ:۔

"اور یہ زمانے کے انقلابات ہیں، جن کو ہم لوگوں میں گردش دیتے رہتے ہیں۔

آیت بالا میں قوموں کے عروج و زوال کو قانون فطرت کے عین مطابق قرار دیا گیا ہے۔ زمانہ تاریخ ہی کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن ہی میں "والعصر" زمانے کی قسم بھی کھائی ہے اور اللہ تعالیٰ مقدس چیزوں کے علاوہ قسم نہیں کھاتا۔ زمانہ ماقبل اسلام، اقوام عالم کی عروج کی داستانیں اور زوال کی نشانیاں قرآن حکیم میں بالوضاحت بیان ہوئی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

ترجمہ:۔

"اقوام سابقہ کے قصے عقل مندوں کیلئے باعث عبرت ہیں۔ یہ من گھڑت نہیں ہیں۔ یہ واقعات آپ (رسول اللہ صلی علیہ وسلم) سے پہلے رونما ہوئے ہیں۔ اس میں ہر بات کھول کر بیان کردی گئی ہے اور یہ ایمان والوں کیلئے باعث ہدایت ورحمت ہے۔"

(سورہ یوسف ۱۱۱)

اقوام سابقہ کی داستان عروج و زوال کو زمانہ جدید "تاریخ" کہتا ہے۔ کئی مفکروں نے اسکی تعریف اپنے اپنے الفاظ میں کی ہے۔ تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا مادہ ارخ ہے۔ انگریزی میں لاطینی لفظ "ہسٹوریا" سے اخذ شدہ لفظ "ہسٹری" بولا جاتا ہے، جس کے معنی اطلاع، تحقیق اور معلومات حاصل کرنا ہیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینکا کا مقالہ نگار اسکی تعریف یوں کرتا ہے:۔

"انسانی خطا پذیر، شہادت و فہم کے مطابق ماضی کا زیادہ صحت کے ساتھ بیان

"تاریخ" کہلاتا ہے۔۔

جوں جوں انسان ارتقاء کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھا ہے، علمی تحقیق و جستجو کے زاویے اور رویے بھی بدلے ہیں۔ "تاریخ" اب صرف تاریخ نہیں رہی بلکہ یہ ترقی کر کے فلسفہ اور سائنس بن گئی ہے۔ "تاریخ" کو فلسفہ اور سائنس بنانے کی بنیادیں ایک مسلمان مفکر علامہ ابن خلدون نے فراہم کی ہیں۔ اس سے قبل کہ مفکرین و فلاسفہ تاریخ کی آراء بیان کروں، یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تاریخ ماضی کا وہ آئینہ ہے، جس کے تناظر میں مستقبل اور حال کی منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔ کشمیر کی داستان غلامی بڑی طویل ہے۔ غلامی کو آزادی میں بدلنے کیلئے ہمیں تاریخی حقائق کو بنیاد بنانا پڑے گا۔

تاریخی حقائق کیا ہیں؟ یہ ہمیں تاریخ سے ہی اخذ کرنے ہیں۔ مستقبل کی جذباتی یا حقیقی خواہشات کو تاریخی حقائق سے ہی قابل عمل بنایا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن خلدون نے اقوام سابقہ کی تاریخ کو تحقیق و جستجو کی کسوٹی پر پرکھنے کی ترغیب دی ہے تاکہ حقائق کی بنیاد پر مستقبل کا نقشہ تیار ہو سکے۔ علامہ نے کئی مؤرخین پر تنقید کی، جنہوں نے حالات کو کسی معیار پر پرکھے بغیر درج کیا ہے۔ علامہ نے زوال کی نشانیوں کو درج ذیل آیت پاک کو بنیاد بنا کر زیر بحث لایا ہے۔

ترجمہ:۔

"اور جب ہم کسی آبادی کو برباد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دولت مندوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ اس لئے وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اب اس پر ہمارا قانون فطرت منطبق ہو جاتا ہے اور ہم اس کو تباہ کر دیتے ہیں۔۔(بنی اسرائیل۔۲)

مشہور مفکر لیبان بھی اسی خیال کو بیان کرتا ہے۔ اس کے مطابق جو خصوصیات اور محاسن کسی قوم کو عروج پر لے جاتے ہیں، عروج پر پہنچنے کے بعد وہ محاسن، برباد ہو جاتے ہیں اور قوم مال و دولت، عیش و عشرت کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ یوں اس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔

پروفیسر آرنلڈ جے ٹائن بی، مصنف "مطالعہ تاریخ" لکھتا ہے۔۔

"اکیس نمونوں کے مطالعہ کے بعد میرے دل نے اس حقیقت کو بالکل قبول کر لیا ہے کہ تمدن اسی وقت تک صحت مند رہتے ہیں، جب تک ان کی تخلیق کی صلاحیت

برسر عمل رہتی ہے۔ وہ اپنے جغرافیائی ماحول نقل مکانی یا داخلی تغیرات کے پیدا کردہ چیلنج کا خیر مقدم جدید اور تخلیقی طریقوں سے کرتے جاتے ہیں اور جب کسی معاشرے میں تخلیقی قوتیں مغلوب ہو جائیں تو پھر محض قوت کے بل پر اپنے وقار کو قائم رکھنے کے قابل نہیں رہتیں اور یوں کوئی دوسری قوم ان کی آزادی کو سلب کر لیتی ہے۔۔(۱)

کانٹ کہتا ہے:-
"اگر انسان محض معاشرتی رجحان کے زیر اثر رہتا تو ہمیشہ لکیر کا فقیر رہتا۔ کوئی نئی بات کبھی پیدا نہ ہوتی، (کیونکہ ہر "نئی" بات عام باتوں سے علیحدہ ہوتی ہے ورنہ وہ "نئی" نہ ہوگی۔) افکار تازہ پیدا نہ ہوتے، سائنسی ایجادات نہ ہوتیں۔ انسان کھا پی کر مست رہتا اور سست ہو جاتا۔(۲)

ڈاکٹر محمد رفیع الدین اپنے ایک مضمون "صحیح فلسفہ تاریخ کیا ہے؟ قرآن کی رہ نمائی میں" لکھتے ہیں:-
"تاریخ کے فلسفی کا رول یہ ہے کہ وہ تاریخ کے حالات اور واقعات کا مطالعہ کر کے عمرانی تغیرات کے اصولوں کو دریافت کرے۔ اس کی کاوشوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ معلوم کرے کہ قوموں اور تہذیبوں کا عروج و زوال کونسے قوانین کا پابند ہے اور اسکی بقا اور فنا میں کونسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ کیا کوئی تہذیب ایسی بھی ہو سکتی ہے، جسے ہم حرکت تاریخ کی منزل مقصود قرار دے سکیں، جس پر زوال اور فنا کے عوامل اثر انداز نہ ہوں اور جس کے لئے عروج و بقا کے عوامل پوری شدت اور قوت سے اپنا کام کریں۔ اگر کوئی تہذیب ایسی بھی ہو سکتی ہے تو اسکے لوازمات کیا ہیں؟ اور فلسفہ تاریخ کا عملی فائدہ یہ ہے کہ اسکی روشنی میں قومیں زوال اور فنا اور فنا کی راہوں سے بچ کر عروج و بقا کے راستوں پر گامزن ہو سکتی ہیں۔ لیکن فلسفہ تاریخ کا عملی فائدہ اسی صورت میں ایک حقیقت بن سکتا ہے، جب فلسفہ تاریخ صحیح ہو اور اس کے مطالعہ سے درحقیقت قوموں کے عروج زوال اور فنا و بقا کے صحیح قوانین کا پتہ چلتا ہو

---

(۱) بحوالہ ایس۔ ایم شاہد "مطالعہ تاریخ۔ ص ۱۸۶۔ (۲) ڈاکٹر آغا افتخار حسین "قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ۔ ص ۱۸۳

اور قائم رہنے والی تہذیب کے لوازمات کا علم حاصل ہو۔۔(۱)
ڈاکٹر آغا افتخار حسین رقمطراز ہیں:۔

"تاریخ کے مطالعے کا ایک نہایت اہم مقصد یہ ہے کہ ماضی سے سبق حاصل کر کے مستقبل کی صحیح تشکیل کی جائے۔ زندہ قومیں اپنے ماضی کو یاد رکھتی ہیں اور ماضی کا جائزہ لیتے وقت نہ صرف اپنے اسلاف کے شاندار کارناموں پر فخر کرتی ہیں بلکہ انکی کمزوریوں اور کوتاہ اندیشیوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتیں۔ وہ اکثر اوقات اپنی تاریخ کے تاریک دور سے زیادہ سبق حاصل کرتی ہیں۔۔(۲)

علامہ اقبال لکھتے ہیں:۔

"جس طرح فرد کی زندگی میں حافظہ کی اہمیت ہے کہ اگر یہ گم ہو جائے تو زندگی بے معنی ہو جاتی ہے، اسی طرح ایک قوم کی زندگی میں تاریخ کی اہمیت ہے۔ اگر تاریخ کسی قوم سے گم ہو جائے تو اس کی زندگی بے معنی ہو جاتی ہے۔۔(۳)

اس حقیقت سے کوئی باشعور انکار نہیں کر سکتا کہ جس قوم کی تاریخ چھین لی جائے یا گم کر دی جائے، وہ قوم دنیا کے نقشے پر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تاریخ قوموں کا سرمایہ ہوتی ہے۔ تاریخ سے قوموں کی زندگی اور موت وابستہ ہوتی ہے۔ قوم اگر آزاد ہو تو تاریخ انہیں اسلاف کی ان قربانیوں سے آگاہ کرتی ہے، جو انہوں نے آزادی کے راستے میں دے کر قوم کے مستقبل کو ترقی و خوشحالی کے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اگر قوم غلام ہو تو تاریخ قوم کو آزاد زندگی کیلئے ایک نئے جوش، ایک نئے ولولے سے آشنا کرتی ہے۔ تاریخ غلام قوم کے افراد کو یہ باور کراتی ہے کہ ان کے اسلاف نے آزادی اور پھر آزادی کی حفاظت کیلئے بے پناہ قربانیاں دیں تھیں اور یوں دنیا میں باعزت قوم کا وقار حاصل کیا تھا۔ پھر تاریخ یہ بھی باور کراتی ہے کہ کس طرح ایک نسل قبیلائی و گروہی مفادات میں الجھ کر، ذاتی و جسمانی لذات میں کھو کر آزادی کی نعمت سے محروم ہو کر غلام ہو جاتی ہے اور پھر غلامی سے دوبارہ آزادی کی طرف سفر اختیار کرنے کیلئے نیا لائحہ عمل بھی

---

(۱) ڈاکٹر محمد رفیع الدین "اقبال ریویو۔ جولائی ۱۹۶۲ء — ص ۱۱۱
(۲) ڈاکٹر آغا افتخار حسین "قوموں کی شکست و زوال کے اسباب کا مطالعہ۔ ص ۱۲۶
(۳) بحوالہ کوثر نیازی "مطالعہ تاریخ۔ ص ۵۸

دراصل ماضی کی تاریخ سے ہی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ گویا تاریخ وہ آئینہ ہے، جس میں قومیں ماضی کی روشنی میں حال و مستقبل کے لئے لائحہ عمل مرتب کرتی ہیں۔ قوم آزاد ہو تو اسکے لائحہ عمل کا سارا محور و منشا آزادی وطن ہوگا۔

تاریخ کشمیر مسخ ہوگئی۔

کشمیری بحثیت قوم ایک درخشاں تاریخ کے مالک ہیں مگر فطرت کے قانون عروج وزوال کے تحت ایک طویل عرصے سے محکومی کا شکار چلے آرہے ہیں۔ ایک طویل عرصہ محکومی میں گزارنے کے باجود کشمیریوں نے آزادی کے لئے کوئی موثر جدو جہد نہیں کی اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تاریخ کشمیر مسخ کردی گئی ہے۔ دنیا میں جتنی بھی محکوم قومیں ہیں، سب کی محکومی کی کوئی نہ کوئی بنیادی وجہ ضرور ہوتی ہے۔ ہماری محکومی کی بنیادی وجہ تاریخ کا مسخ ہوجانا ہے۔ تاریخ کے مسخ ہوجانے کی وجہ سے قوم ان راہوں کا انتخاب ہی نہ کر سکی جو آزادی کی طرف جاتی ہیں۔ دنیا کے مفکرین بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کسی قوم کو صف ہستی سے مٹانا ہو تو اس سے اس کی تاریخ چھین لو۔ ہماری تباہی اور غلامی کے لئے بھی سامراج نے یہی سوچا ہے کہ تاریخ کشمیر مسخ کرکے کشمیریوں کو ہمیشہ کے لئے غلام بنالیا جائے۔ ۱۹۴۷ء سے ہی تاریخ کشمیر کو مسخ کرکے پیش کیا جارہا ہے۔ کشمیر کے اس حصے میں، جہاں بھارت کا قبضہ ہے، کشمیر کے بچوں کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ مہاراجہ کشمیر نے ریاست کا بھارت سے الحاق کردیا تھا۔ اس لئے اب یہ ہمارا اٹوٹ انگ ہے اور کشمیر کا وہ حصہ، جس پر پاکستان کا قبضہ ہے۔ وہاں بچوں کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ قانون تقسیم ہند کے تحت کشمیر خود بخود پاکستان کا حصہ بن گیا تھا۔ ان حالات کی موجودگی میں ہم یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ ہماری قوم کے بچے اپنی قوم کی آزادی کی جنگ لڑیں گے اور یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک قوم کے سامنے ایک واضح صاف اور صریح نصب العین نہ ہو قوم نہ تو منظم ہوسکتی ہے اور نہ قربانی کے لئے تیار ہوسکتی ہے۔ قومیں اس وقت جدو جہد پر آمادہ ہوتی ہیں، جب ان کے سامنے اپنی ایک درخشاں تاریخ ہو ورنہ وہ غلامی کو ہی آزادی سمجھ کر قناعت اختیار کرلیتی ہیں جیسے ہمیں یہ صورتحال درپیش ہے۔ قوم کو اگر باور کرایا جائے کہ وہ بحثیت قوم غلام ہیں تو یہ بات انہیں بڑی عجیب اور انجانی سی معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے کہ انہوں

نے موجودہ صورت حال ہی کو آزادی سمجھ رکھا ہے۔
مگر فطرت کے اس قانون کو کوئی نہیں بدل سکتا، جو قوموں کے عروج و زوال کے متعلق ہے کہ عروج کے بعد زوال اور زوال کے بعد عروج۔ عروج سے زوال پذیر ہونے میں بھی ایک عرصہ لگتا ہے۔ اسی طرح زوال سے عروج کی طرف پیشقدمی میں بھی عرصہ درکار ہوتا ہے۔ کشمیریوں کا سفر عروج کی طرف ہی جاری ہے۔ قدم آزادی کی طرف ہی بڑھ رہے ہیں۔ غلامی و آزادی کا دور قوموں پر آتا ہی رہتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے کسی قوم کو غلام نہیں رکھا جا سکتا اس کی قومی تاریخ کے حقائق چھپائے نہیں جا سکتے۔ تاریخ کشمیر میں الجھاؤ تو ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے تحت پیدا کیا گیا تھا اور اسی کو بنیاد بنا کر تاریخ کشمیر کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ الجھاؤ چند نکات اور دلیلوں کی بنیاد پر پیدا کیا گیا ہے۔ ان نام نہاد نکات اور دلیلوں کو باری باری زیر بحث لایا جائے گا۔

کشمیر کا مختصر تعارف

ریاست جموں و کشمیر جسے صرف "کشمیر" بھی کہتے ہیں، برصغیر پاک و ہند کے انتہائی شمال میں اور جنوبی ایشیا کے عین وسط میں واقع ہے، اسی لئے اسے ایشیاء کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کے انتہائی مغرب میں واقع یہ حسین خطہ زمین ایشیاء کی پانچ طاقتوں کے درمیان واقع ہے۔ ان میں دو بڑی طاقتیں چین اور روس ہیں۔ شمال اور مشرق کی جانب سے تقریباً ۶۰۰ میل سرحد چین کے صوبہ سنکیانگ اور تبت سے ملتی ہے اور تقریباً اتنے ہی میل سرحد پاکستان سے ملتی ہے۔ ۳۰ میل کی ایک تنگ پٹی افغانستان کے ساتھ ملتی ہے۔ اور واخان کی یہی تنگ پٹی کشمیر کو روس سے جدا کرتی ہے۔ بھارت کے ساتھ ساڑھے تین سو میل سرحد ملتی ہے۔ مگر زیادہ تر ناقابل عبور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ صرف پنجاب کی طرف سے قابل عبور راستہ ملتا ہے۔

رقبہ

کشمیر قدیم سے کشمیر جدید تک ایک طویل سفر ہے۔ اس دوران اس مملکت کا رقبہ کبھی کابل، سمرقند اور بخارا تک اور دوسری طرف دکن تک پھیل جاتا تھا اور کبھی سکڑ کر وادی کشمیر اور جموں تک محدود ہو جاتا تھا۔ اس وقت جس جموں و کشمیر ریاست کا رقبہ ہمارے مدنظر ہے۔ وہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت مہاراجہ ہری سنگھ کے زیر حکومت رقبہ ہے اور ریاست کی یہ پوزیشن خاصی غیر متنازعہ ہے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے وقت کشمیر کا رقبہ ۸۶،۱۶۳ مربع میل تھا۔ بعض مصنفین کے مطابق اس کا رقبہ ۸۴،۴۷۱ مربع میل ہے۔ اکثر مصنفین نے اپنی کتابوں میں اسی رقبے کو لیا ہے۔ مگر خیال کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے غالباً اس علاقے کو نظر انداز کیا ہے، جو بعد میں چین کے پاس چلا گیا۔ (امان اللہ نے "فری کشمیر" میں اس کا رقبہ ۸۴۴۹۴ مربع میل لکھا ہے۔ کولبر انسائیکلوپیڈیا نے کل رقبہ ۸۶۰۲۴ مربع میل یا ۲۲۲،۱۰۸ مربع کلومیٹر لکھا ہے۔

آبادی

۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست جموں کشمیر کی آبادی ۹۸۰، ۳۴، ۴۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ اب یہ آبادی دگنی سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ چونکہ ۱۹۴۷ء کے بعد کشمیر تقسیم ہو کر بھارت و پاکستان کے کنٹرول میں چلا گیا تھا اس لئے پوری ریاست جموں و کشمیر کی مردم شماری نہ ہو سکی۔ البتہ مختلف علاقوں میں مردم شماری کے مطابق پورے کشمیر کی آبادی اس وقت تخمیناً ایک کروڑ بیس لاکھ سے زائد ہوگئی ہے۔ یاد رہے اس رقبے اور آبادی میں گلگت بلتستان کا رقبہ اور آبادی بھی شامل ہے۔

انتظامی تقسیم:۔

تقسیم کے وقت کشمیر کے تین صوبے تھے۔ ۱۔ صوبہ جموں۔ ۲۔ صوبہ کشمیر۔ ۳۔ سرحدی صوبہ، جو لداخ، گلگت، بلتستان پر مشتمل تھا۔

۱۔ صوبہ جموں:۔

صوبہ جموں کا کل رقبہ ۱۲۳۷۸ مربع میل ہے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق کشمیر میں کل گاؤں ۸۹۰۳ اور ۳۹ قصبے تھے، جن میں سے ۴۴۷۲ صوبہ جموں میں واقع تھے۔ اس صوبے کا ۲۴۹۸ مربع میل "آزاد کشمیر" میں اور ۹۸۸۰ مربع میل بھارت کے پاس ہے۔ تقسیم کے وقت جموں کے اضلاع میں ضلع جموں، ضلع ادھم پور، ضلع ریاسی اور ضلع میرپور شامل تھے۔ جبکہ پونچھ ایک جاگیر تھی۔ اب بھارتی مقبوضہ جموں میں جموں۔ ادھم پور اور ریاسی کے علاوہ ضلع کٹھوعہ، ضلع راجوری، ضلع پونچھ اور ضلع ڈوڈہ نئے اضلاع بنائے گے ہیں۔ جبکہ آزاد علاقے میں ضلع میرپور کی تحصیل کوٹلی کو ضلع کا درجہ دیا گیا ہے۔ پونچھ کے بھی دو اضلاع ضلع پونچھ و ضلع باغ بنادئے گئے ہیں۔(۱) جموں کا جو حصہ پنجاب کے ساتھ ملتا ہے، میدانی ہے۔ تھوڑا آگے بڑھ کر بتدریج اونچے نیچے ٹیلے اور پہاڑیاں شروع ہوجاتی ہیں۔ نہ صرف پورے کشمیر میں، بلکہ کسی ایک صوبے میں بھی بسنے والے لوگوں کی زبان اور

---

(۱) بحوالہ چراغ حسن حسرت

رہن سہن ایک نہیں ہے۔ صوبہ جموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، جو علاقہ پنجاب کے ساتھ ملتا ہے۔ اس علاقے کو " کاہنڈی " بھی کہتے ہیں۔ یہاں زیادہ تر برہمن، کھتری، ٹھکر اور جاٹ بستے ہیں۔ ٹھکروں اور جاٹوں میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس علاقے کی زبان پہاڑی ہے۔ دوسرا علاقہ توی سے دریائے جہلم تک کا ہے، اس میں میرپور بھی شامل ہے۔ اس میں چب راجپوت قبیلہ کے علاوہ جاٹ۔ منگرال اور گکھڑ بکثرت آباد ہیں۔ یہاں وادی کشمیر سے آکر بسنے والوں کی تعداد بھی خاصی ہے، جسکی وجہ سے ڈوگری اور کشمیری کے ملاپ سے ایک نئی زبان بن گئی ہے۔ اس علاقے میں گوجر قبیلہ بھی آباد ہے، جو گوجری زبان بولتا ہے۔ گوجر سارے کشمیر میں کئی جگہوں پر آباد ہیں۔ پونچھ، جس کا ایک حصہ اوڑی و مظفرآباد، صوبہ کشمیر، دوسری طرف کوٹلی، صوبہ جموں اور تیسری طرف پاکستان کے علاقہ مری سے متصل ہے ضلع پونچھ میں سدوزئی قبیلہ کے لوگ بکثرت آباد ہیں جبکہ ضلع باغ میں مغل، ڈھونڈ، گوجر، اور کشمیری ذات کے لوگ بستے ہیں۔ اس علاقے کی زبان بھی پہاڑی ہے۔

۲۔ صوبہ کشمیر

صوبہ کشمیر کا رقبہ ۸۵۳۹ مربع میل ہے، جو دوسرے دونوں صوبوں سے کم ہے۔ مگر اپنی قدرتی خوبصورتی کے باعث ابدی شہرت حاصل کی ہے۔ صوبہ کشمیر کے ۳۴۷۶ گاؤں ہیں۔ اس صوبے کا ۲۴۰۹ مربع میل علاقہ " آزاد کشمیر " میں اور ۶۱۳۱ مربع میل بھارت کے قبضے میں ہے۔ تقسیم کے وقت تین ضلعوں پر مشتمل تھا۔ اب اس کے چار اضلاع ضلع سرینگر، ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) ضلع بارہ مولا، ضلع پلوامہ مقبوضہ کشمیر میں اور ضلع مظفرآباد آزاد کشمیر میں ہے۔ معروف وادی کشمیر، جو ۸۴ میل لمبی اور ۲۰ میل سے زائد چوڑی ہے، اسی صوبے میں واقع ہے۔ دنیا کے سیاحوں کا مرکز رہی ہے۔ یہاں شیخ راجپوت، سید۔ مغل، پٹھان، گوجر، قبیلوں کے لوگ زیادہ آباد ہیں۔ شیخ جن میں۔ کول۔ بٹ۔ پنڈت۔ اہتو۔ ایتی۔ منٹو۔ گنائی۔ ماگرے۔ ڈار۔ ٹھاکر۔ نائک۔ لون اور ڈامر۔ شامل ہیں۔ یہاں زیادہ کشمیری زبان بولی جاتی ہے البتہ گوجری اور پہاڑی زبانوں کا بھی عام چلن ہے۔

۳۔ سرحدی صوبہ (لداخ۔ گلگت۔ بلتستان)

سرحدی صوبہ ، جسکی سرحدیں چین اور افغانستان سے ملتی ہیں ، کا کل رقبہ ۶۳۵۵۴ مربع میل ہے ۔ ۲۸، گاؤں ہیں۔ ۳۳۷۴۰ مربع میل مقبوضہ کشمیر اور ۲۹۸۱۴ مربع میل آزاد کشمیر میں شامل ہے۔ لداخ کا تقریباً سارا علاقہ مقبوضہ کشمیر میں ہے جبکہ گلگت اور بلتستان کا علاقہ حکومت پاکستان نے براہ راست کنٹرول میں لے رکھا ہے ۔ لداخ ، جو سرینگر سے ۲۳۴ میل ہے ، کا بڑا شہر لیہ ہے ۔ یہاں بدھ مت کے پیرو کار زیادہ ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کی تعداد ہے ۔ یہاں پر الگ زبان ہے۔ جس پر تبتی زبان کے زیادہ اثرات ہیں۔ اسے لداخی زبان کہتے ہیں۔

گلگت۔ جس کے ساتھ ہنزہ و نگر کی جاگیریں بھی ہیں۔ نگر کی جاگیر انتظامی لحاظ سے بلتستان کے انتظامی یونٹ میں شامل ہے۔ گلگت میں زیادہ تر شینا زبان بولی جاتی ہے ہنزہ میں سب سے الگ زبان بروشسکی زبان بولی جاتی ہے ، جبکہ نگر میں بلتی زبان بولی جاتی ہے۔ بلتستان دریائے سندھ کے دو جانب کوہستان ہمالیہ اور قراقرم کے درمیان واقع ہے ۔ اس کا رقبہ ۱۰،۱۱۸ مربع میل ہے۔ ۱۹۱۳ء کی مردم شماری کے مطابق اسکی آبادی

۲،۲۳،۰۰۰ نفوس پر مشتمل تھی۔ بلتستان کے لوگ تبتی نسل کے ہیں ، لیکن باہر سے آنے ہوئے درد یونانی ، ایرانی ۔ ترک ۔ مغل اور کشمیریوں کی آمیزش سے تبتیوں سے مختلف لگتے ہیں۔ سادات ، مقپون۔ اماچہ اور بیگوخاندان کا بہت احترام ہے ۔ زبان جس پر تبتی زبان کے گہرے اثرات ہیں۔ بلتی کہلاتی ہے۔

جنت بے نظیر کے حسین تحفے

وادیاں:

ریاست جموں کشمیر کو اگر وادیوں کی سرزمین کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ پہاڑوں کے دامن میں وادیوں ہی کا مسکن ہو سکتا ہے۔ دنیا کی سب سے خوبصورت اور مشہور وادی تو وادی کشمیر ہی ہے، جو ۸۴ میل لمبی اور ۲۰ میل سے زائد چوڑی ہے۔ یہ دنیا کی حسین ترین وادی ہے۔ اس کے علاوہ وادی لدریا لدرو ٹھ۔ وادی سندھ۔ وادی لولاب۔ وادی سونامرگ۔ وادی بناہ۔ وادی سماہنی، وادی بھنسہ۔ وادی روندو سکردو۔ شگر۔ خپلو۔ کھرمنگ، گلتری اور سورو کرتسے مشہور وادیاں ہیں۔

موسم اور مناظر

خطہ کشمیر موسم کے لحاظ سے بھی اور مناظر کے لحاظ سے بھی بے مثال ہے۔ موسم سرما اور گرما میں مختلف جگہوں پر موسم کے بدلنے میں بھی دیر نہیں لگتی۔ اونچے اونچے پہاڑ جہاں سارا سال برف جمی رہتی ہے، کشمیر میں ہی واقع ہیں۔ وادی کشمیر کا موسم نسبتاً جموں اور گلگت و بلتستان سے مختلف ہے۔ موسم کا تغیر و تبدل علاقے کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ برنیئر جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ پہلا یورپی تھا، جو کشمیر میں داخل ہوا لکھتا ہے۔ "سچ تو یہ ہے کہ میں تخیل کی انتہائی جولانی میں بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ یہ اقلیم اتنی حسین ہوگی۔"(۱)

پہاڑ:

خطہ کشمیر پہاڑوں اور ان کے درمیان وادیوں کی وجہ سے دنیا کا حسین ترین خطہ تصور کیا جاتا ہے۔ وادی کشمیر جو ریاست جموں و کشمیر کی سب سے بڑی وادی ہے۔ اس کے اردگرد پہاڑوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے، کوہ ہرمکھ، جو ۱۶۹۵۰ فٹ بلند کوہ برزل ۱۷۰۰۰ فٹ کوہ کرشیو ۷۰۰۰ فٹ بلند ہیں، اس کے علاوہ کوہ گوشہ براری، کوہ

---

(۱) نصرت ۱۹۶۰ء (کشمیر نمبر) ص ۱۶

امرناتھ، نانگا پربت، کوہ ماربل، کوہ شادی پورہ، کوہ ہرمکھ وغیرہ واقع ہیں۔ دنیا میں سب سے بلند پہاڑی سلسلہ کوہ ہمالیہ، جس کے دامن میں خطہ کشمیر آباد ہے، شمالی سرحد میں گھرڈون آسٹن پہاڑ، جو ایورسٹ کے بعد سب سے بلند چوٹی ہے، واقع ہے۔ اس کی بلندی ۲۸۲۷۸ فٹ ہے۔ نانگا پربت جو استور کے علاقے میں آتا ہے اور وادی کشمیر میں ہر جگہ سے نظر آتا ہے، ۲۶۶۶۰ فٹ بلند ہے۔

کشمیر کے تین بڑے پہاڑی سلسلوں میں سے پہلا سلسلہ پنجاب کی طرف سے نسبتاً کم اونچی پہاڑیوں سے شروع ہو کر پونچھ اور ریاسی کی طرف نکل آتا ہے، جنہیں شوالک کی پہاڑیاں کہا جاتا ہے۔ دوسرا سلسلہ پیر پنجال کا ہے اور تیسرا ہمالیہ کا سلسلہ ہے، جو جنوب مغرب اور شمال مشرق کی طرف پھیلتا جاتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے میں دنیا کی بلند ترین چوٹیاں کوہ پیماؤں کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں۔

دریا:

کشمیر کے مشہور دریاؤں میں سندھ۔ جہلم۔ چناب۔ راوی۔ پونچھ اور نیلم شامل ہیں۔ ان دریاؤں میں کئی چھوٹے چھوٹے دریا بھی شامل ہوتے ہیں۔ دریائے سندھ جو قدیم زمانے سے مشہور چلا آرہا ہے، تبت سے ۱۷۰۰۰ فٹ کی بلندی سے نکلتا ہے۔ کشمیر میں یہ دریا لداخ سے داخل ہوتا ہے اور شمال مغربی راستوں پر بہتا ہوا چیلاس سے پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔ دریائے جہلم جو سرینگر کے قریب چشمہ ویری ناگ سے نکلتا ہے، تقریباً ۱۰۰ میل کی مسافت کے بعد یہ ایک بڑا دریا بن جاتا ہے۔ وادی کے مشہور قصبے اور پاکستان کے بہت سے شہر اس کے کنارے آباد ہیں۔ "آزاد کشمیر" کا دارالحکومت مظفرآباد دریائے جہلم اور دریائے نیلم کے سنگم پر واقع ہے۔ مظفرآباد کے قریب دریائے نیلم، اس سے کچھ نیچے دریائے کنہار (نین سکھ) اور ڈڈیال کے قریب چومکھ کے مقام پر دریائے پونچھ اس میں شامل ہوجاتے ہیں۔ دریائے چناب، جو آغاز میں دو ندیوں سے شروع ہوتا ہے (جو لاہول چمبہ سے نیچے آتی ہیں) اکھنور سے کشمیر میں داخل ہو کر گجرات پاکستان میں داخل ہوجاتا ہے، دریائے راوی، جو مشرقی پنجاب سے نکلتا ہے، کشمیر میں صوبہ جموں سے گزر کر پاکستان میں داخل ہوجاتا ہے۔

جھیلیں:

جھیلوں میں جھیل ڈل ، جھیل ولر ، جھیل مانس بل ، جھیل کونسر ناگ ، جھیل شیش ناگ جھیل رتی گلی وغیرہ مشہور جھیلیں ہیں۔ ڈل سب سے خوبصورت جھیل ہے ، جو سرینگر کے قریب پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ دو ننھے ننھے جزیرے روپ لنکا اور سونا لنکا اس کے حسن میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ اس کے قرب و جوار میں تخت سلیمان، شاہی چشمہ اور نشاط باغ وغیرہ واقع ہیں۔ ولر برصغیر میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل ہے۔ جھیل مانس بل سرینگر سے ۱۸ میل کے فاصلے پر وادی کشمیر میں واقع ہے۔ کونسر ناگ اور شیش ناگ جھیل ۱۵ ہزار فٹ بلندی پر واقع ہیں۔ باغسر جھیل ضلع میرپور میں پرانی مغل شاہراہ پر واقع ہے۔ رتی گلی مظفر آباد اور شاردا سڑک پر واقع ہے۔

باغات:

اس سرزمین پر بے شمار حسین باغات واقع ہیں، جن میں شالا مار باغ۔ نشاط باغ۔ نسیم باغ۔ نگین باغ۔ چشمہ شاہی باغ۔ بادامی باغ اور حضوری باغ وغیرہ مشہور ہیں۔ یہ تمام باغات سرینگر اور اس کے گردونواح میں واقع ہیں۔ شالامار باغ جھیل ڈل کے آخری کنارے پر واقع ہے۔ نہروں۔ پھولوں۔ بارہ دریوں اور فواروں کی وجہ سے انتہائی خوبصورت ہے۔ نسیم باغ میں چناروں کے بہترین درخت ہیں، جہاں ہر وقت ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ نشاط باغ بھی ڈل کے کنارے واقع ہے۔ سرینگر سے دو میل دور جموں روڈ پر بادامی باغ اور تقریباً ۸ میل دور حضوری باغ واقع ہیں۔

جنگلات:

ایک اندازے کے مطابق کشمیر کے تقریباً ۱۱ ہزار مربع میل علاقے پر جنگلات ہیں، جن میں مشہور درخت دیودار۔ چیل۔ بیئنر۔ پاپولر وغیرہ کے ہیں۔ دیودار کا درخت سب سے اعلیٰ درخت ہے۔ یہ ۵ ہزار فٹ کی بلندی سے اوپر کی سطح زمین پر ہوتا ہے۔ آزاد کشمیر میں یہ درخت صرف مظفر آباد کے علاقے میں ہوتا ہے۔ اس کے باقی

جنگلات مقبوضہ کشمیر میں واقع ہیں۔ جنگلات کشمیر کی ایک اہم اور سب بڑی صنعت ہے۔ آمدنی کا زیادہ دارو مدار اسی پر ہے۔ منگلا ڈیم کی تعمیر سے پہلے یہ لکڑی دریائے جہلم کے راستے آتی تھی، مگر منگلا ڈیم بننے کے بعد یہ لکڑی گاڑیوں پر سیدھی پاکستان کی منڈیوں میں پہنچ جاتی ہے۔

پیداوار:

مختلف جگہوں پر مختلف موسم انواع و اقسام کی پیداوار کے موجب ہیں۔ وادی کے علاقے میں چاول زیادہ کاشت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مکئی بھی کاشت ہوتی ہے۔ وادی میں زیادہ تر لوگ چاول ہی استعمال کرتے ہیں۔ سبزیاں ہر قسم کی دستیاب ہوتی ہیں اور پھلوں میں ناشپاتی۔ سیب۔ بگوگوشہ۔ آلو بخارا۔ آڑو۔ بادام اور خوبانی وغیرہ یہاں بکثرت ہوتی ہیں۔ جموں کے علاقے میں چاول، مکئی، گندم، باجرہ وغیرہ کاشت ہوتا ہے۔ پہاڑی علاقے میں بھیڑوں۔ بھینسوں۔ گایوں۔ بکریوں کے ریوڑ پالے جاتے ہیں، جن سے گھی اور مکھن بکثرت پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اون اور ریشم بھی وافر مقدار میں مہیا ہوتے ہیں، جو گرم کپڑوں۔ کمبلوں وغیرہ کے بنانے کے کام آتے ہیں۔ سبزیاں اور پھل جو وادی میں پیدا ہوتے ہیں، قریب قریب جموں میں بھی پیدا ہوتے ہیں۔ جڑی بوٹیوں کی بہتات ہے اور یہ کشمیر میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ خاص کر زعفران کی ایک قیمتی قسم بھی کشمیر میں پیدا ہوتی ہے۔

تاریخ قدیم (زمانہ قبل از اسلام)

کشمیر کو اس لحاظ سے بھی برصغیر پاک و ہند اور تاریخ عالم میں ایک اہم مقام حاصل ہے کہ اس کی تاریخ تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے کی معلوم و مرقوم ہے۔ایک انگریز مصنف پیروس جیرورس لکھتا ہے:

"اس بات نے دوسرے مطالعہ کرنے والوں کی طرح مجھے بھی متعجب کیا ہے کہ کشمیر کے ماضی کے متعلق اتنی معلومات موجود ہیں۔ریاست کی جس میں جموں و کشمیر دونوں شامل ہیں، تاریخ گذشتہ کی تحریروں و دستاویزوں اور دیگر ذرائع کا تقریباً ایک مکمل اور مربوط سلسلہ موجود ہے۔برصغیر پاک و ہند کا کوئی اور حصہ اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔(۱)

والٹر لارنس کہتا ہے:

"کہ اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ کشمیر اس وقت سے ایک باقاعدہ مملکت رہی ہے جب سے تاریخ لکھنے کا رواج ہوا۔(۲)

اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے لے کر ۱۳۲۴ء تک کا دور ہندو راجاؤں کا دور ہے۔ اس دوران ان راجگان کے ۲۱ خاندانوں نے کشمیر پر حکومت کی ہے، جن میں ۱۸ خاندان مقامی کشمیری تھے۔آغاز کے بارے میں مختلف مصنفین نے مختلف آراء کا ذکر کیا ہے۔ان راجاؤں کے حالات کے بارے میں اہم تاریخی دستاویز پنڈت کلہن کی راج ترنگنی ہے۔اس کے بعد لکھنے والے مصنفین نے اس کتاب کو ہی بنیاد بنایا ہے۔اس کتاب کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی، اردو اور انگریزی میں ہو چکا ہے۔ہندو راجاؤں کے ابتدائی خاندانوں اور حکمرانوں کے بارے میں زیادہ تاریخی حقائق نہیں مل سکے۔ محمد دین فوق نے ہندوؤں کی مختلف مذہبی کتب سے کچھ ابتدائی خاندانوں کے حالات مع

---

(۱) نصرت کشمیر نمبر ۱۹۶۰ء ص ۵۹ (۲) والٹر لارنس۔ویلی آف کشمیر۔

سن و سال ترتیب دیئے ہیں۔(۱)

ان راجگان کے دور میں کشمیر کم بیش دنیا کی ایک آزاد و خود مختار مملکت رہی ہے اور یہ مملکت انتہائی طاقتور سمجھی جاتی تھی۔ محمد اسداللہ قریشی "آئینہ کشمیر" میں۔ ص۔ ۷۰ پر رقمطراز ہے:۔

" دنیا کی تاریخ زمانوں کے اتار چڑھاؤ اور قوموں کے عروج و زوال کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ آج ایک قوم غالب ہے تو کل وہی قوم مغلوب ہو جاتی ہے۔ پس اگر آج کشمیر محکوم ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہی محکوم تھا، بلکہ اپنی آزادی کے زمانے میں وہ دنیا میں نہ صرف فاتح اور صناع ملک تھا۔ بلکہ بہادر اور شجاع ملک بھی تھا۔ اس کی فوجیں جب کشمیر سے باہر نکلتی تھیں۔ تو ہمسایہ ملکوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ہمسایہ ملکوں کی فوجیں جب حملہ آوروں کے مقابلے میں ناکام ہو جاتیں تو پھر کشمیر سے فوجی امداد لی جاتی اور کشمیر کی فوجیں حملہ آوروں کو مار بھگاتیں۔

قدیم تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کشمیر کی سرحدیں وقت کے ساتھ پھیلتی اور سمٹتی رہی ہیں۔ مگر زیادہ عرصہ کشمیر کی سرحدیں آج کے کشمیر سے بہت وسیع رہی ہیں۔ یہاں تک کہ سارا ہندوستان و پاکستان۔ تبت۔ کابل سمرقند و بخارا اس مملکت کا حصہ رہے ہیں۔ سندھ کے راجہ داہر نے ایک خط محمد بن قاسم کو لکھا تھا جو قدیم تاریخ "چچ نامہ" میں درج ہے اور جسے محمد دین فوق نے "تاریخ بڈ شاہی" میں درج کیا ہے۔ اس خط کو پڑھنے سے مملکت کشمیر کی وسعت و پھیلاؤ اور قوت و عظمت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ راجہ داہر لکھتا ہے:

" اگر میں تمھارے مقابلے کیلئے راجہ کشمیر کو لکھتا، جس کے آستانے پر ہندوستان کے تمام راجے اپنا سر جھکاتے ہیں اور جس کے زیر نگیں نہ صرف ہندوستان ہے، بلکہ مکران و توران کے علاقے بھی ان کے باجگذار ہیں، جس

---

(۱) ان تمام خاندانوں کی تفصیل زرج ترجمی محمد دین فوق کی "تاریخ کشمیر" جلد اول۔ ڈاکٹر صوفی کی انگریزی کتاب "کشمیر" اور سید محمود آزاد کی "تاریخ کشمیر" میں دیکھی جا سکتی ہے کا س کے علاوہ "آئین اکبری" میں ص ۶۹، ۱۰۰ پر بھی ان فرمانروایان کشمیر کا مختصر تذکرہ موجود ہے۔

سن و سال ترتیب دیئے ہیں۔(۱)

ان راجگان کے دور میں کشمیر کم بیش دنیا کی ایک آزاد و خود مختار مملکت رہی ہے اور یہ مملکت انتہائی طاقتور سمجھی جاتی تھی۔ محمد اسداللہ قریشی "آئینہ کشمیر" میں۔ ص۔ ۷۰ پر رقمطراز ہے:۔

" دنیا کی تاریخ زمانوں کے اتار چڑھاؤ اور قوموں کے عروج و زوال کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ آج ایک قوم غالب ہے تو کل وہی قوم مغلوب ہو جاتی ہے۔ پس اگر آج کشمیر محکوم ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہی محکوم تھا، بلکہ اپنی آزادی کے زمانے میں وہ دنیا میں نہ صرف ذہین اور صناع ملک تھا۔ بلکہ بہادر اور شجاع ملک بھی تھا۔ اس کی فوجیں جب کشمیر سے باہر نکلتی تھیں۔ تو ہمسایہ ملکوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ہمسایہ ملکوں کی فوجیں جب حملہ آوروں کے مقابلے میں ناکام ہو جاتیں تو پھر کشمیر سے فوجی امداد لی جاتی اور کشمیر کی فوجیں حملہ آوروں کو مار بھگاتیں۔"

قدیم تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کشمیر کی سرحدیں وقت کے ساتھ پھیلتی اور سمٹتی رہی ہیں۔ مگر زیادہ عرصہ کشمیر کی سرحدیں آج کے کشمیر سے بہت وسیع رہی ہیں۔ یہاں تک کہ سارا ہندوستان و پاکستان۔ تبت۔ کابل سمرقند و بخارا اس مملکت کا حصہ رہے ہیں۔ سندھ کے راجہ داہر نے ایک خط محمد بن قاسم کو لکھا تھا جو قدیم تاریخ "چچ نامہ" میں درج ہے اور جسے محمد دین فوق نے "تاریخ بڈشاہی" میں درج کیا ہے۔ اس خط کو پڑھنے سے مملکت کشمیر کی وسعت و پھیلاؤ اور قوت و عظمت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ راجہ داہر لکھتا ہے:

" اگر میں تمہارے مقابلے کیلئے راجہ کشمیر کو لکھتا، جس کے آستانے پر ہندوستان کے تمام راجے اپنا سر جھکاتے ہیں اور جس کے زیر نگیں نہ صرف ہندوستان ہے، بلکہ مکران و توران کے علاقے بھی ان کے باجگذار ہیں، جس

---

(۱) ان تمام خاندانوں کی تفصیل راج ترنگنی محمد دین فوق کی "تاریخ کشمیر" جلد اول۔ ڈاکٹر صوفی کی انگریزی کتاب "کشمیر" اور سید محمود آزاد کی "تاریخ کشمیر" میں دیکھی جا سکتی ہے کہ اس کے علاوہ "آئین اکبری" میں ص ۹۷، ۱۰۰ پر بھی ان فرمانروایان کشمیر کا مختصر تذکرہ موجود ہے۔

کی غلامی کا جوا بڑے بڑے امیروں اور سرداروں نے از خود پہن رکھا ہے اور جس کے خلاف کسی کو دم مارنے اور سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی۔(۱)

ھندو راجاؤں کے کل اکیس خاندانوں نے ۴۵۰۴(۲) سال تک حکومت کی ہے۔ ان کی فہرست معہ سن و سال بہت سے مصنفین نے قائم کی ہے۔ محمد دین فوق کی "تاریخ کشمیر" اور آئین اکبری وغیرہ راج ترنگنی کے بعد اہم مآخذ خیال کئے جاتے ہیں۔ محمود آزاد کی "تاریخ کشمیر" میں بھی اس دور کے حکمرانوں کی تفصیل معہ سن و سال موجود ہے۔ پہلا خاندان راجگان جموں کا تھا۔ ان کا زمانہ ۳۱۸۵ق م تھا۔ مدت حکومت ۵۵ سال تھی۔ اس دور کے حکمرانوں کی تفصیل دستیاب نہیں۔ دوسرا خاندان اوکنند تھا۔ ان کا عرصہ ۳۱۲۱ق م تا ۳۰۳۶ق م تھا۔ مدت حکومت ۸۵ سال تھی۔ تیسرا پانڈو خاندان، جس نے ۳۰۳۶ تا ۲۰۴۴ق م یعنی ۸۹۴ سال حکومت کی تھی۔ اس کے ۴۳ اشخاص حکمران رہے تھے۔ چوتھا خاندان راجگان مالوہ کا تھا، جن کی مدت حکمرانی ۱۵۴ سال تھی۔ ان کے چار حکمران گزرے۔ پانچواں خاندان گودھر تھا۔ جس نے ۲۶۴ سال حکومت کی۔ چھٹا خاندان راجگان جموں جو دوسری بار برسر اقتدار آیا تھا، ۲۸۷ سال تک حکومت کی۔ آٹھواں خاندان شہزاد گان ترکی کا تھا، جنہوں نے ۴۱ سال حکومت کی۔ یہ خاندان مقامی نہ تھا۔ ان کے بعد خاندان گودھر نے تیسری بار حکومت سنبھالی۔ ۴۳ سال حکومت کرنے کے بعد راجگان مالوہ نے حکومت چھین لی۔ انہوں نے دوسری بار حکومت پر قبضہ کیا۔ محمد دین فوق نے ان کی مدت حکمرانی ۱۲۱۸ق م سے ۱۹۲ق م تک یعنی ۱۰۶۲ سال لکھی ہے اور ۱۱۷ حکمران بتاتے ہیں۔ جب کہ محمود آزاد نے "تاریخ کشمیر" میں ۳۱ حکمرانوں کی نشاندہی کی ہے اور مدت حکمرانی ۱۹۳ سال لکھی ہے۔ جو غالباً ترتیب میں غلطی ہے۔

گیارہواں خاندان راجگان اوجین کا تھا۔ ۱۹۲ق م تک ۱۰۰ سال حکمرانی کی۔ خاندان بجے ۹۲ سال حکمران رہا۔ پھر پہلی صدی عیسوی سے خاندان مالوہ تیسری بار برسر اقتدار آیا، جس نے ۹۴ سال حکومت کی۔ چودھواں خاندان راجہ بکرم والئی اوجین تھا، جن کی مدت حکمرانی ۱۰۲ سال تھی۔ پندرہواں خاندان راجگان مالوہ کا تھا، جنہوں نے چوتھی بار

---

(۱) آئینہ کشمیر ص ۱۹۰ (۲) محمد دین فوق "تاریخ کشمیر" جلد اول ص ۳۲

حکمرانی حاصل کی۔ مدت حکمرانی ۵۱۵ سال تھی۔ سولہواں خاندان کارکوٹ بنسی کا تھا، جنہوں نے ۲۵۳ سال ۶۱۷ء سے ۸۷۰ تک حکومت کی۔ اسی خاندان میں سے راجہ للتادت حکمران پیدا ہوا۔ جس کی شہرت چار سو پھیلی، جس کے بارے میں تفصیلات بعد میں آئیں گی۔ سترھواں خاندان خمار خاندان تھا۔ مدت حکمرانی ۸۴ سال تھی۔ اٹھارواں خاندان مالوہ پانچویں بار حکمران بنا۔ اب کی بار صرف ۱۰ سال یہ خاندان حکمران رہا۔ اس کے بعد پردہ گپت خاندان برسر اقتدار آگیا، جنہوں نے ۵۰ سال حکومت کی۔ پھر راجگان لوہر کوٹ نے ۱۶۰ سال حکومت کی اور دور ہنود کا آخری خاندان اودیبادیو تھا۔ ان کی مدت حکمرانی ۱۴۷ سال تھی۔

للتادت عہد مسلم سے پہلے کا مشہور حکمران

راجہ للتادت عرف

مکتیا پیڈ ۷۱۵ء سے ۷۵۲ء تک ۳۶ سال ۷ ماہ حکمران رہا۔ اقتدار سنبھالنے کے بعد اس نے سابقہ حکومت کی بدانتظامیوں کا تدارک کیا اور کشمیر کے ان علاقوں کو دوبارہ کشمیر کی قلمرو میں داخل کیا، جو سابقہ حکومت میں باغیوں نے الگ کر لئے تھے۔ محمد دین فوق لکھتے ہیں کہ اس کے بعد وہ دنیا فتح کرنے کے ارادے سے نکلا۔ سب سے پہلے ہندوستان پر دھاوا بولا۔ پنجاب کو فتح کرنے کے بعد اس نے قنوج۔ بنگال۔ دکن اور بمبئی تک اپنی فتح کے جھنڈے گاڑے۔ اسکے بعد مالوہ۔ گجرات اور دوار کا کے علاقے تہ تیغ کرتے ہوئے افغانستان کے دروازے پر دستک دی۔ کابل فتح کرنے کے بعد راجہ نے بخارا۔ سمرقند۔ کاشغر اور تاشقند تک کے علاقوں کو فتح کیا۔ فوق کے مطابق ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد ان علاقوں کا انتظام و انصرام سابق حکمرانوں کو واپس کر دیا اور انہیں غلام رکھنا قبول نہ کیا۔ ۱۲ سال کے بعد راجہ تبت کے راستے کشمیر واپس آیا اور کچھ عرصہ بعد پھر چڑھائی شروع کر دی اور وسط ایشیا کو پامال کرتے ہوئے سائبریا (روس) تک پہنچ گیا۔ فوق کے مطابق اس نے پہلے وہیں قیام کر لیا تھا مگر بعد میں کشمیر سے اراکین سلطنت نے واپسی پر مجبور کیا اور واپس آگیا۔ جبکہ محمود آزاد نے پنڈت کلہن کے حوالے سے اس کی تائید بھی کی ہے۔ مگر انہوں نے بعض مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ راجہ للتادت واپس نہیں آیا۔

تاریخ کشمیر مسلم عہد سے:

راجگان ہنود کا آخری حکمران راجہ سہدیو تھا۔ جس نے ۱۳۲۴ء تک حکومت کی۔ اس کا دور حکومت چونکہ اس خاندان کی حکومت کا آخری دور تھا، اس کے بعد مسلم حکمرانوں کا دور شروع ہوگیا تھا، اس لئے اس کا عہد ابتری کا عہد تھا۔ اس عرصہ میں اہل کشمیر پر بیرونی حملہ آوروں نے بہت ستم ڈھانے خصوصاً ذوالقدر خان تاتاری، جس نے کشمیر کا بچہ بچہ چن کر مروادیا، جبکہ کشمیر کا حکمران سہدیو بھاگ کر پہاڑوں میں چلاگیااور کوئی مزاحمت نہ کی۔ ذوالقدر خان کے ظلم کا خاتمہ آفت الٰہی سے ہوا۔ وہ مع لشکر اور ۵۰ ہزار قیدیوں کے برف کے طوفان میں دب کر ہلاک ہوگیا مگر اس دوران کشمیر تباہ برباد ہوچکا تھا۔ راجہ سہدیو کا ایک وزیر رام چندر ایک قلعے میں تھا۔ اس نے اصلاح احوال کی کوشش کی مگر کوہستانی لوگوں نے پھر حملہ شروع کردیا۔ چنانچہ رام چندر نے رینچن شاہ کو، جسے محمود آزاد نے "تاریخ کشمیر" میں ریکچن شاہ بھی لکھاہے۔ فوج دے کر روانہ کیا۔ اس کے ساتھ شاہ میر بھی تھا۔ رینچن شاہ نے مردانگی دکھائی اور حملہ آوروں پر قابو پالیا۔ اس سے اس کی قدرو منزلت میں اضافہ ہوگیا اور کچھ عرصہ بعد رام چندر کو رات کے سوتے میں قتل کرکے حکمران بن گیا۔

رینچن شاہ اور شاہ میر یہ دو افراد راجہ سہدیو ہی کے دور میں کشمیر داخل ہونے اور راجہ کی اجازت سے رہائش اختیار کی۔ رینچن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ تبت کے والی کا بیٹا تھا۔ تاتاریوں کی یورش کے نتیجے میں بھاگ کر لداخ کے راستے کشمیر میں داخل ہوا۔ جب کہ شاہ میر سوات کا باشندہ تھااور اسے کشمیر کی بادشاہت کا اشارہ ملا تھا۔ اس خواب کا ذکر محمد دین فوق نے "تاریخ کشمیر" اور ڈاکٹر صوفی نے "کشیر" میں کیا ہے۔

رینچن شاہ نے جب اقتدار پر قبضہ کرلیا تو اس نے ملک کی اصلاح کا کام شروع کردیا۔ مگر مذہب کے بارے میں وہ پریشان رہتا تھا۔ ہر مذہب سے اس نے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کی مگر مطمئن نہ ہوا۔ آخر ایک دن صبح سویرے اس نے ایک مسلمان کو دریا کے کنارے نماز پڑھتے دیکھا اور اسے بلا بھیجا۔ "آئینہ کشمیر" میں لکھا

ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے فیصلہ کیا ہوا تھا کہ اس صبح جو شخص اسے ملے گا، اس کا مذہب قبول کرے گا۔ یہ شخص جو نماز میں مصروف تھا، شرف الدین عبدالرحمان تھا، جو کشمیر میں بلبل شاہ کے نام سے مشہور ہوئے اور یہی وہ بابرکت ہستی تھی، جس کے دم قدم سے اسلام اس خطہ میں داخل ہوا اور اس وقت سے اسلام یہاں ایک قوت کی حیثیت سے موجود ہے۔ رینچن ان سے ملنے کے بعد اسلام لے آیا اور اسلامی نام صدرالدین رکھا اور اسی صدرالدین سے مسلم عہد حکومت شروع ہوتا ہے۔

صدرالدین کی وفات کے بعد راجہ سہدیو کے بھائی اودیان دیو نے اقتدار پر پھر قبضہ کرلیا اور اس نے صدرالدین کی بیوہ سے شادی کی لی مگر اس اثنا میں ایک ترک اروان نے چڑھائی کردی اور راجہ اودیان دیو بھاگ گیا۔ اس کی بیوی کٹ رانی نے فوج اکٹھی کرکے شاہ میر کو دی۔ اس نے اروں کو شکست دی اور راجہ اودیان واپس آگیا اور پندرہ سال تک حکومت کی۔ اس کی وفات کے بعد کٹ رانی نے تخت سنبھالا مگر شاہ میر نے اس کا اقتدار ختم کردیا۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر صوفی کی "کشمیر" میں اور نصرت کشمیر نمبر لاہور ۱۹۶۰ء میں پیرس جیروس کے حوالے سے موجود ہے۔

شاہ میر کی حکومت ۱۳۳۹ء سے ۱۳۴۲ء تک ہے۔ اس کے بعد لگاتار اس خاندان کے اکیس حکمرانوں نے حکومت کی (تفصیل کے لئے ڈاکٹر صوفی کی "کشمیر" ملاحظہ کریں اس کے بعد چک خاندان برسراقتدار آتا ہے۔ ان کا دور حکمرانی ۱۵۶۰ء تا ۱۵۸۷ء یعنی تقریباً ۲۷ سال ہے۔ ان کا دور امن و سکون کا دور نہ تھا۔ پیرس جیروس لکھتا ہے:۔

"کہا جاتا ہے کہ وہ دلیر۔ قوی ہیکل اور بہیمانہ طور پر ظالم تھے۔ بتدریج انہوں نے ملک کو ویسا ہی خستہ حال بنادیا جیسا وہ سو سال سے کچھ کم قبل تھا۔"(۱)

یہ لوگ شیعہ مسلک کے تھے اور مسلک کو بنیاد حکومت بنانے کی وجہ سے دوسرے حلقوں میں ہمدردی کھو بیٹھے۔ سنی حلقوں کی مخالفت کو انہوں نے بزور طاقت دبانے کی کوشش کی مگر اس سے ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور یوں مسلمانوں کو فرقہ پرستی ایک بار پھر لے ڈوبی۔ چک حکمران نے ایک سنی عالم قاضی موسیٰ کو شہید کرادیا

---

(۱) نصرت (کشمیر نمبر) ۱۹۳۰ء لاہور ص ۶۹

اور اسے ہاتھی کی دم سے باندھ کر شہر میں گھسیٹنا، جس سے چکوں کے خلاف نفرت بڑھ گئی اور دو افراد بابا داؤد خاکی اور شیخ یعقوب صرفی مغل حکمران اکبر کے دربار میں گئے اور اکبر سے مدد مانگی۔ اکبر کو بہانہ ہاتھ آگیا اور اس نے کشمیر پر قبضہ کرکے اسے مغلیہ سلطنت کا صوبہ بنا لیا اور یوں چک خاندان کے تعصب، ظلم، فرقہ پرستی اور سنی علماء کی عاقبت نااندیشی پر مبنی سوچ کی وجہ سے کشمیر غلام ہوگیا۔ یہ طویل غلامی ہنوز جاری و ساری ہے اور نہ جانے ان لوگوں کی عاقبت نااندیشی اس دیس کو اور کتنی صدیاں غلامی کے پنجے میں جکڑے رکھے گی۔

آزاد و خود مختار عہد مسلم کے کارنامے۔

مسلمان سلاطین کشمیر نے تقریباً ۲۴۰ سال تک کشمیر پر آزاد و خود مختار حکمرانوں کی حیثیت سے حکومت کی۔ تقریباً یہ تمام عرصہ مملکت کشمیر ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر موجود رہی۔ ان سلاطین کشمیر میں سے بعض نے بڑا نام پیدا کیا ہے۔ ان میں سلطان شہاب الدین اور سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ بہت مشہور ہوئے۔ سلطان شہاب الدین، للتادت کے بعد دوسرا کشمیری حکمران تھا، جو دنیا کو فتح کرنے کے ارادے سے کشمیر سے نکلا۔ اس نے اپنی فوج خوب تیار کی اور تقریباً وہ سب علاقے دوبارہ کشمیر کی قلمرو میں داخل کئے، جو للتادت نے فتح کئے تھے۔ ان میں آج کا سارا کشمیر، سارا پنجاب، سارا سندھ، سرحدی صوبہ اور شمال میں کابل تک اور جنوب میں کاشغر تک اور دوسری طرف تبت اور ہندوستان کا بہت سا حصہ فیروز شاہ تغلق سے چھین لیا۔ اتنی وسیع فوج کشی سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ اس وقت یہ مملکت نہ صرف آزاد اور خود مختار تھی بلکہ ایک انتہائی طاقت ور مملکت تھی۔ سلطان شہاب الدین کے بعد سلطان زین العابدین عرف بڈ شاہ کا نام آتا ہے۔ اس کے عہد کو تاریخ کشمیر کا زریں باب سمجھا جاتا ہے۔ یہ نیک سیرت، رحم دل اور کفایت شعار تھا۔ اپنے اخراجات خود پیدا کرتا تھا۔ اس کے دور میں کشمیر نے ہر میدان میں بے پناہ ترقی کی اور رعایا ہر لحاظ سے خوشحال تھی۔ وہ لوگ جو سلطان سکندر بت شکن کے دور میں کشمیر سے بھاگ گئے تھے، بڈ شاہ نے واپس بلا لئے اور جن لوگوں کے مذہب زبردستی تبدیل کئے گئے تھے، انہیں بھی اپنے اپنے مذاہب دوبارہ اپنانے کی اجازت دے دی۔ تعمیرات، لوگوں کی فلاح و بہبود کے مختلف منصوبوں کی تکمیل جاری رکھی۔ علوم کو بے پناہ ترقی دی۔ اس نے ۵۰ سال حکومت کی۔ اس کا نام آج بھی کشمیر کے طول و عرض میں احترام سے لیا جاتا ہے۔ سلاطین کشمیر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف مادر وطن کشمیر کو دنیا کی ایک عظیم مملکت، ایک متمدن اور ناقابل تسخیر قوم بنا دیا، بلکہ مادر وطن کی آزادی و خود مختاری کے لئے بے پناہ قربانیاں دیتے رہے۔ مسلم سلاطین کا یہ دور مملکت کشمیر کی آزادی و خود مختاری کے لحاظ سے

ایک لاثانی دور ہے۔

مغل دور حکومت

کشمیر پر یوں تو مغلوں نے چھ سات بار حملے کئے تھے(۱) مگر ہر بار ناکام رہے۔ ۱۵۸۵ء میں چک خاندان کا آخری حکمران یوسف چک فرقہ پرستی کی رو میں بہہ کر اپنے ہی ہم وطنوں پر ظلم و تعدی جاری رکھے ہوئے تھا اور محمود آزاد کے بقول (۲) اس فرقہ پرستی کی لہر میں مغلوں کا ہاتھ بھی تھا۔ چنانچہ ان کشمیروں سے تنگ آکر دو بزرگ دربار مغلیہ میں مدد کے لئے حاضر ہوئے اور یوں اکبر کو ایک سنہری موقعہ ہاتھ آگیا۔

کشمیر پر مغلوں کے قبضے کے بعد کشمیر کی ایک آزاد و خود مختار مملکت کی حیثیت ختم ہو گئی اور محمود آزاد کے الفاظ میں:۔

"کہ کشمیر پر اکبر کے عہد حکومت میں جو گورنر مسلمان تھے، انہوں نے کشمیریوں کی ترقی و خوشحالی کے لئے کوئی کام نہ کیا۔ ماسوائے اس کے کہ شب و روز کشمیر کے سیاستدان طبقے کو باہم لڑاتے اور اپنے مرکز کی ضروریات و فرمائش پوری کرتے رہتے۔"(۳)

اکبر کے بعد جہانگیر کا عہد آیا۔ یہ حکمران عادل کی حیثیت سے شہرت رکھتا تھا متعدد بار کشمیر آیا۔ کشمیر کی بے پناہ خوبصورتی کی وجہ سے مغل حکمران سیر و تفریح کے لئے اکثر آیا کرتے تھے۔ اس نے راجوری کے علاقے سے مسلمانوں کو ہندوؤں کے جبر و تسلط سے نجات دلائی، جہاں وہ مسلمان عورتوں کو زبردستی اٹھالے جاتے تھے اور خاوند کی موت کے وقت عورت کو خاوند کے ساتھ ستی ہونے کے لئے مجبور کر دیتے تھے۔ جہانگیر کے بعد شاہ جہاں نے ۱۶۳۷ء تک آٹھ مغل گورنر کشمیر بھیجے۔ اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر اور بعدازاں اس کا بیٹا معظم سلطان بنا۔ مگر اب مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ آخری بادشاہ محمد شاہ تھا۔ چونکہ مرکز میں حکومت مستحکم نہ رہی تھی، اس لئے کشمیر میں آئے دن گورنر بدلتے رہے۔ اس وجہ سے کشمیر میں

---

(۱) پروفیسر محی الدین حاجنی (ترجمہ) کشمیر پر مغلوں کی جارحیت

(۲)(۳) سید محمود آزاد "شیر کشمیر شیخ عبداللہ" ص ۱۴۔۱۷

بھی حالات بگڑنے لگے اور نظم حکومت نہ ہونے کے برابر رہ گیا۔

افغانوں کا دور ۱۷۵۲ء تا ۱۸۱۹ء

مغلوں کے زوال کے بعد کشمیر پر افغانوں نے قبضہ کرلیا۔ کہا جاتا ہے کہ مغلیہ دور کے آخری گورنروں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر بعض کشمیریوں نے احمد شاہ ابدالی کو کشمیر پر حملے کی دعوت دی۔ احمد شاہ ابدالی اس وقت لاہور میں مقیم تھا۔ چنانچہ ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ ابدالی کے حملے کے نتیجے میں کشمیر مغلوں کے قبضے سے نکل کر افغانوں کے تسلط میں چلا گیا۔ گویا پہلے گورنر دہلی سے آتے تھے۔ اب کابل سے آنے لگے۔ افغان گورنر سخت گیری میں مشہور رہے ہیں۔ چنانچہ کشمیر کی معاشی۔ سیاسی۔ معاشرتی اور مذہبی حالت دن بہ دن بدتر ہوتی چلی گئی۔ بعض لکھنے والوں نے افغانوں کی سختی کو ایک طبقے یا مذہبی فرقے تک محدود کیا ہے جو صحیح نہیں ہے اور جس کے بارے میں کوئی مستند شہادت بھی میسر نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ افغانوں کا دور ایک سخت گیر دور تھا۔ ان کا سلوک ہندوؤں سمیت مسلمانوں کے تمام فرقوں سے یکساں تھا۔ سختی و نرمی کا معیار حکمرانوں کے نزدیک یہی رہا ہے کہ انہیں خوش کرو ورنہ عتاب کے لئے تیار رہو۔ محمد دین فوق لکھتے ہیں:۔

"کہ ہندوؤں کو شکایت ہے۔ حالانکہ افغان روپے بٹورتے تھے مسلمان تھے ہی غریب۔ ان بے چاروں سے کیا ملتا۔ جو امیر تھے ان کی حالت ہندوؤں سے اچھی نہ تھی۔"(۱)

افغانوں کا زوال افغان گورنر عبداللہ خان کے دور سے شروع ہوتا ہے۔ اس نے ایک سکھ نوجوان جیون مل کو اپنا نائب مقرر کیا اور سکھ جیون مل نے ایک مسلمان خواجہ عبدالحسن بانڈے کو اپنا نائب مشیر مقرر کیا۔ محنت اور نرم دلی کے باعث جلدی ہی انہوں نے کشمیر میں مقبولیت حاصل کرلی۔ اس نے مغلوں سے جنگ کے موقعہ پر افغان گورنر کو روپیہ دینے سے انکار کر دیا اور سکھ جیون مل نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ یہ کام اس نے عبدالحسن بانڈے کی مدد سے کیا۔ یہ سات سال کشمیر کا حکمران

---

(۱) محمد دین فوق جلد ۳ ص ۴

رہا اور خود مختار رہا۔ اس کے بعد عبدالحسن بانڈے کے ساتھ لڑ پڑا اور وہ سارے کام شروع کر دئیے جو کسی حکمران کے زوال کا باعث بنتے ہیں۔ آخر کار اسے احمد شاہ درانی کی فوج کے ہاتھوں شکست ہوئی اور پھر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ محمودآزاد "تاریخ کشمیر" میں اسے ایک کشمیری لکھتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر صوفی نے "کشمیر" میں اس کے متعلق وضاحت سے لکھا ہے کہ یہ کھتری تھا جو کابل میں پیدا ہوا اور وہیں تعلیم حاصل کی اور اس کا اصل وطن بھیرہ ضلع سرگودھا تھا۔(۱)

سکھوں کا دور حکومت ۱۸۱۹ء تا ۱۸۴۶ء

جب سے کشمیر غلام ہوا مسلسل اس سلوک سے دوچار رہا ہے، جو آقا اپنے غلام سے روا رکھتا ہے۔ مغلوں اور افغانوں کے بعد انہوں نے سکھوں کو نجات دہندہ تصور کیا۔ انہوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ بقول محمد دین فوق (۲) "افغانوں کی حکومت اگر تیغ گھونٹ کے مشابہ تھی تو خالصہ بہادر زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلے۔ سکھوں کی طرف سے ۱۰ گورنر کشمیر میں بھیجے گئے جن میں سے ۵ ہندو ۳ سکھ اور ۲ مسلمان تھے۔ ان میں مصر دیوان چند پہلا گورنر تھا، جو ایک سال تک گورنر رہا۔ پھر واپس بلا کر اس کی جگہ دیوان موتی رام کو گورنر مقرر کیا گیا، جو ایک سال سے کچھ عرصہ زائد حکمران رہا۔ اس کے دور میں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کیا گیا۔ سرینگر جامع مسجد نماز کے لئے بند کر دی گئی۔ اس کے بعد سردار ہری سنگھ نلوہ کو بھیجا گیا۔ یہ بہت ظالم انسان تھا۔ اس کے بعد اسی قسم کا دیوان چنولال گورنر مقرر ہوا۔ اس کے بعد کرپارام ۱۸۲۷ء سے ۱۸۳۱ء تک گورنر رہا۔ یہ عاشق مزاج تھا اور ہر وقت مستی میں ذوبا رہتا تھا۔ چنانچہ اسے واپس بلالیا گیا کیونکہ وہ مرکز کو خاطر خواہ دولت نہیں بھیج رہا تھا۔ اس کی جگہ بھمیر سنگھ اروڑہ بھیجا گیا، جو ایک سال گورنر رہا۔ اس نے کشمیریوں کو خوب لوٹا۔ اس کے بعد شہزادہ شیر سنگھ کو مقرر کیا گیا۔ یہ دو سال حکمران رہا۔ مؤرخین نے اسے ظالموں میں شمار نہیں کیا۔ اس کے بعد کرنل میاں سنگھ کمپران کو گورنر مقرر کیا گیا یہ کوئی سات برس گورنر رہا۔ اسے ایک اچھا گورنر شمار کیا جاتا ہے۔ جس نے کشمیریوں پر ظلم نہیں

---

(۱) ڈاکٹر صوفی "کشمیر" ص ۳۱۱ جلد (۲) تاریخ کشمیر فوق ص ۴

کیا تھا۔ اس کے بعد دو مسلمان گورنر شیخ غلام محی الدین اور شیخ امام الدین یکے بعد دیگرے کشمیر کے گورنر مقرر کئے گئے۔ انہوں نے دوبارہ لوگوں کی اصلاح احوال کی کوشش کی۔ انہوں نے سری نگر کی جامع مسجد کو ۲۵ سال کے بعد دوبارہ عبادت کے لئے کھول دیا۔(۱)

ڈوگرہ عہد ۱۸۴۶ء تا ۱۹۴۷ء

جموں کے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ریاست جموں و کشمیر ۱۸۴۶ء کے بدنام زمانہ " معاہدہ امرتسر " کے تحت ملی تھی۔ ڈوگرہ عہد کا آغاز اسی مہاراجہ گلاب سنگھ سے ہوا۔ اس نے ۱۸۴۶ء سے ۱۸۵۸ء تک تقریباً ۱۲ سال حکومت کی۔ اس کا دور کشمیریوں کے لئے بڑا سفاکانہ دور تھا۔ انتہائی ظالم انسان تھا۔ معمولی بات پر عبرت ناک سزائیں دیتا تھا۔ مہاراجہ کا ایک قریبی ساتھی ایم پانی کر جس نے مہاراجہ کی سوانح لکھی، وہ اس کے بارے میں لکھتا ہے۔ اس نے مکاری، عیاری و جعلسازی کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔ مہاراجہ کو ایک ایسے اسکول میں تعلیم دی گئی تھی، جہاں جھوٹ سازش اور غداری کو سیاست کا جزوخاص سمجھا جاتا تھا۔(۲)

۱۸۵۸ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کالڑکا رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ اس نے آغاز میں ذرا نرم رویہ اختیار کیا مگر بعد میں گلاب سنگھ کا طرز عمل اختیار کرلیا۔ اس ظالم کے زمانے میں غلہ بچانے کی خاطر بہت سے کشمیریوں کو باندھ کر جھیل ولر میں پھینک دیا گیا تھا۔ ۱۸۸۵ء میں اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا پرتاپ سنگھ تخت نشین ہوا۔ اسے شروع میں انگریزوں نے زار روس کا ایجنٹ سمجھ کر تخت سے اتار دیا مگر پھر تخت پر بٹھا دیا گیا۔ اس کے دور میں کشمیر میں سیاسی بیداری بھی شروع ہوگئی تھی۔ اس کا دور ۱۹۲۵ء تک ہے۔ اس وقت تک بہت سے کشمیری مسلمان تعلیم حاصل کر کے واپس کشمیر میں آچکے تھے۔ اس کے علاوہ کانگرس اور مسلم لیگ کی سیاسی جدوجہد بھی زوروں پر تھی۔ چنانچہ ہندوستان کی سیاسی بیداری کی

---

(۱) تفصیل کیلئے دیکھئے ڈاکٹر صوفی "کشمیر" ص ۴۴۷

(۲) سید محمود آزاد "شیخ عبداللہ" ص ۴۶

لہروں نے کشمیر میں بھی اثر کیا۔ ۱۹۲۵ء میں پرتاپ سنگھ کا بھتیجا ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔ اس کے دور میں کشمیریوں کی جدو جہد نے ایک نیا رخ اختیار کیا۔ ۱۹۳۱ء میں اس کے خلاف زبردست تحریک چلائی گئی۔ یہ تحریک مسلمانوں پر ظلم کا ناگزیر نتیجہ تھی۔ اس تحریک کے اثرات بہت دور رس ہونے۔ اور ہری سنگھ کو مسلمانوں کے مطالبوں کے آگے آخر کار جھکنا پڑا۔ ۱۹۳۱ء کی یہ تحریک کسی نہ کسی شکل میں ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ جب انگریز نے اپنی بساط بر صغیر سے سمیٹ لی تو ڈوگرہ عہد کا بھی خاتمہ ہوگیا مگر کشمیر کی وادی جنت نظیر پر چھائی ہوئی غلامی کی سیاہ رات ابھی تک نہیں ڈھلی۔ ڈوگرہ راج کا تو خاتمہ ہوگیا ہے مگر اس دور غلامی کی باقیات خط متارکہ کے دونوں اطراف میں بدستور موجود ہیں۔

تقسیم ہند اور کشمیر

تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کی پوزیشن

تقسیم ہند سے پہلے ریاستوں کی پوزیشن

تقسیم ہند سے پہلے کشمیر کی پوزیشن

تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کی پوزیشن

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کی مجموعی پوزیشن واضح کی جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ برصغیر پاک و ہند کی ریاستوں اور برطانوی ہند کے آپس میں تعلقات کی نوعیت کیا تھی اور یہ تقسیم ہند کن علاقوں تک محدود تھی۔

تقسیم ہند ۱۹۴۷ء سے پہلے بھی ہندوستان دو حصوں میں منقسم تھا۔ایک حصہ وہ تھا جس میں صوبہ جات شامل تھے اور جسے برطانوی ہند British India کہتے تھے اور جو براہ راست حکومت برطانیہ کے زیر تسلط تھا، جبکہ دوسرا حصہ برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں پھیلی ہوئی ریاستوں پر مشتمل تھا۔ اسے برٹش انڈین سٹیٹس British Indian State کہتے تھے۔

برطانوی ہند

اس میں صوبہ جات شامل تھے۔ریاستیں اس میں شامل نہ تھیں اور حقیقت میں برطانوی مقبوضہ علاقہ یہی تھا۔اس میں ۱۲ صوبے اور کچھ مرکز کے زیر اثر علاقے تھے۔ صوبوں میں بنگال، آسام، سرحد، سندھ، مدراس، بمبئی، یوپی، بہار، سی پی، اڑیسہ اور پنجاب شامل تھے (۱) اس کے علاوہ اس میں دہلی، اجمیر، اروواڑ اور کردک کے علاقے شامل تھے۔ جوتی بھوشن داس گپتا برطانوی ہند کو ۱۷ صوبوں میں تقسیم کرتا ہے، جن میں سے گیارہ براہ راست برطانوی انتظامیہ کے ماتحت تھے۔(۲) صوبوں پر چیف کمشنر مقرر کئے گئے تھے۔ یہ تمام صوبے ایک مرکز کے ماتحت تھے جس کا حکمران اعلیٰ وائسرائے ہند ہوا کرتا تھا جسے تاج برطانیہ اس مقصد کے لئے مقرر کرکے بھیجتا تھا وائسرائے ہمیشہ انگریز ہوتا تھا۔ہندوستان پر حکومت کرنے کیلئے کئی وائسرائے بھیجے گئے۔ حکومت چلانے کے لئے ایک قانونی ڈھانچہ موجود تھا جسے ابتداء میں برطانیہ نے اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے مقصد سے ترتیب دیا تھا۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلی واقع ہوتی رہی۔ جوں جوں لوگوں میں احساس غلامی اور شعور

---

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد "آزادی ہند" ص ۱۸۲۔ ۲۔ جوتی بھوشن داس گپتا ص ۱

آزادی بیدار ہوتا گیا، صوبوں کو بھی اختیارات زیادہ ملتے گئے۔

برطانوی ریاستی ہند

ہندوستان میں چھوٹی اور بڑی متعدد ریاستیں تھیں۔ زیادہ تر مصنفین نے ان کی تعداد ۵۶۲ لکھی ہے، جب کہ کئی دوسرے مصنفین نے ان کی تعداد کم اور کچھ نے زیادہ بھی لکھی ہے۔

A.Lamb کے مطابق "تقسیم ہند کے وقت ۵۶۲ ریاستیں تھی اور برصغیر کے تقریباً ایک تہائی علاقہ پر ان ریاستوں کا قبضہ تھا۔ ان میں سے کچھ صرف چند ایکڑ زمین تک محدود تھیں مگر چند ایک بہت بڑی تھیں۔ مثلاً حیدرآباد اور کشمیر اور ان میں سے ہر ایک ریاست ۸۰ ہزار مربع میل سے زائد رقبے پر مشتمل تھی، جو برطانیہ کے کل رقبہ سے زائد ہے۔"(۱)

(۲) جوتی بھوشن داس گپتا کے مطابق ریاستوں کا کل رقبہ کل ہند کا ۴۵ء۳ % اور آبادی ۹۹ ملین تھی۔ جسٹس صراف کے مطابق ۳۰ ریاستیں ایسی تھیں، جن کا رقبہ اور آبادی وسیع تھی، جو تقریباً ہندوستانی صوبوں کے برابر تھیں، جبکہ پندرہ ریاستیں صرف ایک مربع میل پر تھیں اور ان میں سے تین صرف ۱۰۰ افراد پر مشتمل تھیں۔ (۲)

برطانوی ہند اور برطانوی ریاستی ہند میں فرق۔

گورراج لکھتے ہیں۔ "اقتدار اعلیٰ کی منتقلی سے پہلے برصغیر پاک و ہند میں دو سیاسی گروپ موجود تھے۔ ایک برطانوی ہند جو صوبوں پر مشتمل تھا اور براہ راست ہندوستانی حکومت کے تحت تھا دوسرا شاہی ریاستیں (Princely State) جنہیں ہندوستانی ہند (Indian Inndia) بھی کہتے ہیں۔ ان کا اپنا اقتدار اعلیٰ، اور تاج برطانیہ کے ساتھ ان کے تعلقات ان معاہدوں پر مشتمل تھے جو والیان ریاست نے کر رکھے تھے (۳)

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:۔

" دستوری طور پر ہندوستان کی ریاستیں برطانوی ہند سے الگ تھیں۔ ان کی رعایا

(i) Alastair Lamb. Crises in Kashmir. ص ۱ (۲) بھوشن داس گپتا ص۔ ۱

(۳) گورواج راؤ. Leagle Aspects of Kashmir Problems ص ۱

برٹش رعایا نہیں تھی۔ برطانوی پارلیمنٹ کوئی قانون کسی ریاست یا رعایا یا ہانے ریاست کے بارے میں منظور کرنے کا حق نہیں رکھتی تھی۔ ریاستیں برطانوی ہند سے اسی طرح الگ کردی گئی تھیں جیسے ہندوستان کو ایشیا سے الگ کردیا گیا تھا۔ حد یہ ہے کہ حکومت ہند کے اعلیٰ عہدیدار بھی پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی اجازت حاصل کئے بغیر کسی ریاست میں قدم نہیں رکھ سکتے تھے۔۔(۱)

قائداعظم محمد علی جناح اس فرق کی وضاحت جون ۱۹۴۱ء میں ریاست میسور کی مسلم لیگ سے خطاب کے دوران یوں کرتے ہیں:۔

"دستوری لحاظ سے اور بین الاقوامی نقطہ نظر سے ریاستیں مکمل آزاد ہیں اور اس طرح وہ برطانوی ہند سے مختلف ہیں۔۔(۲)

قائداعظم اس فرق کو ۳ جون ۱۹۴۶ء کو اس خطاب میں بھی ملحوظ رکھتے ہیں، جو انہوں نے میلادالنبی کانفرنس سرینگر میں کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں:۔ "میں آپ پر یہ بات واضح کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی کے لئے آپ کی جدو جہد اور برٹش انڈیا میں میرے معاملات کے ساتھ اپنی ہمدردی اور نیک خواہشات ظاہر کریں یقیناً آپ ایسا کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ہمدردی ہے، جو اپنے معاملات پر خودنگرانی کرنے کا حق حاصل کرنے کے لئے لڑرہے ہیں۔۔(۳)

چوہدری محمد علی لکھتے ہیں:۔

"ہند میں ریاستوں کی تعداد ۵۶۲ تھی۔ وہ ہند کے کم و بیش ایک تہائی رقبہ اور چوتھائی آبادی پر مشتمل تھیں اور برطانوی ہند کے انتظامی ڈھانچے سے باہر تھیں۔ ان کے حکمران مقامی راجے اور نواب تھے، جنہوں نے برطانیہ کو مقتدر اعلیٰ کے طور پر قبول کیا ہوا تھا۔ اکثر ریاستیں بہت چھوٹی تھیں۔ ان کے اختیارات اور دائرہ کار بھی محدود تھا لیکن ۱۴۰ ریاستیں پورے طور پر خود مختار تھیں۔ ان میں سب سے بڑی

---

(۱) رئیس احمد جعفری (مترجم) "کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی"۔ ص ۳۵

(۲) Kasmir - A study in India - Pakstan relation .Siser Gupta. ص ۴۵

(۳) شفیق مرزا۔ کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد۔ ص ۴۰۳

ریاستیں حیدرآباد۔ جوناگڑھ اور کشمیر تھیں جو رقبہ اور آبادی کے اعتبار سے برطانوی ہند کے ہم پلہ تھیں۔ ریاستوں کے حکومت برطانیہ کے ساتھ تعلقات معاہدوں اور سمجھوتوں پر استوار تھے، جو ہند میں برطانوی راج کی بتدریج توسیع کے زمانے میں گفت و شنید کے ذریعے طے کئے گئے تھے۔(۱)

ایک انگریز مصنف لکھتا ہے:۔

"کہ ہندوستانی ریاستوں کو ہندوستانی قانون میں بیرونی علاقہ قرار دیا گیا تھا۔"(۲)

برطانوی ہند اور ریاستی ہند کے فرق کے بارے میں کے ایچ خورشید لکھتے ہیں:۔

"اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صوبہ جات بنگال۔ آسام۔ پنجاب۔ سرحد۔ سندھ اور بلوچستان کی پوزیشن اور ریاستوں کی پوزیشن میں فرق نہیں تھا تو یہ تاریخی بددیانتی اور کھلا جھوٹ ہے۔ پاکستان سچائی، انصاف، جمہوریت اور حق خودارادیت نیز نظریاتی وحدت کی بنا پر بنا تھا اور اگر اب ہم ریاستوں کے بارے میں سچائی اور حق خودارادیت سے گریز کریں تو یہ خود تحریک پاکستان سے انحراف کے مترادف ہوگا۔(۳)

---

(۱) محمد علی "ظہور پاکستان" ص۔ ۲۷۲

(۲) Prof.ch.AlerandrowiczProf.ch.Al.Polttical quarterly. ص ۲۴۰

(۳) کے ایچ خورشید "دو انٹرویو۔ دو مضامین" ص ۴

تقسیم ہند سے پہلے ریاستوں کی پوزیشن

ریاستوں کی ابتدائی تاریخ۔

ہندوستان کبھی بھی ایک متحدہ مملکت نہیں رہی۔
سوائے چند ادوار کے باقی عرصہ ہندوستان مختلف ریاستوں میں بٹا رہا۔ مؤرخین کے مطابق (۱) چھٹی صدی قبل مسیح میں Bimbisara.Magedhan. اور Ajethasetru. کی حکومتیں ہندوستان کے ایک بڑے حصے پر قائم ہوئیں۔ اس کے تین صدیاں بعد Mauyas اور Asoka کے دور میں ہندوستان کا وسیع حصہ پھر ایک بادشاہ کے تحت رہا۔ ان بادشاہوں کی حکمرانی تقریباً ایک صدی تک رہی۔ اس کے بعد ہندوستان پھر بے شمار ریاستوں میں تقسیم ہو گیا۔ ساتویں صدی عیسوی میں چند راگپتا اور پرشانے ہندوستان کے وسیع علاقے پر حکومت کی مگر انکی حکومتیں براہ راست نہ تھیں بلکہ انکے زیراثر چھوٹی ریاستیں بھی قائم تھیں۔

آٹھویں صدی عیسوی سے ہندوستان میں مسلمانوں کا عمل دخل شروع ہو گیا اور سب سے پہلے محمد بن قاسم نے سندھ فتح کیا مگر ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت محمود غزنوی کے بعد قائم ہوئی۔ ۱۲۰۶ میں قطب الدین ایبک نے ہند میں مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد ڈالی اور سلطان دہلی کہلایا۔۔ یہ سلطنت دہلی تقریباً تین صدیاں قائم رہی مگر صرف علاؤالدین خلجی کے دور میں تقریباً سارا ہندوستان فتح کیا گیا۔ یہ سلطنت اس وقت ختم ہوئی، جب مغلوں نے پانی پت کی لڑائی جیت لی۔ مغلوں کی حکومت ہندوستان کے بڑے حصے پر قائم رہی مگر اس دور میں کشمیر بھی ایک بڑی سلطنت تھی جسے اکبر کے دور میں ختم کیا گیا۔ مگر اورنگ زیب کی وفات کے بعد ہندوستان ایک بار پھر بے شمار آزاد ریاستوں میں تقسیم ہو گیا اور اب تک کئی ریاستوں میں منقسم چلا آ رہا ہے۔

---

(۱) انگور لنج ص ۱۲ اور جوتی بھوشن داس گپتا ص ۱

انگریزوں کے دور میں ریاستوں کی پوزیشن اور ان سے تعلقات کی نوعیت

جب مغلیہ دور کا زوال شروع ہوا، تو انگریزوں کا عمل دخل ہندوستان میں بڑھنا شروع ہوگیا۔ اس وقت تک مغلوں کے پاس بہت تھوڑا علاقہ باقی تھا۔ باقی ہندوستان میں کئی آزاد ریاستیں قائم ہوچکی تھیں۔

ان میں سے بعض ریاستیں بہت چھوٹی تھیں۔ مگر بعض ریاستیں دنیا کے کئی ممالک سے رقبے اور آبادی کے لحاظ سے بڑی بھی تھیں، جن میں کشمیر اور حیدرآباد بھی شامل تھیں۔ بڑی ریاستیں اپنے معاملات میں کلی طور پر خود مختار تھیں۔ یہ ریاستیں اس طرح برطانوی مقبوضہ جات میں شامل نہ تھیں۔ جس طرح صوبے شامل تھے۔ بلکہ تاج برطانیہ نے ہر ریاست کے سربراہ کے ساتھ الگ معاہدہ کر رکھا تھا اور یہ معاہدے ریاستی سربراہوں کی مرضی کے مطابق طے پائے تھے۔ ان معاہدات کی رو سے تاج برطانیہ اور وائسرائے ہند براہ راست ریاستوں کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتے تھے۔ ایک زمانے میں لارڈ ڈلہوزی نے ایسی پالیسی اپنانے کی کوشش کی تھی کہ ریاستوں کا الحاق کرلیا جائے۔ مگر اس کی یہی تجویز اور خواہش ریاستوں کے دوام و استمرار کا باعث بنی۔ ۱۹۱۰ء میں لارڈ کیننگ نے برطانوی حکومت سے سفارش کی کہ ریاستوں کا وجود نہ صرف دوامی و استمراری طور پر قائم رکھا جائے بلکہ انہیں اپنے جانشین منتخب کرنے کا اختیار بھی دیا جائے اور یہ سفارش قبول کرلی گئی تھی۔

ہندوستان کی ریاستوں اور برطانوی ہند کی حکومت یا تاج برطانیہ کے ساتھ تقسیم ہند تک جو تعلقات رہے ہیں، ان کو تفصیلاً Sir William Warner نے اپنی کتاب "پاک و ہند کی ریاستیں" میں بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ جوتی بھوشن داس گپتا نے "جموں کشمیر" ص ۴ پر بیان کیا ہے۔ یہاں یہ تفصیل عبدالحمید کی اردو کتاب "تاریخ پاک و ہند" سے نقل کی جارہی ہے، جسے ولیم وارنر کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ سر ولیم وارنر نے ۱۹۱۹ء کی اصلاحات نافذ ہونے تک ان تعلقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) حلقہ بندی کی پالیسی ۱۷۵۷ء تا ۱۸۱۳ء

اس دور میں انگریزوں نے

حتی الوسع اس بات کی کوشش کی کہ اپنے آپ کو ایک حلقہ تک محدود رکھیں۔ چنانچہ اس حلقے کے باہر انہوں نے نوابوں سے تعلقات قائم کرنے سے پہلو تہی کی۔ اس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت اتنی مضبوط نہ تھی اور نہ ہی یہ دیسی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر سکتی تھی۔ کمپنی کے پاس نہ تو طاقت تھی اور نہ اس کے پاس ایسے ذرائع تھے کہ وہ ریاستوں کو شکست دے سکے۔ ملک میں اس کی حیثیت صرف ایک اہم طاقت کی سی تھی۔ دوسری قوتیں مثلاً مرہٹے، فرانسیسی، نظام اور میسور کا سلطان بھی موجود تھے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی جب کبھی کسی سے معاہدہ کرتی تو وہ برابر کی سطح پر کرتی تھی۔

مجموعی طور پر کمپنی نے ریاستوں کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی اختیار کی تھی۔ ۱۷۸۴ء کے پٹس انڈیا ایکٹ میں درج تھا کہ برطانوی حکومت پاک و ہند میں اس کے افسر ان کی ملکی ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتی لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کچھ موقعوں پر کمپنی نے ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کی۔ اس لئے وارن ہسٹنگز کو مرہٹوں کی پہلی جنگ اور میسور کی دوسری جنگ لڑنی پڑی۔ اس طرح کارنوالیس نے میسور کی تیسری جنگ لڑی اور اس ریاست کا نصف علاقہ کمپنی کی حکومت میں شامل کرلیا۔

اس زمانے میں کمپنی کے پاک و ہند کی ریاستوں کے تعلقات کے ضمن میں پانیکر Panykhar. دو باتوں کا تذکرہ کرتا ہے۔ پہلی صورت میں " سوائے میسور کے تمام معاہدے مساوات پر کئے گئے۔ کمپنی نے کبھی اقتدار اعلیٰ کا دعویٰ نہیں کیا۔ چنانچہ ان معاہدوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستیں جن کو فتح نہیں کیا گیا تھا، ان کے ساتھ برابری کے تعلقات تھے۔ دوسرے یہ کہ ہر معاہدے کے مطابق حکمران کو اپنی رعایا پر حکومت کرنے کا پورا اختیار تھا اور ہر معاہدے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کمپنی ریاست کے اندرونی معاملات میں بالکل دخل نہیں دے سکتی تھی۔

(۲) اطاعت گزار علیحدگی کی پالیسی ۱۸۱۳ء تا ۱۸۵۸ء

اس دور میں کمپنی نے ملک کی تمام ریاستوں کو مجبور کیا کہ وہ دوستانہ معاہدے کرکے اس کی

اطاعت گذار ہوجائیں۔ ریاستوں کو مجبور کیاگیاکہ وہ کمپنی کے اقتدار اعلی کو تسلیم کریں۔ لارڈ ھسٹینگز نے مکمل اطاعت گذاری یا علیحدگی کی پالسی اختیار کی۔ لیکن وہ الحاق کرنے کے حق میں نہ تھا۔ مگر لارڈ ڈلہوزی کا خیال تھا کہ لارڈ ہسٹینگز نے چھوٹی ریاستوں کو قائم رکھ کر غلطی کی ہے۔

اس عہد کے متعلق کرنل LUARD کہتا ہے۔ " یہ عہد ریاست کی حکومت کے تعلقات کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس دور میں ریاستوں میں بڑی تبدیلی آئی ان میں کچھ نیم آزاد، کچھ کھلم کھلا مخالف، کچھ خفیہ مخالف اور سب کی سب ناراض اور مشکوک تھیں۔ رفتہ رفتہ کمپنی نے اپنی مرضی کے خلاف حلقہ بندی اور عدم مداخلت کی پالیسی ترک کی اور دوستانہ ماتحتی کی پالیسی سے گذر کر عقلمندانہ اور فیاضانہ پالیسی اختیار کی، جس کے نتیجے میں ریاستوں نے دوستانہ تعاون کا رویہ اختیار کیا، جو آخر وقت تک قائم رہا۔

اطاعت گذار اتحاد کی پالیسی ۱۸۵۸ءتا۱۹۱۹ء:

۱۸۵۷ء کی جنگ

آزادی کی وجہ سے حکومت کے ریاستوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت میں زبردست تبدیلی آئی۔ یہ بات سب تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ آزادی کا بڑا سبب ڈلہوزی کی پالیسی تھی کہ کسی نہ کسی بہانے ریاستوں کا الحاق کیاجانے۔ اس صورتحال کو بہتر بنانے کیلئے یہ ضروری خیال کیاگیاکہ ریاست کے ساتھ حکومت کی پالیسی میں تبدیلی لائی جانے۔ اس لئے ملکہ نے ۱۸۵۸ء میں اعلان کیاکہ حکومت آئندہ کسی ریاست کاالحاق نہیں کرے گی ہم اعلان کرتے ہیں کہ " جو معاہدے اور سمجھوتے نوابوں کے ساتھ کئے گئے ہیں خواہ وہ کمپنی نے کئے ہوں یا ہم نے تسلیم کئے ہوں، ہم ان کی پابندی کریں گے اور ہم امید کرتے ہیں کہ نواب بھی ان کی پابندی کریں گے۔ ہم اپنے موجودہ علاقائی مقبوضات میں کسی توسیع کے خواہشمند نہیں ہیں۔ ہم نوابوں کے حقوق، شان اور عزت برقرار رکھیں گے۔۔

۱۹۱۹ء میں لارڈ منٹو نے کہا " ہماری پالیسی یہ ہے کہ ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں لیکن داخلی آزادی دے کر اور اندرونی جارحیت کے

خلاف ان کی حفاظت کر کے حکومت ان کے نظم نسق کی عمدگی کی ضمانت دے ----

اودھ پور میں تقریر کرتے ہوئے منٹو نے ، نومبر ۱۹۰۹ء کو ریاستوں کی طرف برطانوی حکومت کی پالیسی کی تاریخ بیان کی اور کہا کہ " حکمران ریاست کے لوگ اور یورپ کے لوگ سب ہم سے معلوم کرتے ہیں کہ ریاست کے معاملے میں ہماری کیا پالیسی ہے ۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس پالیسی کی بنیاد ملکہ وکٹوریہ کے ۱۸۵۸ء کے اعلان پر رکھی گئی ہے اور بادشاہ نے تاج پوشی کے پیغام میں اس بات کا اعادہ کیا ہے " کہ ہم اعلان کرتے ہیں کہ ریاست کے حکمرانوں کے ساتھ کمپنی نے جو معاہدے کئے ہیں ،۔ یا جن کو تسلیم کیا ہے ، ہم ان کی پابندی کریں گے ۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ ریاست کے حکمران بھی ان کی پابندی کریں گے ۔ ہم اپنے موجودہ مقبوضات میں توسیع کے خواہشمند نہیں ہیں اور جب کہ ہم اپنی حکومت کی حدود اور اپنے حقوق پر کوئی جارحیت برداشت نہیں کریں گے ، ہم دوسروں کے معاملات میں بھی مداخلت نہیں کریں گے ۔۔ (۱)

چیمبر آف پرنسز کا قیام ۔

پہلی جنگ عظیم میں ریاست کے حکمرانوں کی طرف سے حمایت کی بنا پر برطانوی حکومت نے ریاست کے بارے میں اپنا نظریہ نرم کرلیا ۔ اس سلسلے میں سیکرٹری آف سٹیٹ Mintigu نے ریاستی حکمرانوں سے مذاکرات کئے ۔ مگر ریاستوں کی کسی تنظیم کی تجویز لارڈ Lytton لیٹن کی تھی ۔ چنانچہ ۸ فروری ۱۹۲۱ء کو چیمبر آف پرنسز کا قیام عمل میں لایا گیا ۔ وائسرائے اس کا صدر تھا ۔ اس کے علاوہ ایک چانسلر اور ایک وائس چانسلر ، جو ایک ایک سال کے لئے منتخب ہوتے ابتدا میں اس کے ۱۰۸ ممبران تھے ، جو اپنے ذاتی حق کی بنا پر ایوان کے رکن بنے ۔ یہ ایسے راجگان تھے ، جن کو گیارہ سے زائد توپوں کی سلامی کا حق ملا رہا ۔ اس کے علاوہ ۱۲۷ ریاستوں کی طرف سے گیارہ ارکان منتخب ہو کر آتے تھے ۔ اس ایوان میں ایک اور اہم ادارہ اسٹینڈنگ کمیٹی یا مجلس انتظامیہ تھی ، جس کے سات ارکان تھے ۔ اس کمیٹی کا کام

---

۱ ۔ عبدالحمید پاک و ہند ۔ ص ۵۶۰ تا ص ۵۶۴ ، بھوشن داس گپتا ۔ ص ۱ تا ۵ ، صاحبزادہ عبدالرسول

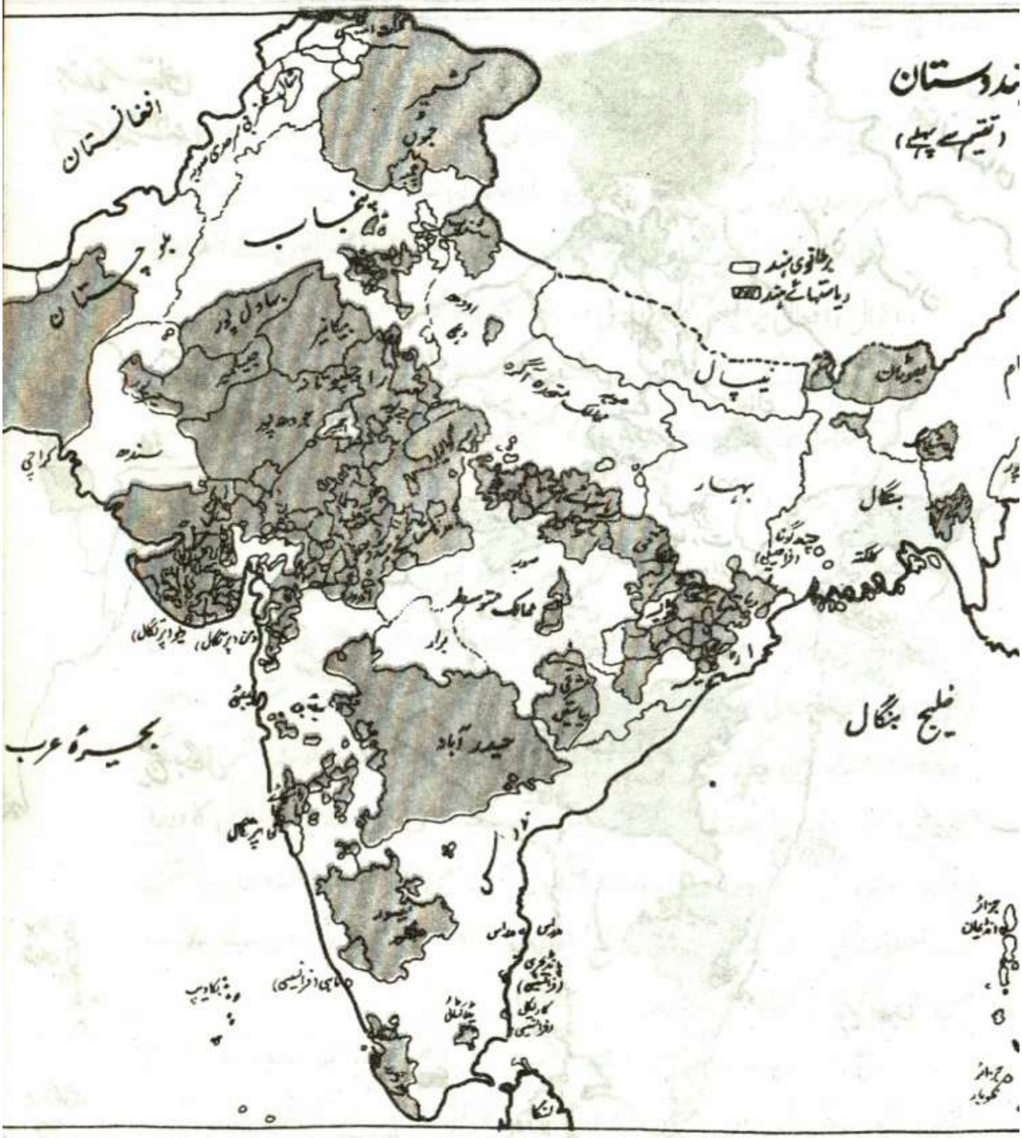
ندوستان
(تقسیم سے پہلے)
برطانوی ہند
ریاستہائے ہند
افغانستان
کشمیر
جموں
پنجاب
بلوچستان
بہاول پور
بیکانیر
جیسلمیر
راجپوتانہ
جودھپور
سندھ
کراچی
اودھ
دہلی
ممالک متحدہ آگرہ
نیپال
بھوٹان
بہار
بنگال
کلکتہ
ممالک متوسط
برار
حیدرآباد
میسور
مدراس
بحیرۂ عرب
خلیج بنگال
لنکا

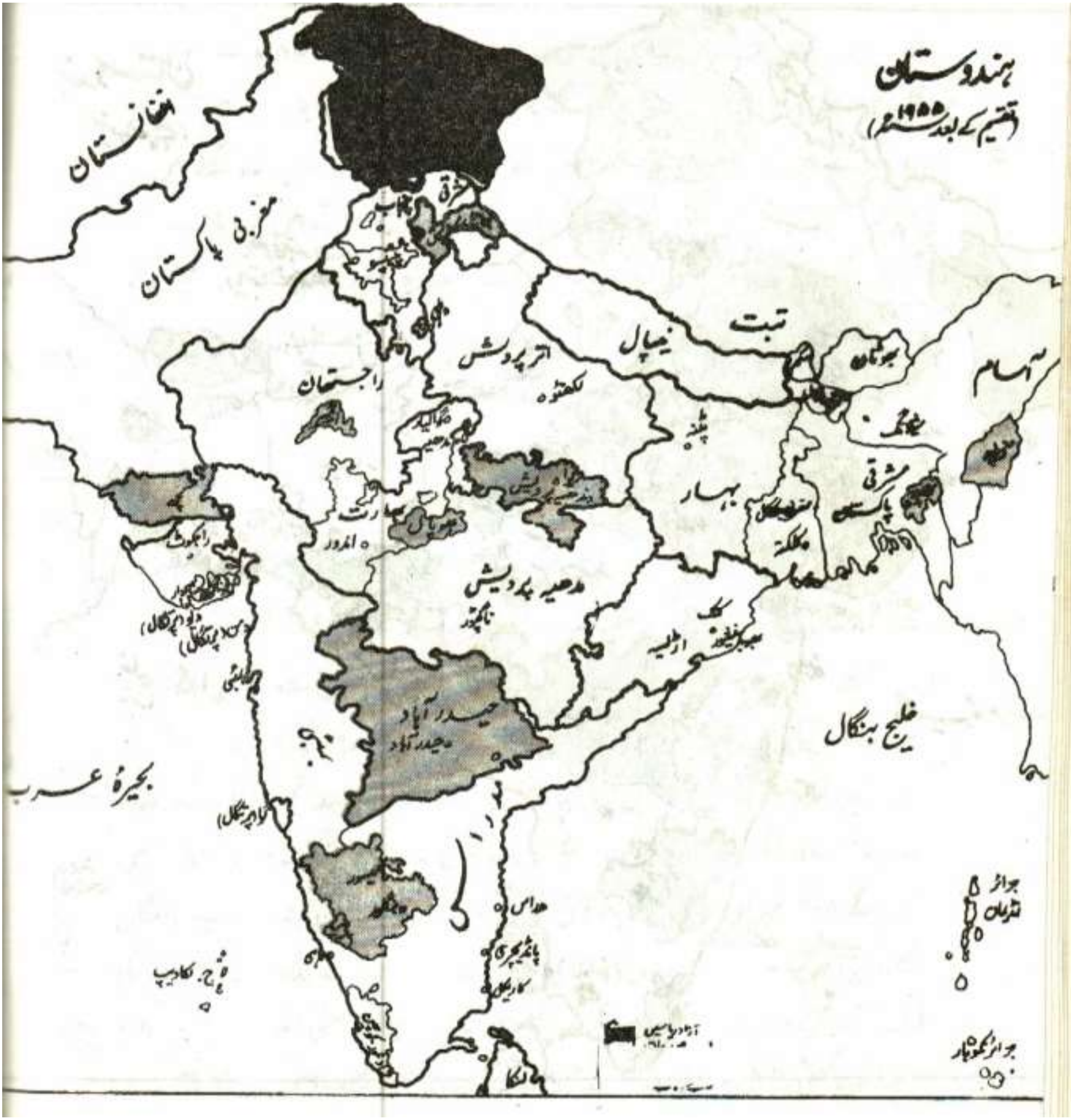
ہندوستان
افغانستان
مغربی پاکستان
تبت
نیپال
بھوٹان
آسام
اتر پردیش
راجستھان
لکھنؤ
پٹنہ
بہار
مشرقی پاکستان
کلکتہ
مدھیہ پردیش
ناگپور
کٹک
اڑیسہ
خلیج بنگال
حیدرآباد
بحیرۂ عرب
بمبئی
مدراس
پانڈیچری
کاریکل
لنکا
جزائر انڈمان
جزائر نکوبار

وائسرائے کو مشورہ دینا تھا۔۔(۱)

ایوان کے اختیارات اور دستوری اہمیت:۔

ایوان راجگان کے دستور کے اہم حصے میں اس کے اختیارات بیان کر دئے گئے تھے۔ اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

" ریاستوں کے انفرادی معاہدوں اور ان کے اندرونی معاملات ، راجاؤں ، سرداروں اور ان کی ریاستوں اور ان کے خاندان کے افراد کے انفرادی حقوق ، مفادات ، اعزازات ، اختیارات ، مراعات اور شاہانہ حقوق اور حکمرانوں کے انفرادی اعمال و افعال پر ایوانوں میں کوئی مباحثہ نہیں ہو گا۔۔

" ایوان کے قیام سے وائسرائے یا گورنر جنرل کے ساتھ کسی ریاست کے جو تعلقات اور مقررہ روابط ہیں ، ان کو کسی طرح کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔۔(۲)

بٹلر کمیٹی کا قیام

مئی ۱۹۲۷ء میں شملہ میں کانفرنس کے دوران وائسرائے ہند لارڈ اروِن سے یہ درخواست کی گئی کہ طاقت بالا دست کے ساتھ ریاستوں کے تعلقات کی نوعیت کی تحقیقات کی جائے ۔ چنانچہ ۱۶ دسمبر ۱۹۲۷ء کو سیکرٹری آف سٹیٹ Lord Birkhead نے تین رکنی کمیٹی مقرر کر دی ، جس کے سربراہ مسٹر ہرکوٹ بٹلر اور دیگر ممبران ایس ۔ ای ۔ ہیل اور ڈبلیو ۔ ایس ہولڈور تھ تھے ۔ اس کمیٹی نے ہندوستان کا دورہ کیا اور ۱۴ فروری ۱۹۲۹ء کو اس کی رپورٹ پیش کی جس میں بالادست طاقت اور ریاستوں کے تعلقات کی وضاحت کی گئی ۔ جبکہ لارڈ اروِن نے ۱۹۲۹ء میں ریاستوں کے بارے میں اپنی پالیسی ان الفاظ میں بیان کی:۔

" میری رائے یہ ہے اور میں اسے پوشیدہ نہیں رکھنا چاہتا کہ آیندہ کے لئے جو تجاویز بھی بنائی جائیں ، ان میں پالیسی اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان کے

---

(۱) جامعہ ص ۲۳۶

(۲) جینس صراف ص ۲۳ ، جلد دوم ۔ بھوشن داس گپتا ص ۸ ۔ جامعہ ص ۲۳۵

راجگان کی آزادانہ منظوری کا حاصل کرنا لازمی سمجھا جائے۔ ایسی تجویزوں سے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاہدے، جن کو راجگان پختہ سمجھتے آئے ہیں، آسانی کے ساتھ توڑے جاسکتے ہیں، مسئلہ کا حل قریب نہیں دور ہوجائے گا۔"(۱)

اس کمیٹی کے سامنے ریاستوں کی طرف سے برطانوی وکلاء کا ایک پینل Sir Lesli Scott کی قیادت میں پیش ہوا، جس نے کمیٹی کے سامنے یہ دلائل پیش کئے۔ سرسکاٹ نے کہا:۔

"کہ ہندوستانی ریاستیں حقیقی اقتدار کی مالک ہیں۔ سوائے ان امور کے جو انہوں نے اقتدار اعلیٰ کا مالک ہونے کے ناطے سے تاج برطانیہ کو تفویض کئے تھے اور اب یہ امور ریاستی مرضی کے خلاف کسی دوسرے کو تفویض نہیں کئے جاسکتے ---- سرسکاٹ نے مزید کہا کہ طاقت بالادست تاج برطانیہ ہے اور اس کے علاوہ کوئی نہیں۔"(۲)

"سرسکاٹ نے مزید کہا۔ کہ تاج برطانیہ بلاشبہ بعض صورتوں میں مداخلت کا حق رکھتا ہے۔ لیکن اس حق کا مطلق استعمال نہیں کیا جاسکتا---- انہوں نے کہا کہ ریاستوں کو اس بات پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی وفاداری تاج برطانیہ کے علاوہ کسی تیسری پارٹی کو منتقل کردیں۔"(۳)

اے۔بی۔ کیتھ کے خیال کے مطابق:۔

"یہ معلوم ہونا بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ ریاستوں کے تعلقات تاج کے ساتھ ہیں نہ کہ پاک و ہند کی حکومت کے ساتھ---- اور یہ ظاہر ہے کہ تاج کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ معاہدوں کے ماتحت اپنے حقوق کو ریاستوں کی منظوری کے بغیر پاک و ہند کی ذمہ دار حکومت کو منتقل کردے۔"(۴)

بٹلر کمیٹی نے سرسکاٹ اور کیتھ کے اس نظریے سے اتفاق نہ کیا کہ ریاستوں کے تاج کے ساتھ تعلقات کی بنیاد وہ معاہدات ہیں جو باہمی رضامندی سے طے کئے گئے۔ اس کے علاوہ تاج کے اقتدار اعلیٰ کی محدودیت کے نظریئے سے بھی اتفاق نہ کیا۔ کمیٹی نے سفارشات کی بنیاد ۱۸۵۸ء کے حکومت ہندوستان کے اعلان پر رکھی، جس میں

---

(۱) جسٹس یوسف صراف ص ۲۴، جلد دوم بھوشن داس گپتا ص ۸۱ (۲) جامعہ ص ۸۲۳ (۳) رئیس احمد

ریاستوں کے تعلقات براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ ظاہر کئے گئے۔ کمیٹی نے ۱۴ فروری ۱۹۲۹ء کو سفارشات پیش کیں،(۱) جو درج ذیل ہیں۔

(۱) گورنر جنرل بہ اجلاس کونسل کے بجائے وائسرائے تاج برطانیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے ریاستوں سے معاملہ کرے۔

(۲) والیان ریاست کی مرضی کے بغیر انہیں پاک و ہند آئندہ قائم ہونے والی نمائندہ حکومت کے ماتحت نہیں کرنا چاہئے۔

(۳) ریاستوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کا حق صرف وائسرائے کو ہے۔

(۴) تاج برطانیہ اور والیان ریاست کے درمیان تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لئے خاص کمیٹیاں قائم کی جائیں۔

(۵) حکومت ہند ریاستوں کے درمیان مالیاتی تعلقات کا جائزہ لینے کیلئے ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔

(۶) پولیٹیکل آفیسر انگلستان کی یونیورسٹی سے بھرتی کئے جائیں اور ان کی الگ ملازمت قائم ہو۔(۲)

اس کے علاوہ اس کمیٹی نے ریاستوں کی کونسل کی تشکیل کی بھی مخالفت کی اور اس اسکیم کو مسترد کر دیا۔(۳)

والیان ریاست کو یہ شکایت کچھ عرصہ پہلے سے چلی آرہی تھی کہ حکومت بالادست، من مانے طریقے سے ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کر رہی ہے اور ان معاہدات و اعلانات کا احترام نہیں کیا جارہا۔ چنانچہ بٹلر کمیٹی کے سامنے والیان ریاست نے اس مسئلے کو وکلاء کے پینل کے ذریعے کثیر رقم خرچ کر کے اٹھایا۔ مگر بٹلر کمیٹی نے اس کے برعکس رویہ اختیار کیا کہ تاج برطانیہ اور ریاستوں کے درمیان تعلقات کی عدم وضاحت ہی بہتر ہے۔ اس پر والیان ریاست نے زبردست احتجاج کیا، مگر فوری طور پر اس کی تلافی نہ کی گئی۔ اس اثنا میں گول میز کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں والیان ریاست بھی شامل ہوئے۔ وہاں والیان ریاست نے بٹلر کمیٹی کی سفارشات اور تاج کے

---

(۱) جوتی بھوشن داس گپتا ص ۹ (۲) صاحبزادہ عبدالرسول "تاریخ پاک و ہند۔ ص ۳۹۲ (۳) میاں عبدالحمید "تاریخ پاک و ہند۔ ص ۵۶۷

نمائندہ کی بے جا مداخلت پر کھل کر تنقید کی۔

مہاراجہ بیکانیر نے اس موقعہ پر کہا:۔

" معاہدات سے روساء ہند کے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں، ان کی زیادہ وضاحت ۔۔۔ تجدید کرنے کی ضرورت ہے ۔ روساء اور ریاستیں اس امر کو معلوم کرنے کی فطرتاً خواہشمند ہیں کہ ان کا کیا مقام ہے ---- یہ ایک کھلی ہوئی شکایت ہے کہ ہمارے معاہداتی حقوق پر دست درازیاں ہوئی ہیں۔ انہوں نے ایک ایسی عدالت کے قیام پر زور دیا جو نزاعی امور کا فیصلہ کرے ۔۔

مہاراجہ الور نے کہا:۔

" ہم جدید اختیارات کے متلاشی نہیں بلکہ ہم ان معاہدات کی پابندی چاہتے ہیں ۔ جن کو ملکہ وکٹوریہ اور انگلستان کے تمام شاہان ما بعد اور پارلیمنٹ اور زمانہ حاضر کے وائسرائے کے متعدد اعلانات اور تقریروں نے قابل احترام بنادیا ہے ۔ سیاسی عملدرآمد کے موقع پر ہمارے معاہدات کی مقدس حدود میں مداخلت کی گئی ہے ۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ حقوق جو معاہدات سے باہر ہماری اطلاع کے بغیر حاصل کر لئے گئے ہیں ، از سر نو زیر بحث لائے جائیں ۔۔

مہاراجہ پٹیالہ نے بڑے زور دار الفاظ میں کہا:۔

" ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ سوائے متذکرہ امور کے دیگر معاملات میں ہم اپنی اندرونی خود مختاری کو بحال و برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور برطانوی حکومت کی مداخلت کو روا نہیں رکھیں گے ۔ بالکل اسی طرح جس طرح برطانوی ہند ہماری مداخلت کا روا دار نہیں ---- جہاں تک ہندوستانی ریاستوں کا تعلق ہے ، یہ حقوق ابھی تک مشکوک ہیں ۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے حقوق معاہدات اور اقرار نامہ جات پر مبنی ہیں اور تاج سے ہمارا تعلق ایک قابل تعین رشتہ ہے ، جس کی شرائط رضامندی پر مبنی ہیں۔ بٹلر کمیٹی نے ہماری رائے پر اعتراض کیا ہے ۔ کیا ہمارے مشیران قانون جو انگلستان کے قابل ترین قانون دان ہیں ، حق بجانب ہیں یا ارکان بٹلر کمیٹی ۔۔

نواب صاحب بھوپال نے کہا:۔

" یہ کہا گیا ہے کہ برطانوی ہند کی آزادی کا تخیل اس وقت تک ناممکن ہے ، جب تک کہ دیسی ریاستیں بھی آزاد نہ ہوں۔ میں اس خیال سے بالکل مطمئن ہوں ---- ایک آزاد

دیسی ریاست کے یہ معنی ہیں کہ پیرا مونٹسی کے اس نظریہ کا خاتمہ کردیا جائے، جو ہمارے معاہدات کے خلاف ریاست ہائے ہند اور برطانیہ کے مابین پیدا کردیا گیا ہے۔ (۱)

ریاستوں کے مسئلہ کے حل کے لئے مختلف کوششیں کی گئیں اور جن حلقوں کی جانب سے ریاستوں کو برطانوی ہند کے تابع کرنے یا نئی وفاقی حکومت سے براہ راست تعلق کی کوشش کی گئی، والیان ریاست نے اسے ناکام بنادیا اور نئے ہندوستانی وفاق کے ساتھ ریاستوں کا تعلق وضع کرنے میں حکومت برطانیہ بھی پریشان ہو گئی۔

گول میز کانفرنس اور ریاستیں:۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۲ء تک گول میز کانفرنس کے تین دور ہوئے اور وفاقی ہندوستان کے لئے قابل قبول لائحہ عمل تیار کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

۱۲ نومبر ۱۹۳۰ تا ۱۹ جنوری ۱۹۳۱ء کے دوران پہلی گول میز کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی۔ صدارت اس وقت کے وزیر اعظم Mac donald نے کی۔ اس کانفرنس میں برطانوی ہند کے ۵۷ اور ریاستی ہند کے ۱۶ نمائندے شریک ہوئے۔ ان میں کشمیر کا نمائندہ بھی شامل تھا۔ ریاستی نمائندوں کو وفاق ہندوستان میں شامل کرنے کی کوششیں کی گئیں اور ایک گروپ جس میں مہاراجہ بیکانیر اور نواب آف بھوپال شامل تھے، فیڈریشن کے حامی تھے، جبکہ مہاراجہ پٹیالہ کی سرکردگی میں دوسرا گروہ وفاق کے حق میں نہ تھا۔ چنانچہ مسئلے کے حل کے لئے ایک وفاقی مجلس تشکیل قانون " Federal structure committee. قائم کی، جس میں برطانوی ہند اور ریاستی ہند کے نمائندے شریک تھے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۳۱ء کو اس کی رپورٹ شائع ہوئی، جس میں کہا گیا تھا کہ وفاقی مجلس آئین ساز، برطانوی ہند کے نمائندوں اور والیان ریاست کے نامزد نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ لیکن صورت حال جوں کی توں رہی۔ والیان ریاست کی اکثریت فیڈریشن میں شمولیت سے انکار کرتی رہی۔ الغرض گول میز کانفرنس کے تین دور

---

(۱) جامعہ مارچ ۱۹۳۰ء ص ۲۳۰

ہونے ۔ مگر ان بنیادی مسائل پر اتفاق رائے نہ ہو سکا اور پارلیمنٹ نے نئے دستوری خاکے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کردی۔

۱۹۳۵ء کا قانون ہند اور ریاستیں۔

برطانوی حکومت نے گول میز کانفرنس میں کی جانے والی بحثوں، سمجھوتوں اور فیصلوں کی روشنی میں اپنی تجاویز مرتب کیں اور مارچ ۱۹۳۳ء میں اسے "قرطاس ابیض" میں شائع کردیا۔ صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر برطانوی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں نے لارڈ لنلتھگو کی سربراہی میں ایک جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی مقرر کردی، جس کے ذمہ نئے دستور کا خاکہ مرتب کرنا تھا۔ چنانچہ اس دستوری خاکے کو ۴ اگست ۱۹۳۵ء کو منظوری کے بعد جاری کردیا گیا۔ اس قانون میں مرکزی حکومت کو ایک ایسے وفاق کی شکل دی گئی تھی، جس کے ساتھ برطانوی حکومت کے زیر انتظام برطانوی ہند کے صوبے اور آزاد ریاستیں اپنی مرضی سے الحاق کر سکتی تھیں۔

گویا اس قانون میں بھی تاج برطانیہ ریاستوں کے معاملے میں ایسا قانون شامل نہ کرسکا، جو ریاستوں کی مرضی کے خلاف ہو۔ ریاستوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ فیڈریشن کے ساتھ الحاق کرنا چاہیں تو ایک دستاویز الحاق تیار کریں اور جو اختیارات وفاق کو دینا چاہیں ان کا اعلان کردیں۔۔

جائنٹ سیلکٹ کمیٹی۔ ریاستوں کے معاملے میں رقمطراز ہے:۔

" دو مشکلات بنیادی ہیں کہ ہندوستانی ریاستیں اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوستانی صوبوں سے بالکل مختلف ہیں اور جس طرح صوبوں کے بارے میں معاملات طے کئے جاسکتے ہیں، ریاستوں کے معاملے میں ایسا نہیں کیا جاسکتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ برطانوی ہند کے صوبوں کے برعکس ہندوستانی ریاستیں مختلف درجوں اور حیثیت کے مطابق اقتدار اعلیٰ کی مالک ہیں اور شخصی حکومت کے تحت چل رہی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ والیان ریاست نے واضح کردیا ہے کہ وہ اقتدار اعلیٰ کے مالک ہونے کی بنا پر

فیڈرل حکومت کی طرف سے ریاستوں پر حکومت قبول نہیں کریں گے ۔۔(۱)

یہ کمیٹی اپنی رپورٹ میں ریاستوں کے بارے میں اپنی بے بسی کا اظہار یوں کرتی ہے کہ:۔

" ہندوستانی ریاستوں کا فیڈریشن کے ساتھ اس وقت تک الحاق نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ خود اپنی مرضی سے ایسا نہ کریں۔ مشاہدہ یہ ہے کہ ریاستوں پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ یہ والیان ریاست کی مرضی ہے کہ وہ جو مناسب سمجھیں، کریں۔ فیڈریشن میں شامل ہوں یا الگ رہیں۔۔(۲)

چنانچہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں سیکشن ۶ ریاستوں اور فیڈریشن کے مابین الحاق سے متعلق ہے، جس میں والی ریاست کی مرضی پر منحصر تھا کہ وہ الحاق کا فیصلہ کرے یا نہ کرے۔ الحاق کا فیصلہ کرنے کی صورت میں اسے ایک دستاویز الحاق تیار کرنی تھی، جس میں والی ریاست کو ان اختیارات کی وضاحت کرنی تھی، جو وہ فیڈریشن کو دینا چاہتا۔ یہ فیصلہ والی ریاست کو کرنا تھا کہ وہ ریاست کے کن معاملات کو فیڈریشن کے حوالے کرے مگر عملی طور پر یہ بھی نہ ہو سکا کیونکہ بعد میں ریاستوں نے وفاق میں شامل ہونے سے انکار کر دیا تھا۔ پروفیسر شیخ محمد رفیق لکھتے ہیں:۔

"کہ عملی طور پر ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کا مرکزی حصہ کبھی بھی زیر عمل نہ آسکا، کیونکہ دیسی ریاستوں نے وفاق میں شرکت سے انکار کر دیا تھا۔ (۳)

اس بات سے یہ مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ ریاستوں کے والیان کو اپنی ریاستوں کے بارے میں کلی اختیارات حاصل تھے اور برطانوی پارلیمنٹ اپنا کوئی قانون زبردستی ریاستوں پر نہیں ٹھونس سکتی تھی، جب تک کہ ریاست کے والیان رضامند نہ ہو جائیں۔۔

---

(۱) جسٹس یوسف صراف ص ۲۵ ، جلد دوم

(۲) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (انگریزی) ص ۳۱۲

(۳) ۔پروفیسر شیخ محمد رفیق " تحریک پاکستان۔ ص ۲۵۸

تقسیم ہند سے پہلے کشمیر کی پوزیشن

تقسیم ہند سے پہلے کشمیر کی پوزیشن

کشمیر جدید کی تاریخ کا آغاز عموماً ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر سے کیا جاتا ہے، جب کشمیر سکھوں سے ڈوگروں کو منتقل ہوا۔ کشمیر کی سکھوں سے ڈوگروں کو منتقلی میں انگریزوں کا اہم کردار ہے۔ انگریزوں نے برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے پہلے ریاستوں کے متعلق اجتماعی اور انفرادی معاہدے کیے تھے۔ یہ معاہدے ہر ریاست کی طاقت اور حیثیت کے مطابق ہوتے تھے۔ کشمیر کے متعلق انگریزوں کے سارے معاہدے ڈوگرہ عہد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے اس عہد کا تفصیلی جائزہ درکار ہے تاکہ یہ بات تاریخی تناظر میں نمایاں ہو جائے کہ برصغیر پاک و ہند اور برصغیر پاک و ہند کی دیگر ریاستوں میں ریاست جموں کشمیر کی طاقت اور حیثیت کیا تھی۔ انگریزوں کے ساتھ پہلا نمایاں معاہدہ امرتسر ہے، جس کے ذریعے کشمیر گلاب سنگھ کو منتقل ہوا۔ کشمیر کی تاریخ جدید کی بنیاد چونکہ یہ معاہدہ ہے، اس لئے اسے بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

عہد نامہ امرتسر (۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء)

یہ وہ عہد نامہ ہے، جو حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ آف جموں کے درمیان قرار پایا، جس میں ایک طرف حکومت برطانیہ کے نمائندے فریڈرک کوئی صاحب اور بریوٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس (زیر احکام رائٹ آنر ایبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی بی (ممبر پریوی کونسل علیا حضرت ملکۂ برطانیہ) گورنر جنرل مقررہ آنریبل کمپنی بہادر برائے انصرام امور کمپنی در شرق الہند) اور دوسری طرف مہاراجہ گلاب سنگھ بنفس نفیس شامل ہوئے۔

دفعہ اول: حکومت برطانیہ وہ تمام کوہستانی علاقہ (مع ملحقات آں) جو دریائے سندھ کے مشرق اور دریائے راوی کے مغرب کی طرف واقع ہے، (بشمول چمبہ و باشثنائے لاہول) اور جو اس علاقے کا ایک حصہ ہے، جو حکومت لاہور نے معاہدہ لاہور مورخہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کی

دفعہ ۴ کے منشا کے ماتحت حکومت برطانیہ کے سپرد کر رکھا ہے
مہاراجہ گلاب سنگھ اور ان کے جبلی مذکر وارثوں کے خود مختار قبضے
میں منتقل کرتی ہے۔

دفعہ دوم: جو علاقہ دفعہ اول کے مطابق مہاراجہ گلاب سنگھ کے قبضے میں منتقل کیا جارہا ہے، اس کی مشرقی سرحد کا فیصلہ وہ کمشنر کریں گے، جنہیں حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ اس مقصد کیلئے مقرر کریں گے اور یہ سرحد بعد پیمائش و مساحت ایک علیحدہ دستاویز میں معین کی جائے گی۔

دفعہ سوم: مذکورہ بالا دفعات میں منتقل شدہ ملک کے عوض پچاس لاکھ نانک شاہی تو معاہدے کی تصدیق پر دیا جائے گا اور باقی پچیس لاکھ نانک شاہی سال رواں ۱۸۴۶ء عیسوی کی یکم اکتوبر کو یا اس سے پیشتر ادا کیا جائے گا۔

دفعہ چہارم: مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کی حدود کسی وقت بھی حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر تبدیل نہ کی جائیں گی۔

دفعہ پنجم: اگر مہاراجہ گلاب سنگھ اور حکومت لاہور یا کسی اور ہمسایہ سلطنت کے درمیان کوئی جھگڑا یا مسئلہ پیدا ہوگا، تو مہاراجہ اس کو حکومت برطانیہ کی ثالثی کے سپرد کرے گا اور حکومت برطانیہ کے فیصلے کا پابند ہوگا۔

دفعہ ششم: مہاراجہ گلاب سنگھ اپنی اور اپنے وارثوں کی طرف سے عہد کرتے ہیں کہ اگر کبھی برطانوی فوج ان کے مقبوضہ ملک کے ملحقہ علاقے یا کوہستان میں مصروف کار ہوگی تو وہ اپنی ساری فوج سمیت برطانوی فوج کے ساتھ شامل ہوں گے۔

دفعہ ہفتم: مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی منظوری کے بغیر وہ برطانیہ یا کسی یورپی یا امریکی سلطنت کی رعایا کے کسی آدمی کو اپنے ماتحت ملازم نہ رکھیں گے۔

دفعہ ہشتم: مہاراجہ گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ جہاں تک ان کے حق میں

منتقل ہونیوالے علاقوں کا تعلق ہے، وہ حکومت برطانیہ اور دربار لاہور کے درمیان علیحدہ علیحدہ مورخہ ١١ مارچ ١٨٤٦ء کی دفعات ۵ ۶۔ ۷ کے منشا کا احترام کریں گے۔

دفعہ نہم: حکومت برطانیہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے علاقوں کو بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لئے انہیں امداد بہم پہنچائے گی۔

دفعہ دہم: مہاراجہ گلاب سنگھ حکومت برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اور اس تسلیم کی نشانی کے طور پر حکومت برطانیہ کی خدمت میں ہر سال ایک گھوڑا اچھی نسل کا بارہ پشمی بکریاں (چھ بکرے چھ بکریاں) اور تین جوڑی کشمیری دوشالوں کو پیش خدمت کیا کریں گے۔

یہ عہد نامہ، جس کی دس دفعات ہیں۔ آج کی تاریخ پر فریڈرک کری صاحب اور بریوٹ میجر ہنری منٹگمری لارنس زیر ہدایت رائٹ آنریبل سرہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل نمائندگان حکومت برطانیہ اور مہاراجہ گلاب سنگھ (بنفس نفیس) کے درمیان قرار پایا اور اس معاہدہ پر آج کی تاریخ کی رائٹ آنریبل سرہنری ہارڈنگ جی سی بی گورنر جنرل نے مہر تصدیق ثبت کی۔

قرار یافتہ بمقام امرتسر مورخہ ١٦۔ مارچ ١٨٤٦ء مطابق ١٧ ربیع الاول ١٢٦٢ ہجری۔

گلاب سنگھ ایچ ہارڈنگ

ایف کری۔ ایچ ایم لارنس (١)

ڈوگرہ حکومت کا پس منظر:۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان حالات کی نشاندھی کی جائے، جن میں کشمیر بالآخر ڈوگرہ خاندان کے تحت آیا۔ راجگان ڈوگرہ جموں کے قدیم باشندے ہیں۔ انکی تاریخ قبل مسیح سے تاریخوں میں محفوظ ہے۔ اس خاندان کا شجرہ نسب ١٦٠٠ قبل

---

(١) ترجمہ ۔ ہفت روزہ "نصرت۔ لاہور۔ ١٩٦٠ء ص ٧، ٢٩ اصلی انگریزی متن "گزیٹر۔ ص ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ (۱) گلاب سنگھ بانی ڈوگرہ حکومت کشمیر ۱۷۹۲ء میں جموں میں پیدا ہوا۔ (۲) مولوی حشمت اللہ نے "تاریخ جموں" میں اس کے حالات دیوان کرپارام کی کتاب "گلاب نامہ" سے اخذ کئے ہیں۔ ان کے مطابق گلاب سنگھ کی شہرت کی ابتداء، اسکی بہادری کی وجہ سے ہوئی۔ گلاب سنگھ نے باپ کی باتوں سے خفا ہو کر دیوان خوشوقت رائے زرگر کی ملازمت اختیار کی، جو ایک جاگیر کا کرتا دھرتا تھا۔ اس جاگیر میں کسی قدر شور شرابہ تھا۔ ایک حملے میں گلاب سنگھ نے جوانمردی دکھائی، جس کی شہرت رنجیت سنگھ کے دربار تک پہنچی۔ رنجیت سنگھ نے اسے بلا کر اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ یہاں سے گلاب سنگھ اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوا۔ کشمیر پر حملے کے وقت گلاب سنگھ اور اس کے بھائی دھیان سنگھ نے پھر بہادری کے جوہر دکھانے۔ اب کی بار اسے انعام میں کھروٹی۔ پھندیاں و بھول کے علاقے بطور جاگیر عطا ہوئے۔ ملتان پر حملے کے بعد ریاسی کا علاقہ بھی ملا۔ دوبارہ کشمیر پر حملے کے بعد جموں گلاب سنگھ کے والد راجہ کشور سنگھ کو بطور اجارہ ملا اور خطاب راجگی بھی عطا ہوا۔ ۳۰، ۱۸۲۹ء میں کشتواڑ کو بھی فتح کیا۔ جون ۱۸۲۲ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے راجہ گلاب سنگھ کو دریائے چناب کے پاس جبہ پوتہ درخت کے نیچے جموں کی حکمرانی دی اور راجے کا خطاب دیا۔ اس کے علاوہ اس کے بھائی کو بھی رام نگر کا علاقہ دیا گیا۔ اس کے بعد گلاب سنگھ نے اپنے وزیر کی مدد سے لداخ وغیرہ کے علاقے فتح کئے۔ اس کے بعد اسکردو فتح کیا۔ وزیر زور آور سنگھ کی قیادت میں اگلا حملہ تبت (لہاسہ) پر کیا مگر ناکام رہا اور زور آور سنگھ سمیت فوج بھی تباہ ہوئی۔

اس اثناء میں ۱۸۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی حکومت خالصہ میں بد نظمی کا دور شروع ہو گیا۔ اسکی بنیادی وجہ نئے مہاراجہ کا وزیر میاں دھیان سنگھ برادر گلاب سنگھ کو ناپسند کرنا تھا۔ دھیان سنگھ کی جگہ اجیت سنگھ کو وزیر بنانا چاہتا تھا۔ سازشوں کا دور شروع ہوا اور یوں اجیت سنگھ اور کھڑک سنگھ مارے گئے۔ دھیان سنگھ نے کنور شیر سنگھ کو آگے لانے کی کوشش

---

(۱) مولوی حشمت اللہ "تاریخ جموں" ص ۳ (۲) ڈاکٹر جی۔ ایم صوفی "کشمیر" جلد دوم ص ۵۴

کی - مگر کامیاب نہ ہوا - بالآخر سرداروں کی مجلس بنی ، جس میں دھیان سنگھ بھی شامل تھا۔ دھیان سنگھ کے خلاف پھر سازش شروع ہوئی تو اس نے کنور سنگھ کو بلا کر تخت پر بٹھا دیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد کنور شیر سنگھ بمع خاندان اور میاں دھیان سنگھ اور دوسرے وزراء سندھیانوالیوں کے ہاتھوں قتل ہوگئے - - یہ خونریزی ۱۸۴۳ء میں بند ہوئی اور رنجیت سنگھ کا چھوٹا لڑکا دلیپ سنگھ ۹ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ انتظام رانی جنداں کے ہاتھوں میں تھا۔ لیکن افراتفری ختم نہ ہوئی اسی ہنگامہ آرائی میں مہاراجہ گلاب سنگھ کو مختلف افواج نے کئی اطراف سے گھیر لیا مہاراجہ گلاب سنگھ نے مزاحمت کی۔ بالآخر طے ہوا کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو لاہور پہنچایا جائے - یوں مہاراجہ گلاب سنگھ کو لاہور پہنچا دیا گیا اور حراست میں رکھا جانے لگا - یہاں تک کہ خالصہ فوج انگریزوں کو چھیڑ بیٹھی - انگریزوں کی جوابی کاروائی سے خالصہ حکمران گھبرا گئے - میاں گلاب سنگھ کو مصالحت کرانے کا موقع ملا - گلاب سنگھ نے انگریزوں اور سکھوں کے درمیان صلح کرائی اور اپنے لئے پورا جموں کشمیر بطور انعام حاصل کرنے کی استدعا کی - چنانچہ جو معاہدہ انگریزوں اور سکھوں کے درمیان ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کو ہوا - اسکی ۱۵ دفعات تھیں - دفعہ ۱۲ میں جموں کشمیر کے متعلق انگریزوں نے سکھوں سے لکھوالیا کہ اسے مہاراجہ گلاب سنگھ کے سپرد کیا جائے گا ، چنانچہ اس معاہدے کی روشنی میں ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کا معاہدہ انگریزوں اور گلاب سنگھ کے درمیان ہوا - یوں گلاب سنگھ ریاست جموں کشمیر کا آزاد و خود مختار حکمران بن گیا۔

چند وضاحتیں - چند نکات

مہاراجہ گلاب سنگھ ریاست جموں کشمیر کا آزاد و خود مختار حکمران بن گیا۔

۱۔ یہاں سے چند سوالات ابھرتے ہیں ، جو آگے چل کر ہماری تاریخی حیثیت کو واضح کرتے ہیں - ڈوگرہ عہد پر لکھنے والوں کے دو مکاتب فکر ہیں - یہ دو مکاتب فکر ساری تاریخ کشمیر کو اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے دیکھتے اور لکھتے ہیں - ایک مکتبہ فکر تو ہندو مصنفین کا ہے ، جو گلاب سنگھ کا ہر حالت میں دفاع کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں - دوسرا مکتبہ فکر مسلمان مصنفین کا

ہے، جن کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ کو حکومت ملتے ہی جیسے قیامت آگئی تھی۔ ان دو مکاتب فکر کی رائے اپنے اپنے زاویہ نگاہ سے درست ہے۔ مگر ہمارے سامنے معاملہ اس وقت مذہب یا عقائد کے حوالے سے تاریخ کا جائزہ لینا نہیں بلکہ آئینی سیاسی اور قانونی پوزیشن کے تعین سے ہے۔ یہ آئینی و قانونی بحث ساری کی ساری انگریزوں کی چالوں، ان کے معاہدوں، ان کے وعدوں کے تحت آتی ہے۔ تقسیم ہند کے سارے قوانین انگریزوں نے ہی بنانے تھے۔ گویا جموں کشمیر سکھوں سے ڈوگروں کو منتقل ہوا تو انگریزوں کے معاہدوں کی رو سے۔ تقسیم ہند کے تحت خطہ کشمیر متنازعہ ہوا تو انگریزوں کے قوانین کی روشنی میں۔ بھارت اسے اپنا حصہ سمجھتا تھا اور پاکستان اپنا۔ ہری سنگھ کچھ اور سوچتا تھا، یہ سب انگریزوں کے قوانین کی اپنی اپنی تاویل کے تحت۔ ماننا پڑے گا کہ انگریز بہادر سارے قوانین اپنے مفادات کے لئے بناتا تھا۔ ان قوانین سے کبھی ایک فریق کو فائدہ پہنچتا تھا تو کبھی دوسرے کو۔

۲۔ تاریخی تناظر میں ہمارا موقف یہ ہے کہ جموں کشمیر کی ساری تاریخ آزادی کی تاریخ ہے۔ زمانہ قدیم میں مملکتوں کے اتار چڑھاؤ کی طرح عروج و زوال کے دور جموں کشمیر پر بھی آتے رہے۔ مگر بحثیت مجموعی یہ ملک ہندوستان کے باقی علاقوں کی نسبت زیادہ آزاد رہا۔ آخری دفعہ مغلوں نے اسے محکوم بنایا اور اب تک غلام چلاآرہا ہے۔ ہماری بحث چونکہ آزاد و خود مختار کشمیر کے اساسی نظریے سے ہے، اس لئے مغلوں کا قبضہ، اس کے باوجود کہ وہ مسلمان تھے، بلاجواز اور غاصبانہ تھا، جس سے جموں و کشمیر کی خود مختاری ختم کردی گئی۔ ہمارے غیر متعصب مصنفین کی اکثریت جموں کشمیر کی غلامی کی تاریخ مغلوں کے قبضے سے ہی شروع کرتے ہیں۔

۳۔ مغلوں، افغانوں، سکھوں اور ڈوگروں کے چار ادوار میں سے کس کا دور بھی ایسا نہ تھا، جس میں مقامی لوگوں نے سکھ کا سانس لیا ہو۔ مغلوں اور افغانوں کے دور میں بھی صوبیدار دھلی اور غزنی سے آتے تھے۔

مسلمان اور ہندو کا فرق ان کے پاس بھی کم تھا۔ پھر سکھوں اور ڈوگروں کا عہد آیا تو سکھوں کے گورنر لاہور دربار سے آنے لگے۔ تفریق انہوں نے بھی نہیں کی اور ظالمانہ رویہ برابر جاری رہا۔ ڈوگرہ عہد بھی کشمیریوں کیلئے مصائب کے لحاظ سے کم نہ تھا۔ لیکن اس عہد کی نوعیت بالکل مختلف رہی

۴۔ ہمارے نزدیک ڈوگرہ کو حکومت ملنا آزاد و خود مختار کشمیر کی حیثیت کی بحالی کے مترادف تھا۔ ہمارے نزدیک آزاد ریاست جموں کشمیر کا یہ روپ رنچن شاہ کے بعد ہندو عہد کی واپسی تھا۔ رنچن شاہ کے قبول اسلام کے بعد جموں کشمیر پر آزاد و خود مختار مسلمان حکومت کرتے رہے، جبکہ اس سے قبل ساری تاریخ آزاد و خود مختار ہندو حکمرانوں کی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ ہندو عہد کی واپسی تھی۔ گلاب سنگھ مقامی آدمی تھا۔ ڈوگرہ خاندان جموں سے اس کا تعلق تھا۔ انگریزوں سے انعام میں اس نے وادی کشمیر کو طلب کیا جبکہ جموں کے علاقے پر وہ پہلے ہی حکمران تھا۔ یقیناً اسے آزاد و خود مختار مملکت کشمیر کی تاریخ معلوم تھی اور یقیناً اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ مملکت پہلے آزاد و خود مختار ہندو حکمرانوں کے پاس تھی۔

۵۔ رہا سوال یہ کہ گلاب سنگھ نے جموں کشمیر چالاکی اور بے ایمانی سے لیا۔ یہ بحث آج کے دور میں اس لئے مناسب نہیں کہ ہم اس دور کے معاشرتی و معروضی حالات کو غلط طور پر موجودہ حالات کے مطابق دیکھتے ہیں۔ اس دور کی راہ و رسم اپنی تھی۔ اقتدار اور حکمرانی کے اپنے اصول تھے۔ اس کے باوجود گلاب سنگھ کا اقتدار حاصل کرنا اچانک نہ تھا۔ حصول مملکت میں اسکی ایک طویل جد و جہد ہے۔ اس جد و جہد میں اسکی بے ایمانی کا کم دخل ہے اور اسکی بہادری کا زیادہ دخل ہے۔ رنجیت سنگھ کے دور میں وہ اور اس کا بھائی دھیان سنگھ کمال پامردی سے لڑتے رہے۔ تو اس دور کے راہ و رسم کے مطابق انہیں جاگیریں دی گئیں، جسکی مختصر تفصیل گذر چکی ہے۔ جموں کا علاقہ اسے بطور انعام ملا۔ لداخ، بلتستان کا علاقہ

اس نے فتح کیا۔ انگریزوں اور سکھوں کے درمیان صلح کے صلے میں وادی کشمیر لے کر وہ ساری ریاست جموں کشمیر کا حکمران بن گیا۔

۶۔ گلاب سنگھ جب ساری ریاست جموں کشمیر کا حکمران بن گیا تو پھر اس نے ایک آزاد حکمران کی حیثیت سے مملکت کے حقوق کا دفاع کرنا شروع کیا۔ جموں کشمیر کیلئے ، جو معاہدہ ہوا ، اس معاہدے کی رو سے اس نے انگریزوں کی مداخلت کی مزاحمت شروع کردی۔ مقامی سطح پر وہ کیسا حکمران تھا۔ یہاں یہ امر زیر بحث نہیں ہے۔ کیونکہ اس دور میں کوئی قانون قاعدہ ایسا نہ تھا، جس سے کسی حکمران کا احتساب ہو سکے۔ عوام کو بھیڑ بکریوں سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی تھی۔

۷۔ گلاب سنگھ کے خاندان کو حکومت ملی اور خاندانی حکمرانی جاری رہی۔ یہ کوئی قابل اعتراض بات اس لئے نہیں کہ وہ دور اسی انداز حکمرانی کا تھا۔ بادشاہت کے رنگ تو آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جہاں صرف خاندان کی حکومت ہی چلتی ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، سعودی عرب جس کا نام حجاز تھا۔ سعودی خاندان کی بادشاہت تلے چلاآرہا ہے۔ پھر کشمیر میں اس سے پہلے مسلمان حکمران بھی موروثی انداز حکمرانی اپناتے رہے تھے۔ دنیا کی ساری تاریخ میں بمع مسلمانوں کی تاریخ کے ، کسی شخص یا خاندان نے چالاکی یا طاقت سے اقتدار حاصل کیا تو پھر اسے نسبی حدود تک اس وقت تک رکھا جاتا، جب تک کہ کوئی دوسرا آکر چھین نہ لے۔

۸۔ میری ان سطور کو اس ذیل میں نہ لیا جائے کہ میں مہاراجہ گلاب سنگھ کی حکومت کی کشمیری عوام کے ساتھ آمرانہ رویہ اور ظالمانہ ذہنیت کا دفاع کررہا ہوں۔ میں یہاں صرف " سٹیٹ " کا دفاع کررہاہوں ، جسکی تشکیل جدید گلاب سنگھ نے کی۔ اسکی حکومت یا اس کے جانشینوں کی حکومت قطعی مثالی نہ تھی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے کہاں مثالی تھی۔ اس کے بعد یعنی ۱۹۴۷ء کے بعد " مقبوضہ کشمیر " اور " آزاد کشمیر " میں کب مثالی رہی ہے؟ سکھوں کے دور میں فیصلے لاہور میں ہوتے تھے۔ افغانوں کے دور میں فیصلے کابل میں ہوتے تھے اور مغلوں کے دور میں

دھلی میں ہوتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد بھی فیصلے سرینگر یا جموں یا مظفرآباد میں نہیں ہوتے بلکہ دھلی اور اسلام آباد میں ہوتے ہیں۔ گلاب سنگھ اور اس کے جانشین اچھے حکمران نہ تھے مگر ان کے فیصلے جموں اور سرینگر میں ہوتے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا اور بنیادی فرق ہے۔

۹۔ سیاسی جدو جہد کے آغاز میں مسلمانان کشمیر مہاراجہ کی آئینی بادشاہت تک تسلیم کرنے پر تیار تھے۔ مسلم کانفرنس نے بھی یہ تجویز سامنے رکھی۔ ان لوگوں کے نزدیک بھی مہاراجہ ایک آئینی سربراہ تھا۔ اس لئے نظام حکومت کو ذمہ دار بنانے کیلئے اور مسلمانوں کو حکومت میں شریک کرنے کے لئے مہاراجہ کو آئینی بادشاہت کی تجویز پیش کی گئی۔

۱۰۔ ۴ اکتوبر اور ۲۴ اکتوبر کو، جس باغی حکومت کا اعلان ہوا۔ اس نے سب سے پہلے مہاراجہ کو ہی معطل کرنے کا اعلان کیا۔ دوسرے لفظوں میں حکومت مہاراجہ سے چھین کر چند مسلمان راہنماؤں نے حاصل کرنے کی کوشش کی اور آج آزاد کشمیر اس کوشش کا نتیجہ ہے۔ ہم ۲۴ اکتوبر کو یوم تاسیس یا آزاد کشمیر مناتے ہیں۔ تو یہ کیا ہے۔ یہ مہاراجے کی حکومت کو چیلنج کرنے اور ختم کرنے کی تاریخ ہے اور اس ریاست پر اپنی حکومت قائم کرنے کا اعلان ہے۔ گویا اس طرح مہاراجہ کی تشکیل شدہ جدید ریاست جموں کشمیر ہماری حکومت کی بنیاد ہے۔ اگر ایسا نہ تھا تو پھر بغیر کسی مزید تردد کے یہ علاقے پاکستان میں ضم ہوگئے ہوتے۔

۱۱۔ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کی جگہ سردار محمد ابراہیم خان کی باغی حکومت کو دنیا کے ممالک سے تسلیم کرانے کیلئے آزاد جموں کشمیر سٹیٹ کونسل نے ۱۹۶۱ء میں اپنے اجلاس میں قرار منظور کی تھی۔ یہ قرار داد اس بات کی غماز تھی کہ ریاست جموں کشمیر کو نئی حکومت کی عملداری میں تسلیم کیا جائے۔ اس وقت آزاد کشمیر کے صدر کے۔ ایچ۔ خورشید مرحوم تھے۔

۱۲۔ اقوام متحدہ میں، جس ریاست جموں کشمیر کے حق خودارادیت کی بات ہے وہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زیر حکمرانی ریاست جموں کشمیر ہے۔ آخری ڈوگرہ

حکمران ہری سنگھ تھا، جس نے متنازعہ دستاویز الحاق میں ریاست کو آزاد و خود مختار رکھنے کا عندیہ دیا تھا۔ تفصیل اس اجمال کی اگلے صفحات میں موجود ہے۔

انگریز اور ڈوگرہ حکومت میں کشمکش

ریاست جموں کشمیر مہاراجہ گلاب سنگھ کو منتقل کرنے کے فوری بعد انگریزوں نے مہاراجہ پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ معاہدہ امرتسر ۱۸۴۶ء کی رو سے اختیارات کا واضح تعین ہوگیا تھا۔ جس کے تحت مہاراجہ کو کچھ نقدی اور کچھ اشیاء انگریز کو اس نکتہ نظر سے دینی تھیں کہ (Paramontcy) اقتدار انگریز کے پاس ہوگا۔ اندرونی طور پر ریاست مکمل آزاد و خود مختار ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ خارجہ دفاع اور کرنسی بھی ریاست کی اپنی تھی۔ انگریز معاہدے کے باوجود ریاست پر زیادہ کنٹرول رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن گلاب سنگھ نے غیر معمولی طور پر انگریزوں کے معاہدے کی تجاویز پر مزاحمت شروع کر دی۔ انگریزوں کی ریاست جموں کشمیر میں مداخلت کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، جن میں سے نمایاں یہ تھے :۔

۱۔ برصغیر پاک و ہند میں ریاست جموں کشمیر ہی ایسا واحد علاقہ تھا، جو جغرافیائی لحاظ سے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ ریاست کو یہ پوزیشن آج بھی حاصل ہے۔ برصغیر ہند و پاک کے علاوہ، چین، روس اور افغانستان سے اسکی سرحدیں ملتی تھیں۔ان ملکوں اور علاقوں سے انگریزوں کو سیاسی و تجارتی روابط کیلئے، جموں کشمیر کی حکومت کی اجازت کی ضرورت پڑتی تھی۔ان علاقوں کی انگریز خود نگرانی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے انگریز نے شروع سے کوشش شروع کر دی کہ اسے کسی طرح جموں کشمیر میں ریذیڈنٹ اور آفیسر رکھنے کی اجازت مل جائے تاکہ ان ملکوں اور علاقوں سے روابط کی نگرانی براہ راست ہو سکے۔

۲۔ جموں کشمیر کے شمالی علاقے روس کے قریب پڑتے تھے۔ انگریز کو اس راستے سے زار روس کے ہندوستان میں مداخلت کے خدشات تھے۔ انہیں روکنے کیلئے، وہ اپنی افواج کو اس علاقے میں رکھنے کا متمنی تھا۔

۳۔ تیسری وجہ جموں کشمیر کا سر سبز و شاداب ہونا ہے۔ اسے جو دیکھتا ہے، اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔ یہ سرزمین انگریز سیاحوں کی توجہ کا مرکز بن چکی تھی۔ انگریزوں کو مہاراجہ کشمیر سے اس علاقے میں آنے کے لئے اجازت

لینا پڑتی تھی۔

۱۔ کشمکش کا پہلا دور -------- ۱۸۴۶ء تا ۱۸۵۸ء

۱۸۴۶ء کے

معاہدہ کی رو سے گلاب سنگھ آف جموں کو ریاست جموں کشمیر حوالے کر دی گئی۔ یوں جموں کشمیر سکھوں کی عملداری سے نکل کر گلاب سنگھ کے تحت آگیا سکھوں کے دور میں گورنر تعنیات کیے جاتے تھے۔ جموں میں گلاب سنگھ پہلے ہی سکھوں کے ماتحت حکمران تھا، جبکہ وادی کشمیر میں امام دین سکھوں کا آخری گورنر تھا اب گلاب سنگھ کو ساری ریاست ملی مگر سکھوں کی طرف سے نہیں۔ اسے انگریزوں نے معاہدہ ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کی رو سے گلاب سنگھ کے آزاد و خود مختار قبضے میں دیا۔ گلاب سنگھ کے انگریزوں سے ایک آزاد حکمران کی حیثیت سے تعلقات باقاعدہ ایک معاہدے کی رو سے عمل میں آئے۔ اس معاہدے کو معاہدہ امر تسر ۱۸۴۶ء کہتے ہیں۔ جسے پچھلے اوراق میں درج کیا جاچکا ہے۔ انگریزوں اور گلاب سنگھ آف جموں کے درمیان یہ معاہدہ ہی بنیادی دستاویز تھی، جسکی رو سے آئیندہ کے تعلقات اور ورکنگ ریلیشنز قائم ہونے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انگریز نے بعض اسباب کی بنا پر ریاست میں اپنے زیادہ اثرات قائم کرنے کے لئے اپنے آفیسر اور ریذیڈنٹ رکھنے کا مطالبہ کیا تو مہاراجہ گلاب سنگھ نے اسے مسترد کر دیا اور انگریزوں کو یاد دلایا کہ معاہدہ ۱۸۴۶ء کی رو سے انگریز بہادر کو ایسے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ اسی بنا پر انگریز اور مہاراجہ کے درمیان ایک کشمکش شروع ہوگئی۔ انگریز ہر حال میں اپنے آفیسر ریاست میں تعنیات کرنے کا خواہشمند تھا، تاکہ اندرون ریاست کے علاوہ بے حد اہمیت کے حامل ریاست کے سرحدی علاقے پر نظر رکھی جاسکے چنانچہ انگریزوں نے مہاراجہ پر دباؤ ڈالنے کے لئے دوسرے حربے شروع کر دئیے

بہار ۱۸۴۶ء میں ہی لارڈ ہارڈنگ (LORD HARDINGE) نے وادی کشمیر کا ۱۰ دن کا دورہ کیا۔ واپسی پر شملہ سے مہاراجہ کو ایک نوٹ بھیجا، جس میں اس نے کشمیر کی اندرونی صورت حال پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کمپنی کی مداخلت کا اشارہ بھی دیا۔

جون ۱۸۴۶ء کو ایک اور برطانوی نمائندہ لفٹیننٹ رائنے نیل ٹیلر Reynell Taylor ، جو لاہور کے ریذیڈنٹ کا اسسٹنٹ تھا، سرینگر بھیجا گیا۔ اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ مسلمان آبادی کا اطمینان سے جائزہ لے ۔ یہاں یہ بات بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگی کہ چند ہفتے پہلے تو انگریز کو یہ خیال نہ تھا کہ ریاست میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور وہ جو سوداگری کر رہے ہیں، مسلمان اس اقدام سے راضی ہوں گے یا ناراض ۔ چند ہفتے بعد ہی مسلمانوں کی آبادی کا خیال یقیناً ایک حربہ تھا، جس سے مہاراجہ پر دباؤ بڑھانا مقصود تھا ۔ ٹیلر ۲۱ جون ۱۸۴۶ء کو سرینگر پہنچا ۔ حالات و واقعات کا جائزہ لیا ۔ لوگوں سے ملاقاتیں کیں ۔ مسلمانوں میں فوری طور پر مہاراجہ کے خلاف اسے کوئی آثار نہ ملے ۔ اسکی وجہ یہ تو نہ تھی کہ مہاراجے کے لوگ بہت گرویدہ تھے ۔ دراصل مہاراجے کو ریاست کا حکمران بنے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے ۔ اس لئے ابھی مسلمانوں کو جاننے کا پوری طرح موقع ہی نہ ملا تھا۔ حکمران کی فوری تبدیلی پر ردعمل کا سوال اس لئے بھی ممکن نہ تھا کیونکہ اس سے پہلے حکمرانوں کا رویہ بھی مثالی نہ تھا ۔ مؤرخین کے مطابق برطانوی نمائندہ مایوس لوٹا ۔ واپسی پر ٹیلر نے ۱۲ جولائی ۱۸۴۶ء کو مہاراجہ کو ایک خط لکھا، جس میں قیمتوں پر کنٹرول ۔ سرینگر میں خوراک و غلہ میں اضافہ ، مقامی لوگوں کے ساتھ بہتر سلوک کیلئے قوانین اور شال کی صنعت کو بہتر بنانے کیلئے تدابیر اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی ۔

۹ جون ۱۸۴۷ء کو کرنل ہنرے منٹگمری لارنس اور جارج ٹیلر نے مہاراجہ کو ایک خط کے ذریعے ، اس کے ملک میں موجودہ حالات کے متعلق چند شکایتوں کا ذکر کیا ، جس میں شال کی قیمت میں اضافہ ، ستی کے چار واقعات ، افواج کو گلگت روانہ کرنا اور مسلمانوں پر ناروا ٹیکس لگانے جیسی باتیں شامل تھیں ۔

۱۸۴۸ء کی دوسری سکھ انگریز لڑائی کی وجہ سے کچھ عرصہ مہاراجہ پر دباؤ کم رہا ۔ مگر انگریز جوں ہی پنجاب کے معاملات سے فارغ ہوا ، اس نے دوبارہ کشمیر پر توجہ مبذول کر لی ۔ اس عرصے میں بہت سے انگریز سیاحوں کی شکل میں کشمیر جانے لگے ۔ یہ نئی صورتحال تھی ۔ چنانچہ ۱۸۵۱ء میں انگریزوں نے سیاحوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کی خاطر ایک بار پھر ریذیڈنٹ کی تعیناتی کا مطالبہ کیا ۔

مہاراجہ نے سرینگر میں صرف موسم گرما کیلئے ایک انگریز آفسر کو قیام کی اجازت دی، جو موسم ختم ہوتے ہی سیاحوں کے ساتھ واپس چلا جاتا تھا۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مہاراجہ ایک ایسے آزاد و خود مختار حکمران کی حیثیت سے تھا جس کے اختیارات میں بلا جواز انگریز مداخلت نہیں کر سکتا تھا۔ گلاب سنگھ کی زندگی میں اس کے بعد انگریز نے کوئی مداخلت کی کوشش کی۔ نہ ہی کسی اور معاہدے کی نوبت آئی۔

البتہ دو خطوط کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پہلا خط، جنوری ۱۸۴۸ء کو گورنر جنرل لارڈ ہارڈنگ کا تھا، جس میں گورنر جنرل نے گلاب سنگھ کو اپنی سبکدوشی پر انگلینڈ واپس جانے سے پہلے ایک دوست کی حیثیت سے چند پند و نصائح کیں۔ یاد رہے، معاہدہ امرتسر پر دستخط کرنے والا بھی گورنر جنرل تھا۔ خط کی نقل(۱) جسٹس صراف نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔ دوسرا خط سیکرٹری آف گورنمنٹ انڈیا کی طرف سے ریذیڈنٹ (لاہور) کی طرف تھا، جس میں مہاراجہ آف جموں کشمیر کو زیر بحث لایا گیا، اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز کے مہاراجہ سے تعلقات کی نوعیت کیسی تھی۔ وہ مہاراجہ کو کسی طرح اپنا مکمل مطیع و فرمابردار بنانا چاہتا تھا

" قابل عزت جناب!

۱۔ گورنر جنرل کے نام آپ کے خط کے حوالے سے، جس میں آپ نے میجر جیکسن سے بات چیت کا ذکر کیا ہے کہ مہاراجہ کے ساتھ معاملات کس طرح کئے جائیں، جس میں وہ کشمیر یا اس کا کچھ حصہ کھو جانے کے خطرے کا اظہار کر رہا ہے، گورنر جنرل نے مجھے مہاراجہ کو مطلع کرنے کی ہدایت کی ہے کہ برطانوی حکومت دوست محمد کو ہسر ہائی نس کے علاقے پر قبضہ کرنے کی قطعی اجازت نہیں دے گی بشرطیکہ مہاراجہ حکومت برطانیہ کا ایک اچھا دوست اور ہمسایہ ہونے کا ٹھوس ثبوت مہیا کرے۔ مہاراجہ نے اب تک ایک بااعتماد دوست ہونے کا واضح ثبوت نہیں دیا ہے۔

---

(۱) جسٹس صراف ص۔ ۲۱۰

کیپٹن ایبٹ کو چند ہزار روپے دینا ایسا بڑا فعل نہیں جبکہ وہ برطانوی حکومت کا لاکھوں روپے کا مقروض ہے۔

۲۔ اگر مہاراجہ سکھوں کے خلاف موثر اقدامات کرے، جو اس وقت انگریزوں کے ساتھ لڑائی کیلئے تیار ہیں یا مہاراجہ امیر دوست محمد کے خلاف موثر کارروائی کرے، جو سکھوں کی امداد کررہا ہے۔ ایسی صورت میں گورنر جنرل نے کہا ہے کہ مہاراجہ کو یقین دلائیں کہ امیر دوست محمد آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ دوسری طرف مہاراجہ اگر یہ خدمات سرانجام نہیں دے سکتا تو ناممکن ہے کہ برطانوی حکومت اسکی دوستی پر اعتماد کرے۔ اسکی دوستی اور اعتماد کا دارومدار سکھوں اور دوست محمد کے خلاف اس کے اقدامات کی نوعیت پر ہے۔

۳۔ برطانوی حکومت سنجیدگی سے اس بات کی آرزو مند ہے کہ مہاراجہ اپنے سارے علاقے پر حکومت کرے اور اس کے ساتھ دوستی برقرار رہے۔ گورنر جنرل نے کہا ہے کہ وہ خود حالات کا جائزہ لے اور اس کے مطابق اقدامات کا فیصلہ کرے۔۔

سردار محمد ابراہیم کے بعد انکی کابینہ کے وزیر دفاع، کیپٹن جنرل سید علی احمد شاہ مرحوم، آزاد کشمیر کے صدر بنے۔ مرحوم مہاراجہ کے دور میں جموں کشمیر کے کوارٹر ماسٹر جنرل رہے اور جنگ آزادی کشمیر ۴۷ء میں نمایاں کردار کے حامل رہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"سیاسی طور پر ۱۶ مارچ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر کی رو سے ریاست جموں کشمیر اندرونی طور پر خود مختار قرار پائی تھی۔ اقتدار اعلیٰ برطانیہ کے پاس تھا۔ البتہ دفاع ریاستی شعبہ تھا۔ ریاستی فوج کے قوانین ریاستی تھے۔ پشتینی باشندہ کے طور پر ریاستی باشندہ کبھی بھی برطانوی باشندہ یا برطانوی ہندی باشندہ نہیں رہا۔ یہ اپنے سول و کرمنل قوانین کے تحت رہا ہے۔ ۱۸۸۵ء تک خارجہ معاملات نمائندے کے ذریعے برطانوی وائسرائے یا پنجاب ۱۸۷۷ء کے ریذیڈنٹ کے ذریعے سرانجام دئیے جاتے تھے۔ اس

کے بعد ایک ریذیڈنٹ تعنیات کیا گیا"۔ (۱)

کشمکش کا دوسرا دور ۱۸۵۸ء تا ۱۸۸۵ء

مہاراجہ گلاب سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رنبیر سنگھ تخت نشین ہوا۔ یہ وہ دور تھا، جب ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہو چکی تھی۔ اس جنگ میں انگریزوں کو کئی مقامی افواج کی مدد حاصل تھی، جن میں مہاراجہ کی فوج بھی شامل تھی۔ اسکی قیادت بھی رنبیر سنگھ نے کی۔ گلاب سنگھ کی بیماری کی وجہ سے اسے جلدی واپس آنا پڑا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد ریاست جموں کشمیر پر انگریز کا دباؤ قدرے کم ہو گیا۔ ریاستوں کے ساتھ معاملات کو مزید مستحکم کرنے کے اقدامات کیئے گئے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ، گلاب سنگھ کی نسبت کمزور حکمران تھا لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں امداد کی وجہ سے اسکی پوزیشن بہتر ہو گئی۔ ۱۸۷۰ء تک انگریزوں کی طرف سے مداخلت کا کوئی بڑا ثبوت نہیں ملتا۔ اس دوران مہاراجہ نے بھی انگریز سرکار کو مداخلت کا موقع نہ دیا۔ سرینگر میں موسم گرما کیلئے ایک انگریز آفیسر پہلے ہی تعنیات تھا۔ رنبیر سنگھ نے سیاحوں کیلئے بنگلے تعمیر کرانے اور سیاحوں کی سہولت کے لئے ایک الگ محکمہ قائم کیا۔ اس دوران رنبیر سنگھ کو انگریز سرکار کی طرف سے کئی خطاب ملے۔ ۱۸۵۹ء میں لاہور دربار میں جی۔ایس۔آئی کا خطاب دیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں "Most Exalted Star of India" کا خطاب ملا۔ اس کے علاوہ "بازوئے سرکار۔ اندر مہندر" سپر سلطنت انگلشیہ جنرل عساکر انگریزی مشیر قیصر ہند ایسے القاب ملے۔ ۱۹ کے بجائے ۲۱ توپوں کی سلامی لینے کا اعلان بھی ہوا۔ یاد رہے ۲۱ توپوں کی سلامی آج بھی آزاد و خود مختار حکمران کیلئے ہوتی ہے۔

۱۸۶۲ء میں رنبیر سنگھ کو انگریز بہادر۔ نائٹ آف دی موسٹ ایگزالٹڈ آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا۔۔ (۵ مارچ ۱۸۶۲ء)

برطانوی حکومت کی خواہش ہے کہ ہندوستانی ریاستوں پر کئی والی (پرنسز) اور چیف جو اپنے علاقوں پر حکومت کر رہے ہیں، (حکومت) جاری رکھیں۔ ان لوگوں کی نمائندگی اور وقار کو باقی رکھیں۔ اس خواہش کے اظہار کے ساتھ میں دوبارہ آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں جو میں نے مارچ حکومت اور اس کے اختیارات کو

تسلیم کیا۔

" مہاراجہ رنبیر سنگھ بہادر ۔ نائٹ آف دی موسٹ ایگزالٹڈ آرڈر آف دی سٹار آف انڈیا۔ (۵ مارچ ۱۸۶۲ء)

" برطانوی حکومت کی خواہش ہے کہ ہندوستانی ریاستوں پر کئی والی (پرنسز) اور چیف جو اپنے علاقوں پر حکومت کر رہے ہیں، (حکومت) جاری رکھیں ۔ ان لوگوں کی نمائندگی اور وقار کو باقی رکھیں۔ اس خواہش کے اظہار کے ساتھ میں دوبارہ آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں جو میں نے مارچ ۱۸۶۰ء میں سیالکوٹ دربار میں آپ کو کہی تھی کہ پشتینی جانشین نہ ہونے کی وجہ سے جانشینی کا مسئلہ آپ کی رسوم و رواج کے مطابق باہمی مشاورت سے طے کیا جائے گا اور انگریز حکومت اسے تسلیم کرے گی۔

آپ یہ اطمینان رکھیں کہ ہمارے اس تعلق کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا تاوقتیکہ آپ کا ملک تاج برطانیہ کا وفادار رہے اور معاہدات۔ گرانٹس یا تعلق کی پاسداری کرے جو برطانوی حکومت کے ساتھ طے شدہ ہیں۔ "(۱)

رنبیر سنگھ کو اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ اس کے ملک کا شمالی سرحدی علاقہ خصوصی طور پر توجہ کا مستحق ہے۔ اس کے علاوہ لداخ و تبت کے علاقوں کی اہمیت کا بھی اسے احساس تھا۔ انگریزوں کی طرف سے جموں کشمیر میں زیادہ مداخلت کا سبب یہ علاقے تھے۔ زار روس سے برطانیہ کو ہندوستان پر حملے کا خطرہ تھا۔ جبکہ تبت وغیرہ کے تجارتی راستے بھی جموں کشمیر میں پڑتے تھے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان علاقوں کی طرف خصوصی توجہ دی۔

دھلی سے افواج کی واپسی کے بعد ۱۸۶۰ء میں گلگت پر دوبارہ ریاستی پرچم لہرا دیا گیا اور چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے والیاں نے اس علاقے میں شورش برپا کر رکھی تھی، اسے ختم کیا۔ اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں کئی سفارتیں روانہ کیں۔

۶۷ - ۱۸۶۶ء میں مہتہ شیر سنگھ کو وسطی ایشا کی طرف روانہ کیا، جس نے اپنی سفری ڈائری مرتب کی۔ ایک اور ریاستی باشندہ محمد خان کشتواڑی نے بھی انہیں

---

(۱) گزیٹ آف کشمیر ۔ ۲۱۴ء

سالوں میں اس علاقے کا دورہ کیا اور اپنی پورٹ مہاراجہ کو پیش کی۔ قادر جو اور میاں صلاب سنگھ نے ۱۸۶۳ء میں یارقند کا دورہ کیا۔ یہ ایک سیاسی مشن تھا۔ ایک فوجی افسر صوبہ خان بندوقچی نے چین میں فوجی امور پر عبور حاصل کیا اور مہاراجہ کو رپورٹ پیش کی۔ حالات کا گہرا جائزہ لینے کے بعد رنبیر سنگھ نے ان علاقوں خصوصاً یارقند اور کاشغر پر فوج کشی کا ارادہ کیا تاکہ ان علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر سکے۔ تاکہ جموں کشمیر کو سرحدی ملکوں سے خطرہ بھی باقی نہ رہے۔ انگریز حکومت سے اس بارے میں مشورہ کیا تو انگریزوں نے رنبیر سنگھ سے اتفاق نہ کیا بلکہ ان علاقوں کے ساتھ سیاسی اور تجارتی روابط مضبوط بنانے پر زور دیا۔

مہاراجہ نے جب فوج کشی کا ارادہ ختم کیا تو انگریزوں کی مداخلت پھر بڑھ گئی۔ اس اثناء میں مہاراجہ پر ایک ریذیڈنٹ کو تعنیات کرنے کیلئے زور دیا گیا۔ مہاراجہ نے انگریز سرکار کو یاد دلایا کہ معاہدے میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ریذیڈنٹ کی تعنیاتی معاہدے سے تجاوز ہوگا۔ اس دباؤ کے نتیجے میں مہارجہ کو لداخ میں کمشنر مامور کرنا پڑا اور ایک تجارتی معاہدے کے ذریعے برطانوی حکومت کو تبت اور چین سے تجارت کیلئے راہداری کی سہولت مہیا کی۔ معاہدہ حسب ذیل ہے، جس کی سطور سے اندازہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ نے ایک آزاد خود مختار حکمران کی حیثیت سے انگریزوں کو تجارتی راستے دینے پر رضامندی ظاہر کی اور معاہدے پر دستخط کیئے:۔

عہد نامہ تجارتی فیمابین سرکار فلک وقار انگلشیہ و سرکار مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر والی جموں و کشمیر

عہدنامہ فیمابین سرکار والا انگلشیہ و سرکار مہاراجہ رنبیر سنگھ صاحب بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ والی جموں و کشمیر و ورثائے و جانشینان مہاراجہ صاحب بہادر موصوف جو ایک جانب طامس ڈگلس فور سائتھ صاحب بہادر سی۔ بی نے بہ تقویت ان اختیارات کامل کے موثق کیا جو صاحب بہادر موصوف کو ہزا کسلینسی دی رائٹ آنریبل رچرڈ سو تھویل بورک۔ اول آف میو۔ وائی کونٹ میو آف منی کرور۔ بیرن

ناس آف ناس - کے - پی + جی - ایم - ایس - آئی + پی - سی + وغیرہ وغیرہ نواب وائسر ے گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے اور دوسری جانب اصالتاً مہاراجہ صاحب بہادر نے موثق کیا۔

از انجا کہ بنابر فوائد سرکار عالیین متعہدین اور ان کی اپنی رعایا کے رفاہ کے واسطے مناسب متصور ہوتا ہے کہ ترکستان مشرقی کے ساتھ تجارت کے نشوو نما اور فروغ اور بحفاظت کے واسطے جو سہولتیں سردست حاصل ہیں ، انکی بہ نسبت زیادہ سہولتیں مہیا کی جائیں - لہذا اس غرض سے دفعات ذیل بالاتفاق قرار دی گئی ہیں -

دفعہ اول : - مہاراجہ صاحب بہادر کی رضامندی سے سرکار انگلشیہ کے عہدہ دار تجارت کے ان راستوں کی مساحت کے واسطے مقرر کئے جائیں گے ، جو لاہول کے علاقہ سرکار والا انگلشیہ کی سرحد سے مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر سے ممالک والی یارقند کو جاتے ہیں - ان راستوں میں وہ راستہ بھی داخل ہوگا جو وادی جنگ چھنمو میں سے جاتا ہے - مہاراجہ صاحب بہادر ایک عہدہ دار اپنی سرکار کا مساحان مندرجہ صدر کے ہمراہ رہنے کے واسطے مامور فرمائیں گے اور حتی المقدور اپنے ان کو سب طرح کی مدد دیں گے - جن راستوں کی مساحت ہوگی ان کا ایک نقشہ تیار کیا جائے گا - اور ایک مصدقہ نقل اس نقشہ کی مہاراج صاحب بہادر کو دی جائے گی -

دفعہ دوئیم - ملاحظہ اور مساحت مذکورہ الصدر کے بعد اس راستہ جدید کو جو بطرف جنگ چھنمو سرکار انگلشیہ قرار دیگی کہ ترکستان مشرقی کے ساتھ تجارت کے نشوونما اور فروغ کے واسطے سب سے زیادہ مناسب ہے - اس راستہ کی نسبت مہاراجہ صاحب بہادر حکم عام نافذ فرمائیں گے کہ سب مسافروں اور بیوپاریوں کے واسطے بسبیل علی الدوام اور جملہ اوقات میں شارع عام ایسا رہیگا کہ کسی قسم کی روک ٹوک اور مزاحمت نہیں ہوگی -

دفعہ سوئیم : - مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر جس قدر طول میں یہ راستہ ہوگا - اس تمام راستہ کی نگرانی اور پرداخت اور قائم رکھنے کے واسطے جو قواعد متعارف قرار دئیے جائیں ، ان قواعد کی تعمیل واجب کرانے کے واسطے اور ان

تنازعات کے فیصلہ کے واسطے جو مابین کرایہ کشوں اور بیوپاریوں اور مسافروں و مترو دین راہ مذکور واقع ہوں اور متخاصمین سے ایک یا دونوں فریق سرکار والا انگلشیہ یا کسی دولت خارجہ یعنی ملک غیر کی رعایا ہوں۔ دو کمشنر سال بہ سال مقرر کئے جائیں گے کہ ان میں سے ایک کو سرکار انگلشیہ مقرر کریگی۔ اور دوسرے کو مہاراجہ صاحب بہادر مامور کریں گے اور مدت ماموری ان کی علیحدہ دستور العمل حال میں تحریر ہوئی اور کمشنران مسطور اپنی خدمات کے سرانجام دینے میں دستورالعمل مذکورہ یا ان قواعد سے ہبتدی ہونگے جو متعاقب اور وقتاً فوقتاً با اختیار مشترک سرکار انگلشیہ اور سرکار مہاراجہ صاحب بہادر کے قرار دئے جائیں۔

دفعہ چہارم :۔ کمشنران مسطور کے حد اختیار کے تعین کے واسطے ایک حد راستہ کے دونوں طرف قرار دی جائے گی۔ اور اس حد کا فاصلہ عرض میں غایت درجہ دو آبنی کوس کا ہو گا۔ باستثنائے ان مقامات کے جہاں کمشنران مسطور چراگاہ کے واسطے زیادہ زمین عرض میں اپنی حد علاقہ کے اندر شامل کرنا متصور کریں۔ اس غایت درجہ کے عرض کی حد کے اندر اندر عہد داراں مساحت جو بموجب شرط مندرجہ دفعہ اول کے مقرر کئے جائیں گے۔ ان حدود علاقہ کو معین کریں گے اور نقشہ بنائیں گے۔ جو کمشنران مرقوم الصدر انسب قرار دیں اور زمین چراگاہ بھی اس میں شامل ہوگی اور جو حدود اس طرح قرار دے کر معین کی جائیں گی، ان حدود کے باہر کمشنروں کو اختیار نہ ہو گا۔ ان حدود کے اندر جس قدر زمین دکان ہوگی، اس پر بدستور مہارجہ صاحب بہادر کا قبضہ اختیار مطلق کے ساتھ رہیگا۔ اور برعایت شرائط مندرجہ عہد نامہ ہذا مہاراجہ صاحب بہادر اس زمین پر ویسے ہی اختیارات شاہی کامل رکھیں گے جیسے اپنی قلمرو کے کسی اور علاقہ میں رکھتے ہیں اور ان اختیارات میں مشترک کمشنروں کو کسی طرح کی مداخلت حاصل نہ ہوگی۔

دفعہ پنجم :۔ مہاراجہ صاحب بہادر اقرار کرتے ہیں کہ کمشنروں کے فیصلوں کی تعمیل واجب کرانے میں اور ان قواعد کی خلاف ورزی کے انسداد کے واسطے جو بموجب دفعہ سویم کے نافذ کئے جائیں، جہانتک ممکن ہو گا، سب طرح کی مدد دیں گے۔

دفعہ ششم :۔ مہاراجہ صاحب بہادر عہد کرتے ہیں کہ کسی شخص کو خواہ وہ سرکار انگلشیہ کی رعیت ہو، خواہ مہاراجہ صاحب بہادر یا والی یارقند یا کسی غیر ملک کی

رعایا ہو، وہ دونوں کمشنروں مرقوم الصدر کی حد اختیار کے اندر کسی جگہ آباد ہونے کا اختیار ہوگا۔ اور اس کو جائز ہوگا کہ تجارت کی اغراض کے واسطے مختلف منزلوں پر سامان بار برداری و بار کشی و سواری مہیا کرے یا اپنے پاس رکھے اور کرایہ پر دے

دفعہ ہفتم :۔ دونوں کمشنروں کو اختیار ہوگا کہ راہ مذکور کے ایسے مقامات میں، جو ان کو مناسب معلوم ہوں۔ سامان رسد وغیرہ کے ذخیرے خود قائم کریں یا اور آدمیوں کو قائم کرنے کی اجازت اور اختیار دیں۔ کمشنروں کو اختیار ہوگا کہ نرخ مقرر کردیں جس کے مطابق بیوپاریوں کو کرایہ کشوں کو آباد شدہ اشخاص کو اور لوگوں کو سامان رسد فروخت کیا جائیگا۔ اور راہ مذکور پر جو مکان مسافروں کی آسائش کے واسطے یعنی مسافر خانے یا سرائیں بنائی جائیں، ان میں رہنے کے واسطے کرایہ کی شرح مقرر کردیں۔ علاقہ وغیرہ میں سرکار انگلشیہ کے عہدہ داروں کو اور مہاراجہ صاحب بہادر کے عہدہ داران ماموره لداخ کو ہدایت کیجائیگی کہ جب کمشنران متذکرہ صدر طلب کریں۔ بشرح بازار پر ان کو سامان رسد وغیرہ کے مہیا کردینے میں حتی الامکان خود نہایت سعی و کوشش کریں۔

دفعہ ہشتم :۔ مہاراجہ بہادر عہد کرتے ہیں کہ شارع عام آزاد متذکرہ صدر پر محصول رہگذر ہرگز عائد نہ کریں گے اور علاوہ ازیں مہاراجہ صاحب بہادر یہ عہد کرتے ہیں کہ جو مال سربستہ ان کی قلمرو کے اندر سے ہو کر ترکستان سے ہندوستان کو یا ہندوستان سے ترکستان کو جاتا ہے۔ اور جس مال کا سربستہ بار ان کی قلمرو کے اندر نہ توڑا جائے۔ اس مال پر اپنی قلمرو کے اندر ہرگز کوئی محصول نہ لیں گے۔ جو مال مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر درآمد ہو یا ان کی قلمرو سے برآمد ہو، اس پر مہاراجہ صاحب بہادر کو اختیار رہیگا کہ خواہ وہ مال شارع عام متذکرہ صدر کی راہ سے آنے جانے خواہ کسی اور راستہ سے آنے جانے، جس قدر مناسب تصور فرمائیں محصول درآمد برآمد لیویں۔

دفعہ نہم :۔ سرکار انگلشیہ عہد کرتے ہیں کہ ملک ہند مقبوضہ سرکار موصوف کے اندر جسکو اصطلاح میں برٹش انڈیا کہتے ہیں، اس مال پر، جو سربستہ مشرقی ترکستان کو گویا مہاراجہ صاحب بہادر کے ممالک کو جاوے، کسی قسم کا مال نہ لیں

گے ۔ علاوہ اس کے سرکار انگلشیہ عہد کرتے ہیں کہ جو محصول برآمد پشمینہ پر اور قسم کے پارچات پر لیا جاتا ہے ، جو مہاراجہ صاحب بہادر کی قلمرو کے اندر ساخت ہوتے ہیں اور ان ممالک کو جاتے ہیں ، جو برٹش انڈیا کی حدود سے باہر ہیں ۔ ان پر محصول برآمد لینا موقوف کردیں گے ۔

دفعہ دہم : ۔ یہ عہد نامہ مشتملبر دس دفعات کے طامس ڈگلس فور سائتھ صاحب بہادر ۔ سی ۔ بی نے بتقویت ان اختیارات کامل کے جو صاحب بہادر موصوف کر ہزایکسیلینی دی رائٹ آنربیل رچرڈ سو تھویل بورک ارل آف میو وائی کونٹ میو آف منی کرودر بیرن نآس آف ناس کے ۔ پی + جی ۔ ایم ۔ ایس ۔ آئی ۔ پی ۔ سی ۔ وغیرہ وغیرہ نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے ازجانب سرکار انگلشیہ و آزجانب مہاراجہ صاحب بہادر اصالتاً خود مہاراجہ صاحب بہادر ممدوح نے آج کے دن موثق کیا ۔ اور یہ بات قرار دیجاتی ہے کہ ایک نقل اس عہد نامہ کی بمنظوری و استحکام مناسب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند کے مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں ہفتم ستمبر تک واصل کرادی جائیگی ۔ چنانچہ بمقام جموں آج کے دن یعنی تاریخ دو یم ماہ مئی ۱۸۷۰ء مطابق تاریخ یکم بیساکھ سدی ۱۹۲۷ اس عہد نامہ پر دستخط اور مہر ثبت کی گئی اور اس کا تبادلہ عمل میں آیا ۔

(دستخط) مہاراجہ رنبیر سنگھ

(دستخط) ٹی ۔ ڈی ۔ فور سائتھ

(مہر) میو

اس عہد نامہ کو ہزایکسیلینی وائسرائے و نواب گورنرجنرل ہند نے بمقام سیالکوٹ تاریخ دو یم ماہ مئی ۱۸۷۰ء منظور کیا اور استحکام دیا ۔

(دستخط) سی ۔ یو ایچسن

قائم مقام سکرٹری سرکار ہند فارن

ڈیپارٹمنٹ ۔ (۱)

۱۔ تاریخ جموں ص ۱۰۸

کشمکش کا تیسرا دور ۱۸۸۵ء تا ۱۹۲۵ء

حکومت برطانیہ اور حکومت جموں کشمیر کی کشمکش کا یہ تیسرا دور خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ برطانوی حکومت نے اس دور میں کئی کامیابیاں حاصل کیں۔ اس کے باوجود آزاد، خود مختار ڈوگرہ خاندان کی حاکمیت ختم کر سکا نہ کوئی اور نظام برپا کر سکا۔ یہ دور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا دور ہے، جو ریاسی میں ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوا۔
اس دور کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:-

۱- ریذیڈنٹ کی تعنیاتی اور مزاحمت۔ ۱۸۸۵ء تا ۱۸۹۱ء

انگریز رنبیر سنگھ کے آخری دور میں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ جموں کشمیر میں رنبیر سنگھ کی وفات کے ساتھ ہی ریذیڈنٹ مقرر کر دیا جائے۔ اسکی دو وجوہات تھیں:-

۱- رنبیر سنگھ کا ولیعہد پرتاپ سنگھ تھا، جو کوئی متاثر کن شخصیت نہ تھی۔ اس لئے انگریزوں کے لئے یہ بہترین موقعہ ہو سکتا تھا۔

۲- نیا حکمران فوری طور پر عوام میں اپنے اثرات قائم نہیں کر سکتا، تب اس پر دباؤ ہوتا ہے۔ اس لئے انگریزوں کا خیال تھا کہ نیا مہاراجہ زیادہ مزاحمت نہیں کر سکے گا۔ انگریز ریذیڈنٹ کی تعنیاتی کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے، جو ولیم ڈگبی نے اپنی کتاب میں دیا ہے، جس کا لب لباب یہ ہے:-

" مہاراجہ رنبیر سنگھ کی وفات کے قریب حکومت برطانیہ سیکرٹری آف سٹیٹ برائے ہند خط لکھا۔ کہ مہاراجہ قریب المرگ ہے۔ مہاراجہ کا جانشین نا اہل اور بیمار ہے۔ بہت سی اصلاحات، جو ہمارے علم میں لائی گئیں تھیں۔ ہم نے ان پر نئے مہاراجہ کی آمد تک ملتوی کیئے رکھا۔ مہاراجہ اپنی نا اہلی سے انتظامی بدتری پیدا کرے گا، جس سے سرحدی علاقوں میں صورت حال بگڑے گی۔ اس لئے اس موقع پر یہ ضروری ہو گا کہ ہم ایک مستقل نمائندہ بطور

ریذیڈنٹ تعینات کریں۔

اس کے باوجود مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے احتجاج کیا اور کہا:۔

"میں یہ کہنے میں باک محسوس نہیں کرتا کہ میری ریاست میں انتظامی سطح پر بعض تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ لیکن ریاست کے اندر ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے شکوک و شبہات جنم لیں۔ میری آرزو یہ ہے کہ حکومت ہندوستان کے ساتھ اچھے تعلقات رکھوں۔"(۱)

اس کے باوجود مہاراجہ کی نہ سنی گئی اور حالات کا فائدہ اٹھا کر مہاراجہ کو ریذیڈنٹ کی تعیناتی پر مجبور کر دیا گیا۔ یوں ۱۸۸۵ء میں پہلی دفعہ جموں کشمیر میں ریذیڈنٹ کا تقرر ہوا۔ سر اولیور سینٹ جان(Sir Olivier st jhon) پہلا ریذیڈنٹ تھا، جو اس سے قبل جموں کشمیر میں ہی بطور نمائندہ تعینات تھا۔ ۱۸۸۸ء میں دوسرا ریذیڈنٹ پلوڈن(Plowdon) مقرر ہوا۔ ریذیڈنٹ کی تقرری کے باوجود انگریزوں کے مقاصد پورے نہیں ہو رہے تھے۔ وہ اپنے مقاصد کے حصول کیلئے جموں کشمیر کی ساری مشنری کو زیر اثر رکھنے کے خواہشمند تھے۔ اس کیلئے پرتاپ سنگھ کی رضا مندی درکار تھی۔ پرتاپ سنگھ انگریزی نمائندوں اور ریذیڈنٹ کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ اسے انگریزوں کی ذہنیت کا اندازہ تھا کہ وہ اس کے دربار میں جوڑ توڑ اور سازشیں کریں گے۔ بالآخر یہی ہوا۔ نئے ریذیڈنٹ پلوڈن(Plowdon) نے سازشوں کا جال پھیلا کر مہاراجہ کو دفاع پر مجبور کر دیا۔ پلوڈن نے پرتاپ سنگھ کے بھائی امر سنگھ کو ساتھ ملایا اور مہاراجہ پر سنگین نوعیت کے الزامات لگا دئے۔ پہلا الزام یہ تھا کہ مہاراجہ نے اسے (ریذیڈنٹ) کو ہلاک کرنے کیلئے اپنے نوکروں کے ذریعے زہر دینے کی کوشش کی۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ مہاراجہ نے خفیہ طور پر زار روس سے رابطہ قائم کر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں چند خطوط کو بطور ثبوت پیش کیا۔ پرتاپ سنگھ کا بھائی چونکہ اس سازش میں شامل تھا، اس لئے ان الزامات کو درست قرار دینے میں دقت پیش نہ آئی۔ ریذیڈنٹ کو ہلاک کرنے کی مبینہ سازش سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مہاراجہ کو اپنی ریاست کی آزادی عزیز تھی، اس لئے وہ ممکنہ خطرات سے، جو اسے

---

(۱) پرتھوی ناتھ بامزئی ص ۶۲۵

انگریزوں کی طرف سے سے لاحق تھے، زار روس سے معاملہ کرنا چاہتا تھا۔

بالآخر مارچ ۱۸۸۹ء میں ریذیڈنٹ نے پرتاپ سنگھ کے سامنے ایک فرمان رکھا، جس میں پرتاپ سنگھ خود تخت سے دست بردار ھو کر ایک کونسل آف ریجنسی قائم کر کے اختیارات اسے سپرد کر رہا ہے۔ اس کونسل آف ریجنسی کا صدر اس کا بھائی امر سنگھ ہے۔ اس سازشی فرمان کو دیکھتے ہی پرتاپ سنگھ نے کیا کہ اگر اس کا بھائی ہی اسے تخت سے اتارنے میں بے تاب ہے تو اسے اپنی قسمت کا فیصلہ منظور ہے۔ یوں پہلی بار کشمیر میں کونسل آف ریجنسی قائم ہوئی۔ اس کے ممبران میں(۱) راجہ امر سنگھ (صدر) کے علاوہ، راجہ رام سنگھ، رائے بہادر سراج کول، راجہ بہادر پنڈت بیگ رام اور ایک تجربہ کار انگریز شامل تھے۔ ۱۸ اپریل ۱۸۸۹ء کو یہ ممبران کونسل مامور کئے گئے۔ ریذیڈنٹ اس سارے معاملے کا نگران ٹھہرا۔ وہ کونسل کی کسی بھی بات کو مسترد کرنے کا اختیار رکھتا تھا۔ یوں انگریز ایک باقاعدہ سازش کے تحت مہاراجہ کو تخت سے دستبردار کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انگریز شروع میں مسلمانوں کے غم کی وجہ سے مہاراجہ پر دباؤ ڈالتا تھا۔ یہی انگریز کونسل آف ریجنسی قائم کرتا ہے، تو اس میں مسلمانوں کو نمائندگی نہیں دی جاتی۔ اس سے یہ حقیقت مزید عیاں ہوجاتی ہے کہ انگریز جموں کشمیر میں اپنے مخصوص مقاصد کیلئے دباؤ ڈالتا رہتا تھا، جس کا ثبوت ولیم ڈگبی کا ایک خط بھی ہے: وہ لکھتا ہے:۔

یہ گلگت ہے۔ "جو حکومت چاہتی ہے۔

بالآخر ۱۸۸۹ء میں گلگت میں ایجنسی قائم کی گئی۔ اس عرصے میں کئی دوسرے اقدامات کئے گئے۔ یوں انگریزوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کر لی۔

۲۔ پرتاپ سنگھ کا اختیارات کے لئے دوبارہ سفر:

۱۸۹۱ء تا ۱۹۰۵ء

انگریز جموں کشمیر کی جغرافیائی محل وقوع کے پیش نظر اسے زبردست

---

(۱) بامزئی ص ۶۲۶

اہمیت دیتا تھا۔ انگریز اپنی سازشوں کے تحت جموں کشمیر کے اقتدار تک بھی پہنچ گیا۔ اپنے فوری مقاصد کی تکمیل بھی کرلی، جن میں گلگت میں ایجنسی اور دوسری سرحدی سہولتیں شامل تھیں۔ لیکن وہ نئے نظام کے تحت مقامی لوگوں کے لئے کوئی انقلابی تبدیلی نہ لاسکا۔ مسلمانوں کے بہانے وہ مہاراجہ پر دباؤ ڈالتا تھا۔ ریجنسی کونسل میں مسلمان نمائندے کو شامل نہ کرکے مسلمانوں سے ہمدردی کے جھوٹے دعوؤں کی قلعی کھول چکا تھا۔ تخت کے قانونی وارث کو پس پردہ کرکے عوام کو نئے نظام اور امر سنگھ کی صدارت سے لوگوں کو مطمئن نہ کرسکا۔ عوام نے محسوس کرلیا کہ پرتاپ سنگھ کو ہٹا کر انگریز نے ایک طرح کا قبضہ کرلیا۔ پرتاپ سنگھ یا ڈوگرہ راجوں کے دور میں زیادہ سے زیادہ مسلمان علاقوں میں کسی قدر بے اطمینانی کا اظہار ہوتا تھا۔ دوسرے علاقوں میں ڈوگرہ راجے مسلمان علاقوں کی نسبت کہیں زیادہ مقبول تھے۔ پرتاپ سنگھ سے اختیارات کی معطلی کے بعد انگریز کیلئے سارے علاقے یکساں ہوگئے۔ ریجنسی کونسل پرتاپ سنگھ کا متبادل نہ بن سکی۔ انگریز نے سارے علاقے میں بے چینی کو محسوس کرلیا اور ۱۸۹۱ء کو مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو ریجنسی کونسل کا صدر منظور کرلیا اور امر سنگھ نائب صدر مقرر ہوا۔ پرتاپ سنگھ کو اس دوران اختیارات حاصل نہ تھے، کیونکہ ریجنسی کونسل ریذیڈنٹ کے تابع تھی۔ پرتاپ سنگھ کسی طرح دوبارہ اپنے اختیارات حاصل کرنے کی تگ و دو میں تھا، جبکہ انگریز نئے نظام کی ناکامی کے بعد تخت کے قانونی وارث کو سامنے لاکر اپنے مفادات کا تحفظ کرنا چاہتا تھا۔ انگریز کا خیال تھا کہ شائد اب پرتاپ سنگھ ایک کٹھ پتلی کردار پر بھی آمادہ ہوجائے۔ پرتاپ سنگھ اس پر آمادہ نظر نہ آیا۔ مہاراجہ نے ریجنسی کونسل کے صدر کی حیثیت سے حالات کو چند سال جانچنے کے بعد ۲۹ جنوری ۱۸۹۵ء اور ۷ ستمبر ۱۸۹۵ء کو انگریزوں کو دو خط لکھے، جس میں اس نے اپنے بے اختیار ہونے کا ذکر کیا۔ چنانچہ ۱۸۹۶ء میں پرتاپ سنگھ کو کسی قدر اختیارات واپس مل گئے۔ پرتاپ سنگھ کو اپنی تجاویز کی منظوری کیلئے ریجنسی کونسل کا پابند ٹھہرایا گیا۔ اس میں پرتاپ سنگھ کو ریجنسی کونسل پر برتری حاصل ہوگئی۔

اس دوران انگریزوں نے اپنے مفادات کیلئے ایک اہم سنگ میل بھی عبور کرلیا (۱) ۱۸۹۸ء میں جموں کشمیر کی اپنی کرنسی ختم کردی گئی اور ہندوستانی کرنسی اختیار کرلی گئی۔ ۱۹۰۴ء میں ایک اور سنگ میل عبور کیا۔ ریجنسی کونسل سے منظوری کے تحت منگلا کے مقام پر نہراپر جہلم کی تعمیر کیلئے بلامعاوضہ زمین اور اجازت نامہ حاصل کیا لیکن ملکیت حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس معاہدے کی اہم شقوں میں مہاراجہ نے اپنے آئینی و قانونی تحفظات کا پورا پورا بندوبست کرلیا تھا۔ باخبر حلقوں نے معاہدے کی اہم شقوں کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ:۔

۱۔ معاہدہ ۱۹۰۴ء کی رو سے نہراپر جہلم اور اس کیلئے حاصل کردہ رقبہ ہمیشہ دربار (یعنی ریاست جموں کشمیر) کی ملکیت رہے گا۔

۲۔ نہراپر جہلم کی تعمیر کیلئے حاصل کی جانے والی اشیاء مثلاً بجری۔ پتھر اور ریت وغیرہ پر کوئی ٹیکس نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ ریاستی علاقے میں استعمال ہو۔ ریاست سے باہر استعمال ہونے والے تمام مٹریل پر ریاست رائلٹی وصول کریگی۔

۳۔ متاثر ہونے والی فصلوں۔ مکانات واراضیات کا معاوضہ وصول کیا جانے گا۔

۴۔ ریاست کے لوگوں کی سہولت کیلئے آرپار آمدورفت کے لئے مناسب جگہوں پر پل اور دیگر راستے تعمیر کیے جائیں گے۔

۵۔ ریاستی علاقے میں پانی کی فراہمی بغیر معاوضہ مسلسل جاری رہے گی۔

۶۔ محکمہ انہار کے کسی آفیسر کو کینال ریگولیشن کے تحت ریاستی حکومت جوڈیشنل اختیارات تفویض کرسکتی ہے، لیکن اس شرط پر کہ اس آفیسر کے فیصلے کے خلاف اپیل کی سماعت چیف جج جموں سماعت کرسکے گا، جس کا فیصلہ تابع منظوری مہاراجہ بہادر حتمی ہوگا۔

۷۔ ریاست کے تحصیلدار یا اس سے بالا آفیسر کسی بھی وقت منگلا ہیڈ ورکس کا معائنہ کرسکتے ہیں۔

---

(۱) سید علی احمد شاہ ص ۴

۸۔ نہر اپر جہلم کا سروے کرتے وقت حتی الامکان کوشش کی جائے گی کہ ہر اس جگہ کو بچایا جائے، جسے عوام مقدس سمجھتے ہوں۔

۹ نہر کی تعمیر کے دوران ریاستی علاقے میں کھانے پینے کی اشیاء پر ریاستی قوانین لاگو ہوں گے۔

۱۰۔ دربار اگر صنعت لگانا چاہے تو بجلی وغیرہ مفت فراہم کی جائے گی۔

پرتاب سنگھ کی واپسی۔ ۱۹۰۵ء تا ۱۹۲۵ء

پرتاپ سنگھ کے عہد کا یہ کٹھن دور تھا۔ واپس آنے کیلئے اسے سخت محنت کرنا پڑی جموں کشمیر کے حالات اور انگریز کو قریب سے جانچنے کے بعد اس نے کمال ہوشیاری سے معاملات کو آگے بڑھایا۔ بالآخر ریجنسی کونسل ختم کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ ۱۹۰۵ء میں ریجنسی کونسل ختم کردی گئی۔ البتہ ریذیڈنٹ تعنیات رہا۔ گویا پرتاپ سنگھ پر دباؤ کی ایک صورت باقی رکھی گئی۔ یہاں اس بات کا اعادہ پھر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انگریز بہادر کو جموں کشمیر کے مسلمانوں یا ساری عوام کی ہمدردی سے کوئی غرض نہ تھی اگر صورت ایسی ہی ہوتی، تو یہی پرتاپ سنگھ تھا، جس پر اصلاحات نافذ نہ کرنے کا الزام تھا۔ اس پر برطانیہ نے کبھی باز پرس کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

اب وہ ساری اصلاحات (اگر وہ تھیں تو) ختم کر کے دوبارہ اسی پرتاپ سنگھ کو سامنے لایا گیا۔ اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ انگریز کے اپنے مفادات تھے اور بس۔

پہلی جنگ عظیم میں جموں کشمیر کی افواج انگریزوں کی صوابدید پر استعمال ہوئی تھیں۔ اس کارگزاری پر مہاراجہ نے ۱۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کو انگریزوں سے وہ سارے اختیارات طلب کئے، جو اس سے ۱۸۸۹ء میں لیے گئے تھے۔ والسرائے نے اس کے جواب میں ریذیڈنٹ سے سرحدی معاملات اور بعض خصوصی انتظامی معاملات پر خفیہ طور پر رائے لینے کی شرط عائد کی۔ مہاراجہ نے اس پر احتجاج کیا کہ یہ تو سابقہ صورت کی واپسی نہ ہوئی۔ البتہ مہاراجہ نے انگریزوں کا وفادار رہنے کا یقین دلایا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۲۱ء میں لارڈ چمسفورڈ نے جموں دربار میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو جموں کشمیر کا ایک آزاد خود مختار حکمران کے طور پر تسلیم کرلیا۔

۱۹۲۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ اس دار فانی سے رخصت ہوگیا۔ مولوی حشمت اللہ خان،

پرتاپ سنگھ کے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

" مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا عہد کیا بلحاظ ترقیات انتظامی اور کیا بلحاظ وسعت حدود ارضی بہت ممتاز رہا ہے۔ عام انتظام میں افسران ریاست کو صوبہ پنجاب کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ رہا ہے اور وسعت سلطنت کے لحاظ سے ہندوستان کی کوئی ریاست اسکی ہمسری کو نہیں پہنچ سکتی تھی۔۔ اسکی سرحد سلطنت چین کے صوبہ کاشغر سے تجاوز کر کے صدہا میل تک افغانسان کے ساتھ ملتی تھی اور اسی مناسبت سے نائٹ (انگریز مصنف) نے سنجر نیزہ کا بیان لکھنے کے بعد اپنے سفر نامے کو " ویر تھری امپائرز میٹ۔ یعنی " جہاں تین سلطنتیں ملتی ہیں۔ کا نام دیا ہے۔۔(۱)

کشمکش کا چوتھا دور ۱۹۲۵ء تا ۱۹۴۷ء

۲۳ دسمبر ۱۹۲۵ء کو پرتاپ سنگھ کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا ہری سنگھ تخت نشین ہوا۔ پرتاپ سنگھ صاحب اولاد نہ تھا، اس لئے اس نے اپنے بھائی امر سنگھ، جس کا انتقال ۱۹۰۹ء میں ہو چکا تھا، کے لڑکے ہری سنگھ کو ولیعہد نامزد کیا تھا۔ ہری سنگھ اعلیٰ پڑھا لکھا تھا۔ انگلینڈ میں بھی تعلیم حاصل کی تھی۔ امور مملکت میں پہلے ہی کافی مہارت حاصل کر چکا تھا۔ سٹیٹ کونسل جو ۱۹۲۲ء میں بنی تھی، ہری سنگھ اس کا سینئر ممبر تھا۔

ہری سنگھ نے تخت پر بیٹھتے ہی پہلا حکم یہ جاری کیا، کہ آج کے بعد برطانوی پرچم ریاست میں نہ لہرایا جائے۔ اسی حکم سے نئے مہاراجہ کے تیور آشکارا ہو جاتے ہیں۔ ابتداء میں ہری سنگھ نے آزادانہ پالیسی جاری رکھی، جس سے ساری رعایا میں اسکی عزت بڑھی۔ لیکن زیادہ عرصہ ریاستی انتظامیہ پر موثر کنٹرول قائم نہ رکھ سکا۔ یہ وہ دور تھا، جب ہندوستان میں سیاسی تحریک چل چکی تھی۔ اس سیاسی تحریک سے مسلمانان کشمیر بھی متاثر ہونے اور انہوں نے اپنے حقوق مانگنے کے لے سیاسی جدوجہد کی داغ بیل ڈالی۔ ہری سنگھ مسلمانوں کو کسی طور مطمئن نہ کر سکا۔ نتیجتاً ہری سنگھ اور مسلمانوں کے درمیان خلیج وسیع ہونے لگی۔ ٹکراؤ بڑھنے لگا۔ یہی ٹکراؤ سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر کے تقسیم ہند کے وقت مہاراجہ ہری سنگھ کی سبکدوشی پر منتج ہوا۔ برطانوی حکومت اور ریاست جموں کشمیر کے مہاراجہ کے درمیان کشمکش کا یہ چوتھا دور جموں کشمیر کی ایک آزاد و خود مختیار حیثیت سے زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ انگریز پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا میں ہونے والے تغیرات کے تناظر میں نئے عالمی نظام کو رائج کرنے کی کوشش میں تھا۔ اس لئے نئے مہاراجہ پر زیادہ دباؤ نہ ڈال سکا۔ ہری سنگھ نے برطانوی پرچم کو ریاست میں لہرانے پر پابندی عائد کر دی۔ ریذیڈنٹ کے مشورے ماننے سے انکار کر دیا ہری سنگھ کا لڑکا کرن سنگھ اپنی کتاب میں رقمطراز ہے:۔

" میرے پتا جی کی دیرینہ خواہش یہ تھی کہ وہ انگریزوں کے تابع نہ رہیں بلکہ ایک خود مختار حکمران بن جائیں۔(۱)

---

(۱) کرن سنگھ "Heir Haparent" ۔ مولہ تخلیص اردو ڈائجسٹ مئی ۱۹۸۳ء

کشمیر کا سرحدی علاقہ ہمیشہ انگریزوں کی کمزوری رہا۔ گلگت ایجنسی کے قیام کے باوجود انگریز مطمئن نہ تھا۔ روسی خطرے کے پیش نظر انگریزوں نے مہاراجہ کو گلگت ایجنسی ۶۰ سالہ پٹے پر دینے کیلئے رضامند کرلیا۔ برطانوی حکومت اور مہاراجہ کے درمیان جو معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کا جائزہ لینے سے مہاراجہ کی آزاد و خودمختار حکومت اور ریاست کی ایک الگ آزاد اکائی کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے۔ معاہدے کا اردو متن درج ذیل ہے

(۱۰) ترجمہ عہدنامہ فیمابین برٹش گورنمنٹ و مہاراجہ صاحب جموں کشمیر

معاہدہ فیمابین سرکار والا برطانیہ و کرنل ہزہائینس مہاراجہ ہری سنگھ اندر مہندر بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ای× کے۔ سی۔ وی۔ او× اے۔ ڈی۔ سی× مہاراجہ جموں کشمیر و وارثان و جانشینان مہاراجہ بہادر موصوف× جو ایک جانب لفٹنٹ کرنل لاہونل ایڈورڈ لینگ صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای+ ایم جی سی+ نے بہ تقومت ان اختیارات کامل کے موثق کیا جو صاحب بہادر موصوف کو ہزایکسیلینسی، رائٹ آنریبل نی مین نی مین طامس ارل آف ولینگڈن پی۔ سی+ جی۔ ایم۔ ایس آئی+ جی۔ سی۔ ایم۔ جی+ ایم۔ آئی۔ ای+ جی۔ بی۔ ای+ نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے عطا فرمائے اور دوسری جانب کرنل ہزہائینس مہاراجہ ہری سنگھ بہادر ممدوح نے اصالتاً موثق کیا۔
بذریعہ ہذا حسب ذیل معاہدہ کیاجاتا ہے۔

دفعہ اول	نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند کو اختیار ہے کہ اس معاہدہ کو استحکام دئے جانے کے بعد کسی وقت وزارت صوبہ گلگت ریاست جموں کشمیر کے اس حصہ کا ملکی اور فوجی انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیویں جو دریائے سندھ کے پار دیا جائے گا لیکن باوجود شرائط جموں و کشمیر کی حدود کے اندر شامل رہیگا۔

دفعہ دوئم	بہ ثبوت اس امر واقعہ کے کہ ملک متذکرہ بالا ممالک محروسہ ہزہائی نس

مہاراجہ بہادر جموں و کشمیر کی حدود کے اندر شامل ہے۔ بموقع سالگرہ ہزہائی نس۔ بتقریب بیساکھی و دسہرہ و بسنت پنچمی۔ اور بموقع دیگر ایسی تقریبوں کے جن کے متعلق فیما بین ہزہائینس و نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند اتفاق رائے ہو جائے افسر ان انتظامی کا فرض ہو گا کہ ملک متذکرہ بالا میں ہزہائینس کی سلامی سر کریں اور اعزازات مروجہ کی پوری تعمیل کرتے رہیں۔ ہزہائی نس کا جھنڈا سرکاری صدر مقام ایجنسی پر ہمیشہ قائم رہے گا۔

دفعہ سوئم — معمولی حالات میں سرکار برطانیہ کی کوئی افواج گورہ یا افواج ہندوستانی اس حصہ وزارت صوبہ گلگت کے اندر سے نہیں گذریں گی جو دریائے سندھ کے اس طرف اس کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔

دفعہ چہارم — تمام حقوق متعلق معدنیات بحق ہزہائی نس مہاراجہ بہادر جموں کشمیر محفوظ ہیں۔ مگر تلاش معدنیات کی اجازت یا اجرائے کام معدنیات کا ٹھیکہ بز مانہ اجرائے معاہدہ ہذا متذکرہ دفعہ آئندہ نہیں دیا جائیگا۔

دفعہ پنجم — معاہدہ ہذا تاریخ استحکام سے ساٹھ سال تک نافذ رہے گا اور بعد انقضائے اس میعاد کے یہ پٹہ ختم ہو جائے گا۔

۱۹۳۵ء کے ماہ مارچ کی چھبیسویں تاریخ کو بمقام جموں اس معاہدہ پر دستخط کئے گئے۔ اور اس کا تبادلہ عمل میں آیا۔

(دستخط) ہری سنگھ
مہاراجہ جموں و کشمیر

(دستخط) ویلنگڈن

ہزایکسلنسی نواب وائسرائے و گورنر جنرل بہادر کشور ہند نے ۱۹۳۵ء کے ماہ اپریل کی تیسری تاریخ کو بمقام دہلی اس معاہدہ کو استحکام دیا۔

(دستخط) ایچ۔ اے۔ ایف مٹکاف
فارن سیکرٹری گورنمنٹ ہند(۱)

---

(۱) مولوی حشمت اللہ "تاریخ جموں۔ ص ۱۱"

اس معاہدے کی روشنی میں گلگت کی مختصر سی ۱۴۸۰ مربع میل پر مشتمل پٹی 40 سالہ پٹے پر دی گئی۔ یہ انگریزوں کی دیرینہ خواہش تھی، جو بالآخر انہوں نے پوری کرلی۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ۱۹۳۵ء کا معاہدہ ۱۹۳۱ء کے واقعات کے دباؤ کا نتیجہ ہے بعض لوگوں کی یہ بھی ایک رائے ہے کہ ۱۹۳۱ء کے واقعات انگریز کی سازش تھی کیونکہ وہ امن وامان کا مسئلہ پیدا کر کے سرحدی علاقہ لینا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے واقعے کا محرک عبدالقدیر خان ہے۔ جو ریاستی باشندہ نہیں تھا بلکہ ایک انگریز کے ساتھ بطور ملازم آیا ہوا تھا۔ ریاستی عدالت سے سزا کے چند دن بعد وہ جیل سے پراسرار طور پر غائب ہوگیا تھا۔ اس کے بعد اسے تلاش نہ کیا جاسکا۔ یہ الگ بات ہے کہ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کا یہ حادثہ آگے چل کر ایک بہت تحریک کی بنیاد بن گیا۔ مسلمان بہرحال حکومت سے مطمئن نہ تھے۔

۱۹۴۷ء میں انگریز کو برصغیر سے کوچ کرنا پڑا۔ یہ معاہدہ بھی اس کے ساتھ ختم ہوگیا۔ سارا علاقہ دوبارہ مہاراجہ نے واپس لے لیا اور علاقے کی واپسی پر جشن منایا۔ واپسی کے حکم کی نقل "گلگت و بلتستان کے عنوان کے تحت آئے گی۔

ہری سنگھ آخری ڈوگرہ حکمران تھا۔ جس کے عہد میں برصغیر تقسیم ہوا۔ اسکی تفصیل اگلے صفحات میں آئے گی۔ یہاں دو باتوں کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔

۴ اکتوبر اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جس باغی حکومت کا اعلان ہوا تھا، اس کو تسلیم کرنا یا مہاراجہ ہری سنگھ کو ریاست جموں و کشمیر کا ایک آزاد و خود مختار حکمران تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ ہری سنگھ کی حکومت مسلمانوں کو مطمئن کرنے میں ناکام ہو چکی تھی۔ یہ اسکی نااہلیاں تھی، مسلمانوں نے اس کے رد عمل میں اسکی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ گویا مہاراجہ کی معزولی اور انقلابی حکومت کا اعلان ریاست جموں کشمیر کی آزاد و خود مختار حیثیت کا اظہار تھا۔ پاکستان نے اسے تسلیم کر کے اسے مزید قانونی حیثیت دی۔ "آزاد کشمیر حکومت کو نمائندہ حکومت ریاست جموں کشمیر تسلیم کیا گیا ہے۔

۔ دوسری بات ہری سنگھ نے ماؤنٹ بیٹن کو الحاق کے لئے جو خط لکھا تھا، اس

خط کے مندرجات کو "کشمیر بھارت کا حصہ نہیں۔ کے عنوان کے تحت درج کیا گیا ہے۔ یہاں اس کے یہ الفاظ درج کرنے ضروری معلوم ہوتے ہیں۔

"مجھے یہ فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار تھا کہ میں کس مملکت کے ساتھ الحاق کروں یا کیا یہ صورت دونوں مملکتوں کے مفاد میں نہ ہوگی کہ میں آزاد و خود مختیار ہوں اور دونوں ہی سے دوستانہ تعلقات رکھوں۔"

مہاراجہ کا یہ موقف ۱۸۴۶ء کے معاہدے کی رو سے ہی تھا۔ اس کے خیال میں یہ نہیں تھا کہ وہ ہر صورت میں الحاق کرے۔ یاد رہے اس کا بھارت سے الحاق بھی عارضی انتظامات کے لئے تھا، جو اس کے خط سے عیاں ہے۔

اس باب

کی تکمیل کے لئے جن معروف کتب سے استفادہ کیا گیا، وہ حسب ذیل ہیں

۔ مولوی حشمت اللہ لکھنوی	"تاریخ جموں۔	اشاعت ۱۹۳۹ء لکھنو
۲۔ پنڈت پریم ناتھ بزاز	اے ہسٹری آف سٹرگل فارفریڈم ان کشمیر انگریزی ۱۹۷۴ پاکستان	
۳۔ ڈاکٹر جی۔ ایم صوفی	کشیر (دو جلد) (انگریزی)	۱۹۴۹ء پنجاب یونیورسٹی
۴۔ پرتھوری ناتھ کول بامزئی	اے ہسٹری آف کشمیر (انگریزی)	۱۹۶۲ء دھلی
۵۔ جسٹس محمد یوسف صراف	کشمیریز فائٹس فارفریڈم (انگریزی) (دو جلد)	۱۹۷۰ء فیروز سنز
۶۔ سید آزاد محمود	"تاریخ کشمیر۔	۱۹۹۰ء مظفرآباد
۷۔ رشید تاثیر	" تاریخ حریت کشمیر۔ (تین جلد)	۱۹۶۴ء
۸۔ چارلس ایلین بیٹ	اے گزیٹر آف کشمیر (انگریزی)	۱۹۹۱ء لاہور
۹۔ پنڈت پریم ناتھ	ان سائڈ کشمیر (انگریزی)	۱۹۸۷ء میرپور
۱۰۔ ولیم ڈگبی		
۱۱ سید علی احمد شاہ	پولٹیکل بیک گراونڈ آف کشمیر لبریشن موومنٹ مظفرآباد	

تقسیم ہند اور کشمیر کی خود مختار حیثیت

کابینہ مشن اور ریاستیں

منصوبہ تقسیم ہند اور ریاستیں

قانون تقسیم ہند اور ریاستیں

ریاستوں کی خود مختاری کا حق بحال ہو گیا

کابینہ مشن اور ریاستیں

ہمارا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کی تقسیم جو مسلم و ہندو اکثریت کی بنیاد پر عمل آئی تھی، وہ صرف برطانوی ہند British India کے علاقوں تک محدود تھی۔ ہندوستان کی تقسیم کا ریاستوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مسلم و ہندو اکثریت کا فارمولا صرف صوبوں پر لاگو ہوتا تھا، نہ کہ ریاستوں پر۔ پاکستان بننا تھا تو برطانوی ہند سے اور بھارت نے بننا تھا، تو برطانوی ہند سے۔ ہم اپنے اس موقف کی تائید میں وہ حالات درج کرتے ہیں، جن میں برصغیر تقسیم ہوا۔ کابینہ مشن اس سلسلے کی ایک اہم کڑی تھا۔ یہ مشن ۱۹۴۵ء کی جنگ عظیم کے بعد لیبر پارٹی کے برسر اقتدار آنے کے بعد روانہ کیا گیا اور جسٹس صراف کے نزدیک یہ مشن سیکولر ذہن رکھنے والی کانگرس کا حمایتی تھی۔ یہ مشن برطانیہ نے ۱۲ مارچ ۱۹۴۶ کو برصغیر میں بھیجا۔ جس نے مقامی حالات کا بغور جائزہ لینا تھا کہ ہندوستان کی آئندہ ہئیت کیسی ہونی چاہیئے۔ کابینہ مشن میں تین افراد شامل تھے۔ سر پیتھک لارنس، سر سٹیفرڈ کرپس اور اے ای الیگزنڈر۔ مشن کے سربراہ مسٹر کرپس نے ۲۵ مارچ ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کے بارے میں کہا:۔

ہم علاقے کی موجودہ صورت حال میں تبدیلی نہیں چاہیں گے بلکہ موجودہ صورت حال کے مطابق پوزیشن کا تعین کریں گے۔۔(۱)

اس مشن نے ۴ اپریل ۱۹۴۶ء کو قائداعظم سے ملاقات کی اور مطالبہ پاکستان کے بارے میں دریافت کیا۔ اس کے بعد کابینہ مشن نے عام لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۸ مئی ۱۹۴۶ء کو مشن نے مجوزہ نکات کانگرس اور مسلم لیگ کے سامنے رکھ دیئے۔

وہ نکات یہ تھے:۔

"(۱) ایک کل ہند یونین گورنمنٹ اور مقننہ ہوگی، جس کے تحت امور خارجہ، دفاع مواصلات اور بنیادی حقوق شامل ہوں گے۔ یونین کو ان محکموں کے اخراجات کے لئے

---

(۱) جسٹس صراف ص ۸۰ ۲ جلد ۲ (۲) صلاح الدین ناسک " تحریک آزادی۔ ص ۲۲۰

رقم مواصلات اور بنیادی حقوق شامل ہوں گے۔ یونین کو ان محکموں کے اخراجات کے لئے رقم کی فراہمی کا اختیار ہو گا۔

(۲) باقی تمام اختیارات صوبوں کو حاصل ہوں گے۔

(۳) مسلم اور ہندو اکثریت کے صوبوں کے الگ الگ گروپ ہوں گے، جو اپنے مشترکہ امور کا تعین کریں گے۔

(۴) یہ صوبائی گروپ اپنی اپنی انتظامیہ اور اسمبلیاں قائم کر سکیں گے۔ یونین کی اسمبلی مسلمان اور ہندو اکثریت کے صوبوں کے مساوی نمائندگی کی حامل ہوگی۔ خواہ انہوں نے یا ان میں سے کسی ایک نے خود کو گروپ میں تقسیم کیا ہو، یا نہ کیا ہو۔ اسمبلی میں ریاستوں کے نمائندے بھی شامل ہوں گے۔"(۱)

یہاں غور سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "لفظ" مسلم و ہندو اکثریت کے صوبوں کا استعمال ہوا ہے اور یہ سارے نکات صوبوں کے بارے میں ہیں۔ آخر میں ریاستوں کا ذکر صرف ان الفاظ سے ہوا، کہ "اسمبلی میں ریاستوں کے نمائندے بھی شامل ہوں گے۔ کابینہ مشن نے ان مجوزہ نکات پر کانگرس اور مسلم لیگ کے نقطہ ہائے وضاحت طلب کر لئے۔ جواب میں کانگرس نے ۸ اور مسلم لیگ نے ۱۰ نکات پیش کئے۔ مسلم لیگ کے نکات درج ذیل ہیں، یقیناً ہمارے نزدیک مسلم لیگ کی بات زیادہ معتبر ہے۔

۱۔ پنجاب۔ صوبہ سرحد۔ بلوچستان۔ سندھ۔ بنگال اور آسام کے چھ صوبوں کا ایک گروپ قائم کیا جائے۔ یہ گروپ امور خارجہ۔ دفاع اور مواصلات کے سوا باقی تمام اختیارات کا حامل ہو گا۔

(۲) ان چھ صوبوں کے لئے ایک علیحدہ آئین ساز ادارہ ہو، جو اس پورے گروپ اور گروپ میں شامل صوبوں کے لئے آئین وضع کرے۔

(۳) آئین ساز اسمبلی کے لئے نمائندوں کے انتخاب کا طریق کار یہ ہو کہ اس میں مختلف فرقوں کی نمائندگی اس کی آبادی کے اعتبار سے موجود ہو۔

(۴) مسلمان صوبوں کا گروپ پاکستان گروپ کہلائے گا اور اس کے ہر صوبہ کو پاکستان کی وفاقی حکومت اور اس کے صوبوں کے دساتیر مرتب کرنے کے بعد اس بات کا حق حاصل ہو کہ وہ گروپ میں رہنا چاہتا ہے یا نہیں۔ اس کا

فیصلہ استصواب رائے عامہ کے ذریعہ ہو گا۔

(۵) مشترکہ آئین ساز ادارہ میں اس معاملہ پر بحث کیلئے ہر وقت اجازت ہو کہ یونین کی مجلس قانون ساز ہو یا نہ ہو۔ نیز دونوں گروپوں کی مجالس آئین ساز کو اس فیصلہ کا حق حاصل ہو کہ مشترکہ یونین کیلئے اخراجات کیونکر فراہم کئے جائیں۔ تاہم یہ اخراجات کسی صورت میں بھی ٹیکس کے ذریعے پورے کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

(۶) یونین کی انتظامیہ میں (اگر اس کی مجلس مقننہ ہو تو) دونوں گروپوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہو۔

(۷) یونین کے آئین میں اگر فرقہ وارانہ مسئلہ آجائے تو اس کا فیصلہ مشترکہ آئین ساز ادارہ کرے، بشرطیکہ ہندو اور پاکستانی صوبوں کے گروپ کی مجالس آئین ساز کے موجود اور ووٹ دینے والے اراکین کی اکثریت علیحدہ علیحدہ اس کی تائید کرتی ہو۔

(۸) قانون سازی یا انتظامی معاملات میں کوئی نزاعی مسئلہ پیدا ہو تو یونین تین چوتھائی آراء کی اکثریت سے کوئی فیصلہ کرے۔

(۹) گروپوں اور صوبوں کے دساتیر میں بنیادی حقوق۔ مذہب۔ ثقافت اور ایسے دیگر معاملات کے تحفظ کے لئے، جو کسی بھی فرقہ پر اثرانداز ہوتے ہوں، کوئی انتظام کیا جائے۔

(۱۰) یونین کے آئین میں یہ بات شامل ہو کہ کوئی صوبہ اپنی مجالس قانون ساز کی اکثریت کے فیصلہ کے تحت آئین کی شرائط پر نظر ثانی کا مطالبہ کر سکے یا دس سال کی ابتدائی مدت کی تکمیل کے بعد جب بھی چاہے، یونین سے علیحدگی اختیار کر لے۔ (۱)

مسلم لیگ کے دس نکات یہاں درج کرنے کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کابینہ مشن نے پوچھا تھا کہ مسلم لیگ کو کیا منظور ہے، تو مسلم لیگ نے اپنی یہ شرائط پیش کر دیں۔ اب ان دس نکات میں "ریاستوں" کا لفظ کسی جگہ بھی نہیں آیا۔ صرف صوبوں

---

(۱) صلاح الدین ناسک ص۔ ۳۰۳

کا ذکر ہے اور ان کے نام بھی درج ہیں۔ اب کوئی کس بنا پر صوبوں اور ریاستوں کے فرق کو تسلیم نہ کرے گا اور یہ درست ہے کہ مسلم لیگ اس موقف کی سختی سے حامی تھی کہ ریاستوں کا برطانوی ہند سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس پر آگے مزید بات ہوگی۔ البتہ کانگریس ان ریاستوں کو الگ رکھنے پر معترض تھی۔ اب مسلم لیگ کا موقف ہمارے نزدیک صحیح ہو سکتا ہے یا کانگرس کا، فیصلہ خود کرلیں۔

کابینہ مشن نے اپنی تجاویز مشتہر کرنے سے صرف چار روز پہلے یعنی ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کو ریاستوں کے بارے میں ایک یادداشت Memorandum on states Treaties and paramountcy پیش کی، جس میں معاہدوں اور اقتدار اعلیٰ کے بارے میں برطانوی موقف کی وضاحت کی گئی۔ یادداشت، جو ملک معظم اور چیمبر آف پرنسز کے چانسلر کو پیش کی گئی۔

اس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ:-

"اقتدار اعلیٰ کی منتقلی کے بعد ملک معظم کی حکومت اس پوزیشن میں نہیں ہوگی۔ کہ وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کر سکے، جو اقتدار اعلیٰ کی وجہ سے ان پر عائد ہوتی ہیں اور نہ ہی اس سلسلے میں برطانوی افواج کو رو کا جا سکتا ہے۔ منطقی لحاظ سے بھی اور والیان ریاست کی خواہشات کے مطابق بھی صورت یہ بنتی ہے کہ ملک معظم اقتدار اعلیٰ کے فرائض سے سبکدوش ہوجاتے۔ یعنی تاج کے ساتھ جو تعلقات اس وقت ریاستوں کے موجود ہیں، وہ ختم کر دیئے جائیں اور ریاستیں جن اختیارات کے لئے تاج کے حق میں دستبردار ہوئی تھیں، وہ ریاستوں کو واپس مل جائیں اور اس طرح ملک معظم اور برطانوی ہند کے درمیان تعلقات سابقہ ختم ہوجائیں گے۔ اور اس خلاء کو ریاستیں نئی حکومتوں یا کسی حکومت سے وفاقی طرز کے تعلقات قائم کر کے پوری کرلیں گی اور اگر اس میں وہ ناکام رہیں تو ان حکومتوں یا کسی ایک حکومت کے ساتھ خصوصی نوعیت کے تعلقات قائم کرے۔ میمورنڈم میں چار خصوصی تجاویز پیش کی گئیں۔

(۱) ملک معظم کے ہندوستان چھوڑنے کے ساتھ ہی قانونی اور تکنیکی لحاظ سے ریاستوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل

ہو جائیگا۔

(۲) نئی قائم ہونے والی حکومت یا حکومتوں سے ریاستوں کا الحاق بھی ممکنات میں سے ہے اور اسے تسلیم کیا گیا ہے۔

(۳) الحاق پر رضامند نہ ہونے کی صورت میں نئی حکومت یا حکومتوں سے خصوصی نوعیت کے روابط استوار کئے جاسکتے ہیں۔

(۴) اور اس سلسلے میں سب سے اہم صورت ایک سے زائد جانشین حکومتوں کا قیام نظر آتا ہے۔۔(۱)

کابینہ مشن نے دونوں بڑی پارٹیوں کا نقطہ نگاہ معلوم کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو جو منصوبہ پیش کیا، وہ مسلم لیگ کی تجاویز کے برعکس تھا البتہ اس میں چھ صوبوں کا مطالبہ تسلیم کیا گیا تھا، اس لئے مسلم لیگ نے اسے تسلیم کرلیا۔ کابینہ مشن نے اپنے منصوبے میں ریاستوں کا ذکر بھی کیا تھا مگر اپنی اس رپورٹ کے آخر میں مشن ریاستوں کے بارے میں اپنی بے بسی کا اظہار یوں کرتا ہے:

" اور سفارشات پیش کرنے سے پہلے ہم برطانوی ہند کے ساتھ ہندوستانی ریاستوں کے تعلقات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے کے بعد تاج برطانیہ اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان جو تعلق موجود ہے، برطانوی دولت مشترکہ کے اندر یا باہر اسے قائم رکھنا ناممکن ہوگا۔ اس صورت میں نہ تو تاج برطانیہ اپنی بالادستی قائم رکھ سکے گا، نہ ہی یہ بالادستی نئی حکومت کو منتقل کی جاسکے گی۔ اس حقیقت کو ان ریاستی نمائندوں نے بھی تسلیم کیا ہے، جن کے ساتھ ہماری بات چیت ہوئی ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ ریاستیں ہندوستان میں آئندہ تبدیلیوں اور ترقی میں پوری طرح اور رضاکارانہ طور پر تعاون کرنے کو تیار ہیں۔ ان کے تعاون کی صورت کیا ہوگی، اس کا فیصلہ نئے آئینی ڈھانچے کی تیاری کے دوران باہمی گفت و شنید سے ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ریاستوں کے لئے جو طریق کار وضع کیا جائیگا، وہ تمام ریاستوں کے لئے یکساں مفید ہوگا۔ اس لئے ہم نے

---

(۱) جوتی بھوشن داس گپتا ص ۳،

آئندہ پیرے میں ریاستوں کے معاملے پر اس انداز میں بات نہیں کی، جو ہم نے برطانوی ہند کے صوبوں کیلئے اختیار کیا ہے۔۔(۱)

محمد علی۔ ظہور پاکستان۔(۲) میں مندرجہ بالا بیان کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ کابینہ مشن پلان کے علاوہ جاری کیا گیا۔

آخر یہ الگ بیان جاری کرنے کی وجہ اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ مشن نے اپنی تجاویز میں جو ریاستوں کا ذکر کیا تھا، وہ ریاستوں کی مرضی کے بغیر کیا تھا جبکہ ریاستوں کی مرضی کے بغیر برطانوی پارلیمنٹ بھی کوئی قانون نہیں بنا سکتی تھی۔ چنانچہ یہ وضاحت ضروری ٹھہری۔

۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کو وزیر اعظم ہند اور کابینہ مشن کے سربراہ سر اسٹیفرڈ کرپس نے اپنی نشری تقریر میں ریاستوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:۔

"تاج برطانیہ کو جو بالادستی ریاستوں پر حاصل ہے وہ کسی اور کو منتقل نہیں کی جائے گی۔ ہندوستان اور ریاستوں کے آئندہ تعلقات باہمی گفت و شنید سے ہی طے ہو سکتے ہیں۔۔(۳)

اسی بیان پر اضافی نوٹ لکھتے ہوئے رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں کہ "اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ والیان ریاست میں، وہ بڑی ریاست کے فرمانروا ہوں یا چھوٹی کے، آزادی اور جرأت کا جذبہ کارفرما تھا کوئی والئی ریاست بھی انڈین یونین سے الحاق پر راضی نہیں تھا اور اس مطالبہ میں والیان ریاست کی رعایا بھی بڑی حد تک شریک تھی۔ اگر ریاستوں کے سامنے پاکستان کا ہوا نہ کھڑا ہوتا، لارڈ مونٹ بیٹن کانگرس کے آلہ کار نہ ثابت ہوتے اور انیلی کی حکومت تمام معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر انہیں تنہا نہ چھوڑ دیتی، تو قطعاً "ریاستی ہند۔ ہندوستان کا "تیسرا آزاد خود مختار حصہ بن جاتا۔۔ (۴)

اس وضاحت کے بعد ہم کابینہ مشن کے منصوبے کے نتائج کو دیکھتے ہیں۔ مشن

۵۳۵

(۱) صلاح الدین ناسک ص ۲۳۶ اور بھوشن داس گپتا ص ۳، (۲) ظہور پاکستان ص

(۳) جسٹس شریف ص ۲۹، جلد ۲ (۴) رئیس احمد جعفری ص ۵۰۔

کی واپسی کے بعد وائسرائے کے ذمہ الیکشن کا کام تھا۔ چنانچہ صوبوں میں الیکشن ہوا کانگریس اور مسلم لیگ نے ہندؤوں اور مسلمانوں کی نشستیں حسب توقع جیت لیں۔ کانگریس کو حکومت کی دعوت دی گئی۔ مسلم لیگ نے انکار کیا، پھر اقرار بھی کرلیا۔ مشن نے اپنے منصوبے میں ریاستوں کے نمائندوں کا ذکر کیا تھا۔ حکومت بننے تک ریاستوں کے بارے میں کسی قسم کا کوئی سوال نہ ابھرا۔ اس کے بعد آئین ساز اسمبلی کا اجلاس ۹ دسمبر ۱۹۴۶ء کو منعقد ہونا تھا۔ مسلم لیگ نے شمولیت سے انکار کردیا۔ کانگریسی ممبروں نے اجلاس منعقد کیا مگر مسلم لیگ کی شرکت کے بغیر بے کار تھا۔ اختلاف مٹانے کے لئے کانگریس اور مسلم لیگ کے نمائندوں کو برطانیہ آنے کی دعوت دی گئی۔ مگر حالات سنبھل نہ سکے اور عبوری حکومت کا مسئلہ ٹیڑھی کھیر بن گیا۔ اعلان تقسیم ہند تک حالات جوں کے توں رہے۔

اس کے بعد ۲۱ دسمبر ۱۹۴۶ء کو دستور یہ ہند نے ایک مجلس گفت و شنید Negotiation committee قائم کی، جس نے ریاستوں کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ریاستوں کی نمائندگی کا مسئلہ طے کرنا تھا۔ نہرو نے اس تجویز پر تقریر کرتے ہوئے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں ۲۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو ایوان والیان ریاست کی مجلس قائمہ کا اجلاس بمبئی میں ہوا، جس میں مجلس نے اپنے مستقبل کے بارے میں مختلف تجویزوں اور قیاس آرائیوں کے بارے میں چند نکات پر اتفاق کیا۔ وہ نکات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) انڈین یونین میں ریاستوں کی شرکت صرف بات چیت سے ہو سکتی ہے اور آخری فیصلہ بہرحال ریاست ہی کے ہاتھ میں ہوگا۔

(۲) دستوریہ ہند ریاستوں کی شرکت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتی۔ آخری فیصلہ اسی وقت ہوگا جب پورا دستور سامنے آئے گا۔

(۳) ریاستیں، جو اختیارات یونین کو خود تفویض کریں گی۔، ان کے علاوہ سارے اختیارات کی وہ غیر مسئول طور پر مالک ہوں گی۔

(۴) بالادستی کا سلسلہ بالکل ختم ہوجائے گا۔

(۵) یونین ہرگز اور کسی صورت میں ریاستوں کے منظور شدہ دستور، ان کی علاقائی سالمیت اور خاندان شاہی کے قیام و بقا کے سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں

کر سکے گی۔

(۶) ریاستوں کی موجودہ سرحدات میں کوئی تبدیلی ریاستوں کی آزادانہ رضامندی کے بغیر عمل میں نہیں آنے گی۔

(۷) دستوریہ ہند ریاستوں کے اندرونی اور دستوری معاملات میں کسی طرح مداخلت نہیں کر سکے گی۔۔(۱)

ایوان ریاست میں اس قرار داد کی منظوری کے بعد ایک شور سا برپا ہوگیا، کیونکہ ریاستوں نے یہ خطرہ محسوس کرنا شروع کردیا تھا کہ کہیں کانگرس ان کا وجود ختم کرانے میں کامیاب نہ ہوجائے، کیونکہ کانگرس کی پالیسی ریاستوں کی خود مختاری کے خلاف تھی۔ چنانچہ ایوان ریاست کے چانسلر نواب بھوپال نے مجلس قائمہ میں اعلان کردیا۔

" جب تک بنیادی مسائل طے نہ ہوجائیں، دستوریہ ہند میں شرکت بے کار ہے۔۔اس کے بعد پنڈت نہرو کو بھی اپنے موقف میں لچک اور چاپلوسی پیدا کرنی پڑی۔ ادھر ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم برطانیہ مسٹر اٹیلی نے نئے وائسرائے ہند لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے تقرر کا اعلان کرتے ہوئے ریاستوں کے بارے میں اعلان کیا۔

" ملک معظم کی حکومت کا قطعاً یہ ارادہ نہیں ہے کہ اپنے اختیارات بالادستی کسی اور حکومت یا حکومتوں کو منتقل کردے۔۔(۲)

بلکہ وزیراعظم نے کابینہ مشن کے میمورنڈم کو بنیاد بنایا جو ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کو جاری کیا گیا تھا۔۔(۳)

---

(۱) رئیس احمد جعفری ص ۵۴ اور جسٹس صراف ص ۳۰، جلد ۲ (۲) ایضاً ص ۵۵ (۳) ایضاً

منصوبہ تقسیم ہند اور ریاستیں

کابینہ مشن کی ناکامی کے بعد، ۱۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو وائسرائے ہند نے متبادل منصوبہ کی تیاری شروع کر دی اور یہ منصوبہ ماؤنٹ بیٹن کے ایک ہندو مشیر مسٹر وی۔پی مینن کی سرکردگی میں تیار ہوا، جس کی تصدیق ان کے الفاظ سے ہوتی ہے:۔

"جہاں ہز مجسٹی کی حکومت کا پاس کردہ منصوبہ ملک کو کئی اکائیوں میں تقسیم کر دے گا، میرا منصوبہ ہندوستان کی ناگزیر وحدت بھی قائم رکھے گا اور جو علاقے اس وحدت میں نہیں رہنا چاہتے، ان کو علیحدہ ہونے کی اجازت بھی دے گا۔"(۱)

اس منصوبے پر غور کرنے کے لئے ماؤنٹ بیٹن نے ۲ جون ۱۹۴۷ء کو اہم ترین لیڈروں کی کانفرنس طلب کرلی۔ اس میں نہرو۔ پٹیل۔ اچاریہ کرپلانی۔ قائد اعظم۔ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور بلدیو سنگھ شامل تھے۔ ان ناموں پر غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ان میں ریاستوں کا کوئی نمائندہ شامل نہ تھا۔ یہ تمام لوگ برطانوی ہند کے صوبوں سے تعلق رکھنے والے تھے اور جب اس منصوبہ کا اعلان ہوا تو یہ واضح طور پر برطانوی ہند کے معاملات سے متعلق تھا۔ یہ منصوبہ یہاں درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ عام قاری کو معلوم ہو سکے کہ منصوبہ تقسیم ہند کن علاقوں پر مشتمل تھا۔

۳ جون کا منصوبہ تقسیم ہند

(۱) ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو تاج برطانیہ کی طرف سے جو اعلان کیا گیا تھا، اس کے مطابق ہندوستانیوں کو جون ۱۹۴۸ء تک اختیارات منتقل کئے جانے تھے۔ تاج برطانیہ کو توقع تھی کہ ہندوستان کی بڑی سیاسی جماعتیں کابینہ مشن منصوبہ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے تحت باہم تعاون کریں گی اور ان کے لئے ایک ایسا آئین وضع کرنا ممکن ہو جائے گا، جو تمام جماعتوں کے لئے قابل قبول ہو۔ لیکن تاج

---

(۱) پروفیسر شیخ رفیق احمد۔ ۳۵۹

برطانیہ کی یہ توقع پوری نہ ہو سکی۔

(۲) مدراس، بمبئی، یوپی، بہار۔ سی پی۔ آسام۔ آڑیسہ۔ صوبہ سرحد۔ دلی۔ اجمیر۔ مارواڑ اور کرگ کے نمائندوں کی اکثریت نئے آئین کے سلسلہ میں پہلے ہی کام کر چکی ہے۔ دوسری طرف مسلم لیگ نے، جس میں پنجاب بنگال۔ سندھ اور بلوچستان کے نمائندوں کی اکثریت ہے۔ فیصلہ کیا کہ وہ آئین ساز اسمبلی کی کارروائی میں حصہ نہ لے گی۔

(۳) شاہ برطانیہ کی حکومت کی یہ خواہش رہی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو ان کی امنگوں اور خواہشات کے مطابق اقتدار منتقل کیا جائے۔ اگر تمام سیاسی جماعتوں میں مکمل تعاون ہوتا، تو یہ کام بہت آسان ہو جاتا۔ لیکن اس تعاون اور باہمی افہام و تفہیم کی عدم موجودگی میں کوئی طریق کار اختیار کرنے کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہو گئی ہے تاکہ ہندوستان کے عوام کو ان کی خواہشات کے مطابق اقتدار منتقل کیا جائے۔ ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے مکمل مشورے کے بعد حکومت برطانیہ نے فیصلہ کیا ہے کہ مندرجہ ذیل منصوبہ کو اپنایا جائے اور یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ وہ خود کوئی متبادل آئین وضع کرنے کے حق میں نہیں بلکہ یہ ہندوستانیوں کا اپنا کام ہے۔ نہ ہی اس منصوبہ میں کوئی ایسی بات ہے، جو مختلف فریقوں میں متحدہ ہندوستان پر گفت و شنید کی راہ میں مانع ہو۔

(۴) حکومت برطانیہ موجودہ آئین ساز اسمبلی کے کام میں کوئی خلل ڈالنے پر آمادہ نہیں۔ وہ توقع رکھتی ہے کہ اب ان صوبوں کے مسلم لیگی نمائندے مطمئن ہو جائیں گے، جن صوبوں کے نمائندوں کی اکثریت پہلی ہی آئین ساز اسمبلی میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ آئین ساز اسمبلی، جو آئین مرتب کر چکی ہے، ضروری نہیں اس کا اطلاق ملک کے ان حصوں پر بھی ہو، جن حصوں کے لئے یہ آئین ناقابل قبول ہے۔ لہذا حکومت برطانیہ مطمئن ہے کہ جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے۔ وہ تمام لوگوں کی خواہشات کی تکمیل کے لئے نیک، بہترین عملی طریق کار ہے۔ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ ایسے علاقوں کے لوگوں کا منشا معلوم کیا جائے کہ وہ موجودہ آئین ساز اسمبلی کے

ذریعہ اپنا آئین وضع کریں گے یا کسی نئی آئین ساز اسمبلی کے ذریعہ جہاں ان کے نمائندے ہوں اور جنہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ وہ آئین ساز اسمبلی میں شرکت نہیں کریں گے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکے گا کہ انتقال کا اختیار کسی ایک یا ایک سے زائد بااختیار لوگوں کو منتقل کیا جائے۔

(۵) اس مقصد کے لئے بنگال اور پنجاب کی مجلس قانون ساز دو گروہوں میں تقسیم ہوگی۔ یورپین اراکین ان میں شامل نہیں ہوں گے۔ ان دو گروہوں میں ایک وہ ہوگا، جو مسلمانوں کی اکثریت کے اضلاع پر اور دوسرا وہ جو دونوں صوبوں کے باقی ماندہ اضلاع پر مشتمل ہو۔ اضلاع کی آبادی کے تعین کی غرض سے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری مستند سمجھی جائے گی۔ پنجاب اور بنگال کے صوبوں میں مسلمان اکثریت کے اضلاع اس بیان کے ضمیمہ میں درج ہیں۔

(۶) ہر مجلس قانون ساز کے دونوں گروہوں کے اجلاس الگ الگ منعقد ہوں گے اور انہیں اس سلسلہ میں اظہار رائے کا اختیار ہوگا کہ صوبہ تقسیم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ اگر کوئی بھی گروپ سادہ اکثریت سے تقسیم کے حق میں رائے دے، تو تقسیم کا عمل قبول کر لیا جائے گا اور متعلقہ انتظامات کئے جائیں گے۔ تقسیم کے فیصلہ سے قبل بہتر یہ ہوگا کہ ہر گروہ کے نمائندوں کو پہلے سے علم ہو کہ اگر اسمبلی کے دونوں گروہوں نے صوبہ کے اتحاد کے حق میں فیصلہ کیا تو متعلقہ صوبہ متحد صورت میں آئین ساز اسمبلی میں شریک ہوگا۔

(۷) اور اگر مذکورہ گروہوں میں کسی ایک کا کوئی رکن بھی مطالبہ کرے تو مجلس قانون ساز کے تمام اراکین کے اجلاس میں اس مسئلہ کا فیصلہ ہوگا، لیکن کوئی یورپی رکن ایسا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

(۸) اگر تقسیم کا فیصلہ ہو جائے تو مجلس قانون ساز کا ہر گروہ اپنے علاقوں کی طرف سے یہ فیصلہ کرے گا کہ اس کا آئین موجودہ آئین ساز اسبلی وضع کرے یا نئی اور علیحدہ آئین ساز اسمبلی۔

(۹) بنگال اور پنجاب کے مسلم اور غیر مسلم اضلاع کی تقسیم عارضی ہوگی۔ دونوں صوبوں یا کسی ایک صوبہ کی تقسیم کا فیصلہ ہونے کے بعد گورنر جنرل ایک حد بندی کمیشن مقرر کرے گا۔ حد بندی کمیشن حدود کے تعین کے سلسلہ میں

مسلم اور غیر مسلم اکثریتی علاقوں اور دیگر ضروری باتوں کو مد نظر رکھے گا۔ حد بندی کمیشن کا فیصلہ موصول ہونے تک عارضی حدود قائم رہیں گی۔

(۱۰) **سندھ** ۔ کی مجلس قانون ساز کے تمام ہندوستانی اراکین ایک خالص اجلاس میں اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ سندھ کا آئین موجودہ آئین ساز اسمبلی وضع کرے یا ایک نئی اور علیحدہ آئین ساز اسمبلی۔

(۱۱) **صوبہ سرحد** ۔ کی حیثیت استثنائی ہے ۔ لہٰذا اسے یہ موقع فراہم کرنا ضروری ہے کہ جب پنجاب کا ایک حصہ موجودہ آئین ساز اسمبلی میں شریک نہ ہونے کا فیصلہ کرلے ، تو صوبہ سرحد اپنی حیثیت پر از سرنو غور کرے ۔ جن لوگوں نے موجودہ مجلس قانون ساز کے اراکین کو ووٹ دیئے تھے ، وہی اس معاملہ پر حق استصواب رائے استعمال کریں گے کہ وہ موجودہ آئین ساز اسمبلی یا نئی اور علیحدہ اسمبلی میں سے کس میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔

(۱۲) **برطانوی بلوچستان** ۔ نے ایک رکن منتخب کیا لیکن اس رکن نے موجودہ آئین ساز اسمبلی میں نشست نہیں سنبھالی۔ بلوچستان کی جغرافیائی حیثیت کی بنا پر اس صوبہ کو بھی اپنی حیثیت کا از سرنو جائزہ لینے کا حق دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے گورنر جنرل اس امر کا جائزہ لے رہے ہیں کہ یہ کام خوش اسلوبی کے ساتھ کیونکر انجام دیا جا سکتا ہے ۔ اس صوبہ کو موجودہ آئین ساز اسمبلی یا نئی اور الگ آئین ساز اسمبلی میں شرکت کا اختیار ہو گا۔

(۱۳) **آسام** ۔ گو آسام میں غیر مسلم اکثریت ہے ، لیکن سلہٹ کا ضلع مسلمانوں کی اکثریت کا حامل ہے ۔ یہ مطالبہ عام رہا ہے کہ بنگال کی تقسیم کی صورت میں سلہٹ کو بنگال کے مسلمان حصہ میں شامل کیا جائے ۔ چنانچہ اگر بنگال کی تقسیم کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو سلہٹ کے ضلع میں آسام کی صوبائی حکومت سے مشورہ کے بعد اور گورنر جنرل کی منظوری کے تحت یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ آیا سلہٹ بدستور صوبہ آسام کا حصہ رہے یا اسے مشرقی بنگال کے نئے صوبہ کا حصہ بنا دیا جائے ، استصواب رائے عامہ کرایا جائے گا۔ اگر استصواب رائے عامہ کا نتیجہ مشرقی بنگال کے ساتھ وابستگی کے حق میں ہو تو ایک حد بندی کمیشن ضلع سلہٹ کے مسلم اکثریتی علاقوں کی حد بندی کے لئے قائم کیا جائے

گا، جو پنجاب اور بنگال کی حد بندی کمشین کی بنیادوں پر کام کرے گا۔ اس کے بعد سلہٹ کا ضلع مشرقی بنگال کو منتقل کردیا جائے گا۔ جہاں تک صوبہ آسام کے باقی ماندہ حصہ کا تعلق ہے، تو وہ بدستور موجودہ آئین ساز اسمبلی میں شریک رہے گا۔

(۱۴) اگر پنجاب اور بنگال کی تقسیم کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو ان علاقوں کے نمائندگان کے انتخاب کے لئے انتخابات کا انعقاد ضروری ہو گا۔ نمائندگی ہر دس لاکھ افراد پر ایک کے تناسب سے ہوگی۔ اس طرح اگر سلہٹ مشرقی بنگال کے حصہ بننے پر اظہار رضامندی کردے تو وہاں بھی مندرجہ بالا طریقہ کے مطابق انتخابات ہوں گے۔ ہر علاقہ کی نمائندگی یوں ہوگی:۔

صوبہ	عام نشستیں	مسلمان	سکھ	مجموعی نشستیں
ضلع سلہٹ	۱	۲	×	۳
مغربی بنگال	۱۵	۴	×	۱۹
مشرقی بنگال	۱۲	۲۹	×	۴۱
مغربی پنجاب	۳	۱۲	۲	۱۷
مشرقی پنجاب	۲	۴	۲	۱۲

(۱۵) مختلف علاقوں کے نمائندے موجودہ آئین ساز اسمبلی میں یا نئی آئین ساز اسمبلی میں شرکت کریں گے۔

(۱۶) **انتظامی معاملات:**

کسی بھی صوبہ کی تقسیم کے نتیجہ میں پیدا شدہ انتظامی تبدیلی کے بارے میں بات چیت درج ذیل بنیادوں پر جلد از جلد کی جائے گی:۔

(ا) ایسے تمام معاملات جو اس وقت مرکزی حکومت کے ماتحت ہیں اور جن میں دفاع خزانہ اور مواصلات شامل ہیں، نئے مختاران مجاز کے نمائندوں کی وساطت سے۔

(ب) انتقال اختیار سے پیدا شدہ امور پر نئے مختاران مجاز اور حکومت برطانیہ کے درمیان۔

(ج) تقسیم ہونے والے صوبوں کے صوبائی امور سے متعلق، مثلاً پولیس اور دیگر ملازمتیں اعلیٰ عدالتیں، صوبائی ادارے اور دیگر ذمہ داریاں وغیرہ۔

(۱۷) **ریاستیں:-**
حکومت برطانیہ یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہے کہ جو فیصلے کئے گئے ہیں، برطانوی ہند سے تعلق رکھتے ہیں اور ہندوستانی ریاستوں سے متعلق ان کی پالیسی (کابینہ مشن رپورٹ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے مطابق) میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

(۱۸) **شمال مغربی سرحدی قبائل۔** شمال مغربی سرحدی قبائل کے امور کا فیصلہ ان کے مختاران مجاز کے ساتھ بات چیت کے بعد ہو گا۔

(۱۹) **عجلت کی ضرورت:۔** اختیارات سنبھالنے کے لئے مختاران مجاز کو کچھ وقت درکار ہے تاہم یہ بہت ضروری ہے کہ اس طریق کار کو جلد از جلد مکمل کیا جائے۔ تاخیر سے بچنے کے لئے مختلف صوبے یا ان صوبوں کے حصے جہاں تک ممکن ہو، آزادانہ طور پر اس منصوبہ کی شرائط کے تحت موجودہ آئین ساز اسمبلی یا نئی آئین ساز اسمبلی کے ذریعے اپنے اپنے علاقوں کے لئے آئین مرتب کریں گی اور انہیں اپنے ضابطے وضع کرنے کا مکمل اختیار ہو گا۔

(۲۰) **فوری انتقال اختیارات۔**
تمام بڑی سیاسی جماعتوں نے اس بات پر بار بار زور دیا ہے کہ اختیارات جلد از جلد منتقل کر دئیے جائیں۔ حکومت برطانیہ ان کی اس خواہش کا مکمل احترام کرتی ہے اور اس مقصد کے لئے ایک آزاد حکومت ہندوستان یا کئی حکومتوں کو اختیار منتقل کرنے کی زیادہ سے زیادہ مدت جون ۱۹۴۸ء مقرر کرتی ہے۔ اس مقصد کے لئے حکومت برطانیہ ایک یا دو مختار و مجاز وارثان کو نوآبادی کے درجہ کی بنیاد پر اختیار منتقل کرنے کے لئے قانون وضع کرے گی۔ اس قانون کے تحت ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی کے اس فیصلہ پر کوئی اثر نہ پڑے گا کہ ہندوستان کے وہ حصے، جن کی وہ

نمائندہ ہے، برطانیہ کی دولت مشترکہ میں بدستور شریک رہیں یا نہ رہیں۔

(۲۱) گورنر جنرل۔

وقتاً فوقتاً نئے انتظامات کے سلسلہ میں ضروری اعلانات کرتے رہیں گے۔(۱)

اس منصوبے کے ۲۱ نکات میں سے ۲۰ کا تعلق برطانوی ہند کے علاقوں سے ہے۔ صرف شق نمبر ۱۷ میں ریاستوں کے متعلق وضاحت ہے اور وضاحت بھی یہ ہے کہ ریاستوں کے متعلق پالیسی (کابینہ مشن رپورٹ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء) میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

اور یہاں یہ بات بیان کر دینا ضروری ہے کہ کابینہ مشن رپورٹ ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کے مطابق ریاستوں کو تقسیم ہند کے ہنگاموں سے دور رکھا گیا تھا۔ اس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے۔ اس رپورٹ کی آخری سطور میں یوں بیان کیا گیا:۔

"ریاستیں اپنے جن حقوق سے مقتدر اعلیٰ کے حق میں دستبردار ہوئی تھیں، وہ سب کے سب ریاستوں کو واپس مل جائیں گے۔ اس طرح ایک طرف ریاستوں اور دوسری طرف تاج برطانیہ اور برطانوی ہند کے مابین سیاسی سمجھوتہ ختم ہو جائے گا۔ اس سے جو خلا پیدا ہوگا، ریاستوں کو اسے برطانوی ہند میں جانشین حکومت یا حکومتوں کے ساتھ وفاقی تعلقات کے ذریعے پر کرنا ہوگا یا بصورت دیگر انہیں ایسی حکومت یا ایسی حکومتوں کے ساتھ سیاسی نوعیت کے سیاسی سمجھوتے کرنے ہونگے۔"(۲)

قانون آزادی ہند اور ریاستیں

منصوبہ تقسیم ہند کے بعد ہم قانون آزادی ہند کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس میں ریاست کے متعلق کیا بتایا گیا۔ کیونکہ منصوبہ تقسیم ہند اور قانون آزادی ہند کے تحت ہی یہ بات کہی جاتی ہے کہ ریاستوں کو پاکستان یا بھارت ہی کا حصہ بننا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں کوئی اور اختیار حاصل نہ تھا۔ ہم ذیل میں قانون

---

(۱) صلاح الدین ناسک ص ۲، ۳ اور شریف الدین پیرزادہ پاکستان منزل بہ منزل۔ ص ۳۱۲

(۲) ظہور پاکستان ص ۲۷۷

آزادی ہند پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

اس قانون کا مقصد لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ۳ جون کے منصوبہ تقسیم ہند کو عملی صورت دینا تھا۔ یہ قانون تمام مراحل طے کرنے کے بعد ۱۸ جولائی کو قانونی شکل اختیار کر گیا، جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) اس قانون میں ہندوستان کو تقسیم کرنے کو کہا گیا اور ہندوستان اور پاکستان کی دو زیر نگران حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ان کے قانون ساز اداروں کو اقتدار مل گیا

(۲) دونوں ملکوں کے قانون ساز اداروں کو اپنے اپنے علاقوں کے لئے قانون سازی کے اختیارات دیئے گئے۔

(۳) برطانوی حکومت کو زیر نگران حکومتوں کے معاملات میں کوئی اختیار نہ تھا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد صوبے اور ملک کا ہر حصہ آزاد تھا۔

(۴) جب تک زیر نگران حکومتوں کے لئے نیا آئین نہ بن جائے، قانون آزادی ھند نے موجودہ آئین ساز اداروں کو زیر نگران حکومتوں کا قانون ساز ادارہ بنا دیا۔ اسمبلیاں ان تمام اختیارات کا استعمال کرنے کی مجاز تھیں، جو پہلے مرکزی قانون ساز ادارہ انجام دیتا تھا۔ ان کو نئے آئین بنانے کا اختیار تھا۔

(۵) نیا آئین بننے تک ہر زیر نگران حکومت اور ان کے صوبوں پر ۱۹۳۵ء کے قانون کے مطابق حکومت کی جائے۔ ہر زیر نگراں حکومت کو ۱۹۳۵ء کے قانون میں آزادی پاک و ہند کے قانون کے تحت ترمیم کرنے کا اختیار تھا۔

(۶) گورنر جنرل کو اختیار دیا گیا کہ وہ ۳۱ مارچ ۴۸ء تک ضرورت کے تحت حکومت پاک و ہند کے قانون مجریہ ۱۹۳۵ء کی ترمیم کرے۔ اس تاریخ کے بعد آئین ساز اداروں کو حکومت کے ۱۹۳۵ء کے قانون میں ترمیم کرنے کا حق دیا گیا۔

(۷) قانون کو مسترد کرنے یا اسے محفوظ رکھنے کا بادشاہ کا حق منسوخ کر دیا گیا اور یہ حق گورنر جنرل کو دے دیا گیا۔ اس کو مکمل اختیار دیا گیا کہ وہ بادشاہ کے نام پر زیر نگران حکومت کے قانون ساز ادارے کے بنائے ہوئے قانون پر اپنی منظوری دے دے۔

(۸) اس قانون نے پاک و ہند کی ریاستوں پر تاج کے اقتدار اعلیٰ کو ختم کر دیا۔ ۱۵

اگست ۱۹۴۷ء سے تمام معاہدے اور سمجھوتے اور فرائض، جو بادشاہ ریاستوں کے معاملے میں سرانجام دیتا تھا، ختم کردئے گئے۔ یہ کہا گیا کہ ریاستوں اور پاک و ہند کی حکومتوں کے درمیان موجودہ تعلقات اس وقت تک جاری رہیں گے، جب تک ریاستوں اور نئی زیر نگران حکومتوں کے درمیان بات چیت نہ ہو

(۹) شمالی مغربی سرحدی صوبے کے قبائل سے سمجھوتے کرنا نئی زیر نگران حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔

(۱۰) سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے ہند کا عہدہ منسوخ کردیا گیا۔ اس کے فرائض سیکرٹری آف اسٹیٹ برائے دولت مشترکہ نے سنبھال لئے۔

(۱۱) شاہ انگلستان کے خطابات میں سے شہنشاہ ہند کا لقب ختم کردیا گیا۔

(۱۲) اس قانون نے پاک و ہند پر برطانوی اقتدار کو ختم کردیا اور دو زیر نگران حکومتیں قائم کردیں، جن کو اپنی مرضی کے مطابق آئین بنانے کے مکمل اختیارات تفویض کردئے گئے۔ دونوں زیر نگران حکومتوں کو حق دیا گیا کہ چاہیں تو برطانوی دولت مشترکہ سے تعلقات منقطع کرلیں۔—۱

پروفیسر شیخ رفیق نے اپنی کتاب میں دو مزید وضاحتیں ان الفاظ میں کی ہیں:-

(۱) کہ اس قانون کی رو سے یہ کہا گیا کہ برطانوی ہند میں شامل تمام علاقہ جات جو پاکستان میں شامل نہیں ہونگے، ہندوستان کا حصہ ہوں گے۔

(۲) پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کی نشاندہی کردی گئی جو درج ذیل ہیں

(الف) مشرقی بنگال اور مغربی پنجاب میں شامل علاقے، جو یوم آزادی سے پہلے یا بعد حد بندی کمیشن کے فیصلے کی رو سے ان دونوں میں شامل ہوں گے۔ جب تک آخری شکل طے نہیں پاتی اس وقت تک مغربی پنجاب میں گوجرانوالہ، گورداسپور۔ لاہور اور مظفر گڑھ کے اضلاع شامل ہوں گے اور مشرقی بنگال میں چٹاگانگ۔۔۔۔۔۔ اور رنگ پور کے اضلاع شامل ہوں گے۔

(ب) شمال مغربی سرحدی صوبے کے علاقے، اگر وہ استصواب رائے کے تحت پاکستان کے حق میں فیصلہ کریں۔

---

(۱) میاں عبدالحمید ایم اے ص ۲۰۵ اور Essential Dacuments on Kashmir Dispute. ص ۳۹

(ج) صوبہ سندھ اور بلوچستان۔۔(۱)

المختصر، س قانون کی سیکشن ، ذیلی دفعہ ۲ میں ریاستوں کے بارے میں یہ وضاحت کردی گئی کہ۔

" اس قانون کی رو سے ہندوستانی ریاستوں سے تاج کا حق بالادستی مکمل طور پر ختم کردیا گیا اور تمام معاہدات۔ سہولتیں۔ استعملات وغیرہ ختم کردئے گئے ، جو تاج برطانیہ اور ریاستوں کے مابین تھے۔۔(۱)

گویا اس قانون ہند کی رو سے بھی ریاستوں کو نہیں چھیڑا گیا اور نہ ہی پاکستان میں شامل کئے گئے علاقوں میں کشمیر یا کسی دوسری ریاست کا ذکر ہے۔ بلکہ جو بات مزید واضح ہوئی وہ یہ کہ تقسیم برطانوی ہند کی ہوئی، نہ کہ برطانوی ریاستی ہند کی اور ساتھ ہی ریاستوں کے بارے میں وضاحت کردی گئی کہ ریاستوں کے بارے میں تاج کے سارے اختیارات ختم کردئے گئے۔ مگر یہ اختیارات گورنر جنرل کو نہیں دئیے گئے بلکہ موجودہ صورت حال کو برقرار رکھا گیا۔ یعنی ریاستیں آزاد و خود مختار رہیں گی اور تقسیم کے بعد ہندوستان کی دونوں حکومتیں بات چیت کے ذریعے ریاستوں سے تعلقات قائم کریں گی۔ برطانیہ نے ریاستوں کے بارے میں اختیارات کیوں منتقل نہ کئے ؟ اس کے بارے میں برطانیہ پہلے ہی اعلان کرچکا تھا کہ وہ حق بالادستی کسی اور کو منتقل نہیں کرے گا اور نہ خود رکھنے کا مجاز ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اختیارات یا حق بالادستی واپس ریاستوں کو منتقل ہو جانے تھے۔

---

(۱) پروفیسر شیخ محمد رفیق ص ۳۶۴ (۲) Essential Dacuments on Kashmir Dispute ص ۳۹

ریاستوں کو خود مختاری کا حق حاصل ہوگیا۔

---(۱) برطانیہ کا مؤقف

---(۲) لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا مؤقف

---(۳) کانگرس کا مؤقف

---(۴) مسلم لیگ کا مؤقف

---(۵) ڈوگرہ حکومت کا مؤقف

---(۶) مقامی سیاسی جماعتوں کا مؤقف

---(۷) کشمیر پر لکھنے والوں کا مؤقف

تقسیم ہند کی بنیادی دستاویزات کو بیان کرنے کے بعد اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ریاستوں پر ان دستاویزات کے، جو اثرات مرتب ہوئے اور قانونی موشگافیوں کا سہارا لے کر جو عملی کارروائیاں کی گئیں، ان پر بحث کی جائے۔

یہ بات واضح ہے کہ اکثر ریاستیں بہت ہی چھوٹی تھیں، مگر کچھ بہت ہی بڑی۔ مثلاً حیدرآباد۔ کشمیر اور جوناگڑھ وغیرہ۔ ان میں سے چھوٹی ریاستیں بہرحال اپنا الگ وجود برقرار رکھنا ناممکن سمجھتی تھیں۔ بڑی ریاستوں کو ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہیں تھا۔ کیونکہ بڑی ریاستیں اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے کافی وسائل رکھتی تھیں۔ کانگریس کی پالیسی یہ تھی کہ ریاستوں کو زبردستی الحاق پر مجبور کیا جائے، جب کہ مسلم لیگ کا نظریہ اس کے برعکس تھا۔ برطانیہ ریاستوں کے معاملے میں پہلے ہی اپنی مجبوری کا اظہار کر چکا تھا، مگر قانون آزادی ہند نے ریاستوں کی خود مختار حیثیت برقرار رکھ کر ایک اہم اور قانونی قدم اٹھایا تھا۔ جسٹس صراف لکھتے ہیں۔

" ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو اقتدار اعلیٰ کے خاتمے کے ساتھ ہی ریاستوں کے لئے تین امکانی راستے تھے (۱) خود مختاری کا اعلان (۲) پاکستان سے الحاق (۳) ہندوستان کے ساتھ الحاق۔ (۱)

چوہدری محمد علی کے بقول " نظری اعتبار سے ہر ریاست کے سامنے تین امکانی راستے تھے :۔

" (۱) ریاستیں ایک یا دوسری آئین ساز اسمبلی میں شریک ہو سکتی تھیں اور ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کر سکتی تھیں۔

(۲) آزاد و خود مختار ہونے کا اعلان کر سکتی تھیں، لیکن اس راستہ پر صرف بڑی ریاستیں گامزن ہو سکتی تھیں۔

(۳) بعض ریاستیں ہمہ گیر مل کر ایک آزاد بلاک کی تشکیل کر سکتی تھیں۔ (۲)

۱۰ جولائی ۱۹۴۶ء کو برطانوی دارالعلوم میں برطانیہ کے وزیراعظم مسٹر ایٹلی نے

---

(۱) جسٹس صراف ص ۳۱، / ۲

(۲) ظہور چوہدری محمد علی ص ۲۷۹

آزادی ہند کے بل پر تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

" معاہدوں اور عہدناموں کے خاتمہ کے ساتھ ہی ریاستوں کو اپنی خود مختاری واپس مل گئی۔(۱)

کابینہ مشن، جس نے ہندوستان کے بارے میں تقسیم کے نقطہ نظر سے رپورٹ پیش کی تھی، ہندوستان آمد پر اپنے پہلے بیان میں کہا:۔

" اس لئے ہم تجویز کرتے ہیں کہ جس دن سے نئی مملکتیں (ہندوستان و پاکستان) وجود میں آئیں گی، معاہدے اور عہدنامے جن کی رو سے ہمیں ریاستوں پر اقتدار اعلے حاصل تھا، وہ ختم ہو جائیں گے۔ اس وقت سے تاج برطانیہ کے نمائندے (ریذیڈنٹ) وغیرہ اور اس کے افسروں کی تقرری اور کام ختم ہو جانے گا اور ریاستیں اپنی قسمت کی آپ مالک بن جائیں گی۔ پھر ان کو اس بات کی مکمل آزادی ہو گی کہ وہ دونوں مملکتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کریں، یا آزاد رہیں اور ملک معظم کی حکومت ان کے رضا کارانہ اور اہم فیصلہ پر اثر انداز ہونے کے لئے ذرا بھی دباؤ نہیں ڈالے گی۔۔(۲)

جہاں تک بیان کردہ امکانی راستوں کا تعلق ہے، کوئی ریاست بھی اپنا وجود ختم کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔ البتہ چند چھوٹی ریاستوں کو ابتداء میں ہی کانگرس نے دھوکہ، دھونس اور دھاندلی سے اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ بھارت سے الحاق کریں گی۔ تقسیم کے بعد اس نظریے پر عمل ہوا۔ مگر یہ سب کچھ خوف کے پہرے میں ہوا کانگرس نے نہایت مکروہ حربے اختیار کیے۔ البتہ مسلم لیگ کا رویہ بظاہر معقول رہا۔

جہاں تک دوسرے راستے کا تعلق ہے، بہت سی ریاستیں اپنا وجود آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے برقرار رکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ

---

(۱) اسداللہ قریشی "حق خودارادیت اور کشمیر۔ ص،

(۲) ایضاً ص،

جہاں تک دوسرے راستے کا تعلق ہے ، بہت سی ریاستیں اپنا وجود آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے برقرار رکھنا چاہتی تھیں ۔ چنانچہ تقسیم ہند کے اعلان کے فوراً بعد بہت سی ریاستوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔

راجہ بلاسپور نے کہا:۔

" ریاستوں کو بھی آزادی کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا برطانوی ہند کو ۔(۱)

نواب چھتاری نے کابینہ وفد اور وائسرائے کو بتایا کہ!

" حیدر آباد دکن کو وہ علاقے جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس سے لئے تھے ، واپس مل جانے چاہئیں اور کہا کہ حیدرآباد جغرافیائی دشواریوں کے باعث پاکستان سے اور نظریاتی اختلاف کے باعث ہندوستان سے ملحق نہیں ہو گا۔ لہذا آزادی اور انفرادیت قائم رکھے گا۔ ۔ (۲)

اس طرح ۱۱ جون ۴۷ء کو ٹراونکو کے سر سی پی راما سوامی آئیر وزیر اعظم نے ۱۴ اگست کو اعلان کر دیا کہ:

" ٹراونکور آزاد و خود مختار رہے گا۔ ۔ (۳)

ریاستوں کے متعلق جو آخری امکانی راستہ بتایا گیا ، اس پر عمل نہ ہو سکا ۔ گو تقسیم ہند سے پہلے ریاستوں میں اس قسم کا رجحان پایا جاتا تھا کہ اگر برطانوی ہند کے دو ملک بن سکتے ہیں تو کون سی وجہ مانع ہو سکتی ہے کہ برطانوی ریاستیں ایک تیسرا بلاک نہ بن سکیں ۔ چنانچہ ۲ اپریل ۱۹۴۶ء کو نواب بھوپال ، چانسلر ایوان ریاست نے کابینہ وفد اور وائسرائے کے ساتھ گفتگو میں یہ بات واضح کر دی کہ:

" والیان ریاست کا عام نقطہ نظر یہ ہے کہ اگر ہندوستان دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ تیسرا ہندوستان وجود میں نہ آئے ، جو ریاست ہائے ہند پر مشتمل ہو۔ ۔ (۴)

لیکن یہ تجویز حکومت برطانیہ کو مؤثر طریقے سے پیش نہ کی گئی ۔ اس لئے اسے عملی شکل نہ دی جا سکی ، حالانکہ بہت سی چھوٹی ریاستیں بھی اس کی حامی تھیں ۔ ڈونگرپور کے مہاراجہ نے بھی چھوٹی ریاستوں کا ایک گروپ بنانے کی تجویز

---

(۱) ۔ (۲) ۔ (۳) ۔ (۴) رئیس احمد جعفری (ترجمہ) کشمیر اور جونا گڑھ کی کہانی ۔ ص ۴۷، ۴۸، ۴۹

پیش کی تھی۔ اس تجویز کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ ریاستیں شروع میں تحریک آزادی ہند سے کچھ الگ تھلگ سی رہیں اور عام خیال یہی تھا کہ ہندوستان کا جو بھی بنے گا، ریاستوں کی حیثیت تبدیل نہ ہوگی۔ مگر تقسیم ہند کے بعد حالات تبدیل ہو گئے اور عدم تحفظ کے احساس نے ریاستوں کو مختلف امکانی راستوں پر سوچنے کی طرف راغب کیا۔

جہاں تک ریاستوں کے خود مختاری کی طرف رجحان کا تعلق تھا، اس وقت اس کی مثال ہمارے سامنے موجود نہیں۔ کیونکہ جن ریاستوں نے آزادی کا اعلان کیا تھا، مثلاً کشمیر، ٹرانکور، حیدرآباد اور جونا گڑھ وغیرہ، ہندوستان نے فوج کشی کر کے غاصبانہ انداز میں ان ریاستوں کی خود مختاری کو کچل ڈالا تھا۔ اس کے باوجود بعض ریاستیں ابھی تک اپنے اس حق کے لئے جدوجہد کر رہی ہیں۔ ان میں سرفہرست ریاست جموں و کشمیر ہے۔ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود کشمیریوں نے موجودہ صورت حال کو قبول نہیں کیا اور وہ آج بھی ریاست کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ ۴۴ سال ایک طویل مدت ہے۔ ان ۴۴ سالوں کی غلامی میں ہماری اقدار کے ساتھ ہماری تاریخ کو بھی مسخ کر کے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ریاست جموں و کشمیر کی آزادی صرف کشمیریوں کی جدوجہد اور قربانیوں سے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ مگر اپنے اپنے مفادات کے پیش نظر کشمیریوں کے دشمنوں اور نام نہاد بہی خواہوں نے ان کا بحیثیت قوم شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔ سادہ لوح، ان پڑھ اور تاریخی حقائق سے بے خبر قوم کی اکثریت کو غلط اور غیر منطقی نعروں میں الجھا کر آزادی کے راستے سے بھٹکا دیا گیا۔ اگر کشمیری قوم نے آزادی حاصل کرنی ہے تو اسے سب سے پہلے اپنی مسخ شدہ تاریخ کو دوبارہ حقیقی صورت میں سامنے لانا ہو گا۔ کیونکہ تاریخ نہ صرف یہ کہ ایسے استاد کا درجہ رکھتی ہے، جو درس آزادی دیتا ہے بلکہ یہ آزادی کی قدر و منزلت سکھاتی ہے اور اس کی سمت جانے والے راستوں کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ کانگرس کا تو ہمیشہ سے یہ مؤقف رہا تھا کہ ریاستوں کو خود مختاری کا حق حاصل نہیں مگر مسلم لیگ ریاستوں کی خود مختاری کی حامی تھی۔ کشمیریوں کی جدوجہد کی وجہ سے دونوں ممالک نے اقوام متحدہ میں کشمیریوں کے اس حق کو تسلیم کیا تھا۔ لیکن حالات نے کشمیریوں کو آگے نہ بڑھنے دیا اور پاکستان

اور بھارت نے ریاست پر اپنے قبضے کو اور مضبوط کر لیا۔ آج دونوں ممالک اپنے سابقہ وعدوں سے انحراف کر کے غلام کشمیریوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ریاستوں کو خود مختاری کا حق حاصل نہیں تھا۔ ہم تاریخی حقیقتوں کو دوبارہ سامنے لانے اور ان سے کشمیریوں کو روشناس کرانے کے لئے ذیل میں برطانیہ، کانگرس، مسلم لیگ اور ریاستوں کے نمائندوں کے الگ الگ مؤقف بیان کرتے ہیں۔

برطانیہ کا مؤقف:

برطانیہ نے شروع دن سے ریاستوں کو خود مختاری دے رکھی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ برصغیر پر قبضہ کرنے میں ان لوگوں نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ حکومت برطانیہ ان کے احسانات کو فراموش نہیں کرنا چاہتی تھی۔ باقی برصغیر پر قبضے کے دوران حکومت برطانیہ نے ریاستوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات کو برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہر ریاست کے ساتھ الگ معاہدہ تھا۔ مگر جب لارڈ ڈلہوزی کا دور اقتدار آیا تو اس ریاستوں کا الحاق کرنا ضروری سمجھا اور اس پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کی۔ کہا جاتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کی ہی پالیسی تھی، جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی بنیاد رکھی، چنانچہ لارڈ ڈلہوزی کی یہ پالیسی ترک کر دی گئی اور حکومت برطانیہ کی طرف سے ملکہ وکٹوریہ نے اعلان کر دیا کہ:-

" ہم اپنے مقبوضات میں مزید توسیع کے خواہشمند نہیں ہیں اور جہاں ہم اپنی حدود مملکت میں یا اپنے حقوق پر کسی طرح کا حملہ اور مداخلت برداشت نہیں کرتے وہاں، ہم دوسروں سے بھی وہی برتاؤ کریں گے۔ دیسی والیان ریاست کے حقوق، وقار اور احترام کا تحفظ کرنا ہمارا فرض ہے اور ہماری تمنا ہے کہ وہ بھی بہتر مستقبل سے بہرہ ور ہوں، جو صرف داخلی امن اور اچھی حکومت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ (۱)

---

(۱) رئیس احمد جعفری ص ۳۳

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانوی حکومت نے حتی الامکان اپنے اس عہد کی پاسداری کی ہے۔ اس کے بعد ریاستوں کو تنگ نہ کیا گیا۔ چنانچہ کابینہ مشن میں بھی ریاستوں کے بارے میں کوئی ایسی پالیسی اختیار نہ کی گئی، جس سے ریاستوں کی خود مختاری پر حرف آتا ہو۔ بلکہ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کو ہی حرف آخر سمجھا۔ اس کا واضح ثبوت ۱۲ مئی ۱۹۴۶ء کی یادداشت ہے، جس کا مفصل ذکر پیچھے آ چکا ہے۔ ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء کو وزیراعظم اٹیلی نے لارڈ مونٹ بیٹن کی وائسرائیلٹی کا اعلان کرتے ہوئے ریاستوں کے بارے میں پھر اعلان کیا۔

"جیسے کابینہ مشن نے وضاحت کر دی تھی کہ تاج برطانیہ وہ اختیارات جو اسے ریاستوں کے بارے میں حاصل ہیں، وہ برطانوی ہند کی کسی حکومت کو منتقل نہیں کئے جائیں گے۔"(۱)

"انہی الفاظ کو رئیس احمد جعفری نے یوں بیان کیا ہے:-

"ملک معظم کی حکومت کا قطعاً یہ ارادہ نہیں ہے کہ اپنے اختیارات بالادستی کسی اور حکومت یا حکومتوں کو منتقل کر دے۔"(۲)

اٹیلی کے اس بیان میں حکومت اور حکومتوں کا ذکر ہے۔ یہ اشارہ نئی حکومتوں، پاکستان اور بھارت کی طرف تھا کہ حقوق بالادستی کسی ایک ملک یا دونوں کو مشترکہ طور پر ہرگز نہ دیئے جائیں گے۔ سیدھی سی بات ہے، اختیارات بالادستی جب حکومت برطانیہ خود بھی نہیں رکھے گی، پاکستان یا بھارت کو بھی نہ دے گی، تو کیا اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ ریاستوں کو خود مختاری کا حق واپس مل رہا تھا۔

---

(۱) جسٹس یوسف صراف ص ۷۳۰، جلد دوم

(۲) رئیس احمد جعفری۔ ص ۵۵

لارڈ مونٹ بیٹن کا مؤقف

لارڈ مونٹ بینٹ کے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے کہ اس نے جانبداری کا مظاہرہ کیا تھا۔ یہ بات قطعی غلط نہیں اور نہ ہی اسے غلط ہونا چاہیئے۔ کیونکہ وہ جس ملک کا باشندہ تھا، اس کی مسلمانوں کے متعلق کبھی اچھی رائے نہیں رہی۔ اس لئے ایسے فرد سے غیر جانبداری کی توقع رکھنا عبث تھا۔ یہاں معاملہ ریاستوں کا زیر بحث ہے اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن تقسیم ہند سے متعلق سب سے اہم شخصیت تھی۔ اس کا جھکاؤ کسی طرف بھی تھا مگر مسلمہ آئینی اور قانونی پہلوؤں کو نظر انداز کرنا اس کے بس کی بات بھی نہ تھی۔ چنانچہ اسی نے ۳ جون کو تقسیم کے منصوبے کا اعلان کرنے کے ایک دن بعد پریس کانفرنس میں اعلان کیا

" ریاستوں کی حیثیت آزاد مملکتوں کی تھی، جنہوں نے انگریزوں کے ساتھ معاہدے کر رکھے تھے۔ اقتدار اعلی کے اختتام پر ریاستیں اپنی آزاد حیثیت حاصل کر لیں گی اور قطعاً آزاد ہوں گی کہ ایک آئین ساز اسمبلی میں شریک ہوں یا دوسری میں یا کوئی اور بندوبست کر لیں۔" (۱)

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ریاستوں کے متعلق تاج برطانیہ کی حقیقی پالیسی کا اعلان ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو والیان ریاست سے خطاب کے دوران کیا، جس میں اس نے آئینی اور قانونی صورت حال کی وضاحت کے ساتھ والیان ریاست کو الحاق کی ترغیب بھی دی مونٹ بیٹن کی تقریر کے ان اقتباسات کو کئی مصنفین نے بیان کیا ہے۔

---

(۱) ظہور پاکستان ص ۷۷

* (الف) اس نے والیان ریاست سے خطاب پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کہ اس کے سامنے دو بنیادی مسائل تھے۔ ایک برطانوی ہند کو اختیارات منتقل کرنا اور دوسرا ریاستوں کو نئی صورت حال میں سیٹ کرنا۔

(ب) قانون تقسیم ہند ریاستوں کو ان فرائض سے واگزار کرتا ہے، جو تاج برطانیہ کو حاصل تھے۔ ریاستوں کو مکمل خود مختاری حاصل ہو گئی ہے تیکنیکی اور قانونی لحاظ سے وہ خود مختار ہو گئی ہیں۔۔۔۔۔(۱)

کانگریس کا مؤقف

برصغیر پاک و ہند میں کانگرس ایک ایسی جماعت تھی، جو ریاستوں کو خود مختاری دینے کے حق میں نہ تھی اور یہ جماعت حکومت برطانیہ کو بھی مجبور کرتی رہی کہ قانونی موشگافیوں سے قطع نظر ہندوستان کو مختلف حصوں میں تقسیم نہ کیا جائے۔ اسی نقطہ نظر کے تحت وہ پاکستان کی تشکیل کی مخالف تھی۔ کانگرس نے بہت کوشش کی کہ ریاستوں کو بھارت یا پاکستان سے الحاق تک محدود کر دیا جائے اور کسی حد تک وہ کامیاب بھی رہی۔ مگر آئینی اور قانونی صورتیں اپنی جگہ موجود رہیں۔

یہاں پولیٹیکل ایجنٹ اور نہرو کے درمیان ایک تکرار درج کی جاتی ہے، جس میں نہرو اور کانگرس کے مؤقف کو آئینی اور قانونی لحاظ سے مسترد کر دیا گیا۔

۱۳ جون کو پارٹی لیڈر کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں کانگرس کی نمائندگی نہرو، پٹیل اور کرپلانی کر رہے تھے۔ مسلم لیگ کی طرف سے محمد علی جناح۔ لیاقت علی خان اور عبدالرب نشتر نمائندے تھے، جبکہ سکھوں کی طرف سے سردار

---

(۱) لارڈ مونٹ کی تقریر کا مکمل اقتباس Essential dacuments on Kashmir Dispute میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اقتباسات جسٹس صراف نے صفحہ ۱۳۱، ۲/ ۲ جوزف کورمل نے Danger in Kashmir میں صفحہ ۸ ۲ اور بھوشن داس گپتا نے "جموں و کشمیر" کے صفحہ ۲۰ پر بیان کیے ہیں۔

بلدیو سنگھ اور پولیٹیکل ایجنٹ سر کانراڈ فیلڈ اور برطانیہ کے مشیر سیاسی بھی موجود تھے ۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔" جس دن ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو اختیارات منتقل ہوں گے ، اسی دن ریاستوں پر سے بالادستی کا خاتمہ ہو جائے گا اور پھر پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ بھی بند کر دیا گیا جائے گا ۔۔

نہرو نے اس موقع پر کہا" جہاں تک تاج برطانیہ کی بالادستی کا تعلق ہے ، بات ٹھیک ہے ۔ لیکن دوسرے تمام معاملات ، جو نمائندہ تاج (Crown representative.) اور پولیٹیکل ایجنٹ سر انجام دیتے تھے ، انہیں اب حکومت ہند انجام دے گی۔ سر کانراڈ (پولیٹیکل ایجنٹ) نے کہا" اس طرح کی تقسیم ناممکن ہے ۔ نمائندہ تاج کے پس پشت ، جو چیز کام کر رہی تھی ، وہ یہ تھی کہ ریاستیں ہندوستان کے معاملات اور ہندوستان ریاستوں کے معاملات میں دخیل نہ ہو سکیں۔۔

نہرو نے کہا۔۔۔۔۔" پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی پالیسی کابینہ پلان اور ماؤنٹ بیٹن پلان کے خلاف ہے۔۔

سر کانراڈ نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

نہرو نے کہا۔۔۔۔ریاستیں پاکستان یا ہندوستان سے تو ملحق ہو سکتی ہیں لیکن وہ آزاد نہیں رہ سکتیں۔ سر کانراڈ نے کہا۔" رہ سکتی ہیں یہ ان کا دستوری اور قانونی حق ہے ۔۔(۱)

درج بالا بحث میں چند نہایت ہی اہم باتیں سامنے آتی ہیں۔ کیونکہ ریاستوں کے معاملات ، ریاستوں کا برطانیہ اور برطانوی ہند سے تعلق اور ریاستوں کی آئینی اور قانونی حیثیت کو سب سے بہتر سمجھنے والوں میں سے ایک پولیٹیکل ایجنٹ ہوتا تھا۔ چنانچہ اس بحث میں پولیٹکل ایجنٹ سر کانراڈ نے واضح اعلان کر دیا تھا کہ ریاستوں کی حیثیت آزاد و خود مختار مملکت کے طور پر برقرار رہ سکتی ہے ۔ کیونکہ یہ ان کا دستوری اور قانونی حق ہے ۔

---

(۱) رئیس احمد جعفری ۔ ص ۵۷ ۔

مسلم لیگ کا مؤقف

برصغیر پاک و ہند کی ریاستوں کے متعلق اگر کسی کا مؤقف حقیقت پسندانہ تھا تو وہ صرف مسلم لیگ اور قائداعظم محمد علی جناح کا تھا اور یہ قائداعظم کے تدبر، فہم و فراست اور دوراندیشی کی عمدہ مثال ہے۔ قائداعظم نے کئی موقعوں پر مسلم لیگ کی پالیسی بیان کی انہوں نے کہا، مسلم لیگ نہیں چاہتی کہ ریاستوں میں مداخلت کی جائے۔ مسلم لیگ اس بات کی حامی رہی ہے کہ ریاستیں اپنی مرضی سے کوئی راستہ بھی اپنا سکتی ہیں اور اس میں خودمختاری کا حق بھی شامل ہے۔ ۲۱ اپریل ۱۹۴۷ء کو لیاقت علی خان نے نہرو کے بیان کے جواب میں ایک بیان جاری کیا:

"کابینہ مشن اور مختلف اوقات میں واضح اعلانات کی رو سے ریاستوں کو یہ پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ نئی مملکتوں سے کسی قسم کا کوئی تعلق رکھنے سے انکار کر دیں۔ جب برطانوی ہند کو آزادی مل جائے گی تو ریاستوں کو یہ آزادی حاصل ہو جائے گی کہ وہ اپنے لئے ایک مکمل آزاد و خودمختار مملکت کے طور پر زندہ رہنے کا فیصلہ کریں۔"(۱)

۱۳ جون ۱۹۴۷ء کو پارٹی لیڈر کانفرنس، جس میں نہرو اور پولیٹکل ایجنٹ سر کانراڈ میں ریاستوں کے معاملے پر تکرار ہوئی تھی۔ سر کانراڈ نے نہرو کے مؤقف کو کلی طور پر مسترد کر دیا۔ اس کانفرنس میں قائداعظم محمد علی جناح اور نہرو کے درمیان بھی ریاستوں کے معاملے میں نوک جھونک ہوئی۔

" نہرو نے کہا کہ وہ اس صورت حال کو مکمل طور پر تسلیم کرتا ہے کہ ریاستیں اپنی خواہش کے مطابق چاہیں تو پاکستان سے الحاق کر سکتی ہیں۔ مگر کابینہ مشن کی یادداشت میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ ریاستیں خودمختاری کا بھی حق رکھتی ہیں۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے اس کے جواب میں کہا "کہ ان کے خیال میں ریاستوں کو یہ مکمل حق حاصل ہے کہ وہ کسی قانون ساز اسمبلی (بھارت یا پاکستان) میں شامل نہ ہوں کیونکہ ہندوستان کی ہر ریاست ایک آزاد و خودمختار ریاست ہے۔"

---

(۱) سسر گپتا ص ۴۰

نہرو نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ مگر قائداعظم نے پھر اس پر زور دیا" ریاستیں ہر لحاظ سے آزاد و خود مختار ہیں، ماسوائے اس کے کہ تاج برطانیہ کے ساتھ ان کے معاہدے ہیں۔ مگر برطانوی ہند (British India) ریاستوں کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں البتہ اگر ریاستیں چاہیں تو بھارت یا پاکستان سے نئے معاہدہ کر سکتی ہیں۔ مگر اس سلسلے میں ان پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں ڈالا جا سکتا۔

نہرو نے پھر کہا کہ اس کے خیال میں کابینہ مشن کا لب لباب یہ ہے " کہ ریاستیں بھارت یا پاکستان میں شامل ہو سکتی ہیں۔

قائداعظم نے اپنے مؤقف کو سختی سے پھر دوہرایا" کہ ان کے خیال کے مطابق کابینہ مشن نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ ریاستیں صرف بھارت یا پاکستان سے الحاق کی پابند ہیں۔(۱)

اس کے بعد قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے ۱۷ جون ۱۹۴۷ء کو ریاستوں کے بارے میں یہ عام اعلان کر دیا اور اس اعلان کو برصغیر کے تمام اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ یہاں پر " پاکستان ٹائمز " کا وہ بیان درج کیا جا رہا ہے، جسے امان اللہ نے .Free Kashmir میں اور سیسر گپتا نے " .Kashmir A study in India-Pakistan Relation میں نقل کیا اور اس کے علاوہ " Speaches and statements of Quaid-iAzam میں مرقوم ہے:۔

" (الحاق) کا اختیار صرف پاکستان اور ہندوستان تک محدود نہیں۔ اقتدار اعلیٰ ختم ہو سکتا ہے مگر کسی دوسرے کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ (دہلی ۱۷ جون ۱۹۴۷ء) ایم اے جناح نے کہا ہے کہ اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوتے ہی ہندوستانی ریاستیں آزاد ہوں گی۔ کہ پاکستان قانون ساز اسمبلی میں یا بھارتی قانون ساز اسمبلی میں شریک ہوں یا پھر آزاد و خود مختار رہیں۔۔۔۔۔

مسٹر جناح نے کہا کہ انڈین ریاستوں کے بارے میں بہت سی چہ مگوئیاں ہیں اور میں اس سلسلے میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پوزیشن کو واضح کرتا ہوں۔ مسلم لیگ کو ریاستوں کے وجود کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں۔

---

(۱) رئیس احمد جعفری ص ۵

آئینی اور قانونی لحاظ سے اقتدار اعلیٰ کے ختم ہوتے ہی ہندوستانی ریاستیں آزاد و خود مختار ہوں گی اور وہ اس بات کی کلی مجاز ہوں گی۔ وہ اپنے لئے کون سا راستہ اختیار کرتی ہیں۔ انہیں کلی اختیار ہے کہ وہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی سے الحاق کریں یا ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی سے یا پھر وہ آزاد اور خود مختار رہیں۔ آخری صورت میں یعنی خود مختاری کی شکل میں، یہ ریاستیں پاکستان یا ہندوستان سے اپنی مرضی کے مطابق مناسب معاہدے یا تعلق استوار کر سکتی ہیں۔۔

ریاستوں کے بارے میں آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی شروع سے ہی واضح ہے ہم کسی ریاست کے اندرونی معاملوں میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے، کیونکہ یہ مسئلہ ریاستی حکمرانوں اور ریاستی عوام کے حل کرنے کا ہے۔ اگر کوئی ریاست اپنی مرضی سے پاکستان قانون ساز اسمبلی میں شمولیت کی خواہشمند ہے یا وہ اس سلسلے میں گفت و شنید کرنا چاہتی ہے تو ایسی ریاست ہمیں تیار پائے گی اور ہم اس سلسلے میں خواہشمند رہیں گے۔ لیکن اگر وہ آزاد و خود مختار رہنا چاہتی ہے اور ہمارے ساتھ گفت و شنید کرنا چاہتی ہے۔ یا ہمارے ساتھ کوئی سیاسی۔ سماجی۔ معاشی یا دوسرا کوئی تعلق قائم کرنا چاہتی ہے، تو ہمیں ان سے بات چیت کرنے میں خوشی ہوگی اور ہم کسی ایسے نتیجے پر پہنچنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے جو دونوں فریقوں کو قابل قبول ہو۔

میرے خیال میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ کابینہ مشن کی ۱۲ مئی کی یادداشت میں، جس میں حکومت برطانیہ کی ریاستوں کے بارے میں پالیسی بیان کی گئی تھی، کسی صورت میں بھی صرف پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کرنے کو نہیں کہا گیا تھا۔ یہ بات اکثر غلط طور پر پیش کی جاتی ہے کہ ریاستوں کو صرف پاکستان یا ہندوستان کا حصہ بننا تھا۔ میرے خیال میں انہیں آزاد و خود مختار رہنے کا حق حاصل ہے اور اگر ریاستیں آزاد و خود مختار رہنے کی خواہشمند ہیں تو پھر حکومت برطانیہ یا برطانوی پارلیمنٹ یا کوئی اور طاقت ریاستوں کو ان کی مرضی کے خلاف کسی بات پر آمادہ نہیں کر سکتی اور نہ ہی کوئی طاقت ایسا کرنے کی مجاز ہے۔

برطانوی حکومت یہ واضح اعلان کر چکی ہے کہ اقتدار اعلیٰ کسی صورت میں بھی کسی حکومت یا حکومتوں کو یا برطانوی ہند کو منتقل نہیں کیا جائے گا۔ اس سے یہ بات

واضح ہوتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ ختم کیا جا رہا ہے نہ کہ منتقل کیا جا رہا ہے۔ اقتدار اعلیٰ کے خاتمے کی صورت میں ہندوستانی ریاستیں آزاد و خود مختار مملکتوں کی حیثیت اختیار کر لیں گی۔۔(۱)

اس کے بعد ۳۰ جون ۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے ریاستوں کے بارے میں پھر ایک بیان جاری کیا کہ:۔

" اقتدار اعلیٰ کی منتقلی کے ساتھ ہی ہندوستانی ریاستوں کو خود بخود آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور وہ اس سلسلے میں بالکل آزاد ہوں گی کہ وہ دونوں مملکتوں (بھارت اور پاکستان) میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر لیں یا آزاد و خود مختار رہیں۔۔(۲)

اس کے علاوہ مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی ۸ جولائی ۱۹۴۷ء کی قرارداد میں بھی ہندوستانی ریاستوں کے آزاد و خود مختار رہنے کی حمایت کی گئی تھی۔۔(۳)

ریاستوں کے آزاد و خود مختار رہنے کی حمایت کی گئی تھی۔۔(۴)

۳۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک بیان میں قائداعظم نے ایک بار پھر ریاستوں کے بارے میں وضاحت کی:۔

" انہوں نے کہا کہ مجھے مختلف اطراف سے پوچھا گیا ہے کہ حکومت پاکستان کا ریاستوں کے بارے میں کیا کردار ہو گا۔

" میرا خیال ہے کہ میں اس بارے میں کافی حد تک صحیح صورت حال بیان کر چکا ہوں۔ قانونی صورت تو یہ ہے کہ برطانیہ کی طرف سے اقتدار منتقل ہونے کے بعد اور ریاستوں پر سے حاکمیت اعلیٰ کے خاتمے کے ساتھ ہی تمام ریاستیں خود بخود ایک آزاد اور خود مختار ریاست کا درجہ اختیار کر لیں گی۔ وہ اس معاملے میں آزاد ہوں گی کہ وہ بھارت یا پاکستان سے الحاق کریں یا خود مختار رہنے کا فیصلہ کریں۔(۵)

---

(۱) امان اللہ خان " فری کشمیر۔ (انگریزی) ص ۷۰، ۲ (۲) سیسر گپتا " کشمیر گپتا " کشمیر۔ اے سٹڈی ان

جون اور جولائی ۱۹۴۷ء میں قائداعظم محمد علی جناح نے ریاستوں کے معاملے پر کئی بیان جاری کئے، جن کا مرکزی خیال درج ذیل رہا۔

" قانونی پوزیشن یہ ہے کہ انگریزوں کی طرف سے انتقال اقتدار کے ساتھ اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے گا اور سب ریاستوں کی آزاد و خود مختار حیثیت از خود بحال ہو جائے گی۔ لہذا ریاستوں کو آزادی ہے کہ وہ ایک ڈومینین میں شامل ہوں یا دوسری میں یا آزاد و خود مختار رہیں۔ مسلم لیگ ہر ریاست کے اس حق کو تسلیم کرتی ہے کہ وہ اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ مسلم لیگ کسی ریاست کو کوئی خاص راہ عمل اختیار کرنے پر مجبور کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔"(۱)

۱۱ جولائی ۱۹۴۷ء کو کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ ایک انٹرویو کے بعد قائداعظم نے ایک پریس بیان جاری کیا:۔

" انہوں نے کہا کہ کشمیر کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ آیا کشمیری مسلمان پاکستان کے ساتھ الحاق کر رہے ہیں۔ میں اس بات کی پہلے ہی ایک سے زائد بار وضاحت کر چکا ہوں کہ ریاستیں اس معاملے میں آزاد ہیں کہ وہ پاکستان سے الحاق کریں یا بھارت سے یا پھر آزاد و خود مختار رہیں۔"(۲)

سرور عباسی لکھتے ہیں " مسلم لیگ نے اعلان کیا کہ ریاستیں اس بارے میں بالکل آزاد اور خود مختار ہیں کہ پاکستان یا ہندوستان میں سے کسی ایک میں شامل ہو جائیں۔ اگر شامل نہ ہونا چاہیں تو آزاد رہ سکتی ہیں۔"(۳)

۲۱ اپریل ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ کے لیاقت علی خان نے ایک بیان جاری کیا:۔

" کابینہ مشن پلان کے مطابق اور ایچ۔ ایم۔ جی کی طرف سے جاری کی جانے والی وقتاً فوقتاً وضاحتیں یہ باور کراتی ہیں کہ ریاستوں کو یہ حتمی اختیار حاصل ہے کہ وہ (بھارت یا پاکستان) کی نئی مملکتوں کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے سے انکار کر دیں۔

---

(۱) ظہور پاکستان ص ۲۰۹ (۲) قائداعظم کی تقاریر و بیانات۔ ص ۵۱۴ (۳) ہفت روزہ "کشمیر" راولپنڈی جلد ۸ شمارہ ۴۴

جب برطانوی ہند کے مستقبل کا فیصلہ کیا جا چکا ہے تو ہندوستانی ریاستوں کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ بھارت یا پاکستان کے ساتھ بات چیت کے ذریعے معاملات طے کریں یا جو ان کے مفاد میں ہو یا وہ اپنے لئے مکمل علیحدہ خود مختار تشخص قائم کریں۔(۱)

کشمیر کی ڈوگرہ حکومت کا مؤقف

تقسیم ہند کے وقت مہاراجہ ہری سنگھ کشمیر کا والی اور پنڈت رام چندر کاک وزیراعظم تھا۔ تقسیم کے تناظر میں ان حکمرانوں کی رائے کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ تقسیم ہند اور قانون آزادی ہند کو انہوں نے کس طرح سمجھا۔ صورت حال کا بغور جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں افراد اس بات کے حق میں تھے کہ کشمیر آزاد و خود مختار رہے۔ اس سلسلے میں وزیراعظم کاک کی سرگرمیوں کا خصوصی نوٹس لیا گیا۔ اس کے علاوہ مہاراجہ کی طرف سے بھی خود مختاری کی خواہش عیاں رہی ہے۔ جہاں تک مہاراجہ کا بھارت سے الحاق کا سوال ہے، یہاں اس کے اس اقدام کا قطعاً کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگرچہ یہ اقدام چونکہ بعد کا ہے اور اس کا خصوصی پس منظر ہے۔ بہرحال تقسیم ہند کے وقت مہاراجہ کی خواہش خود مختار رہنے کی تھی تھی اور یہاں تقسیم ہند کے حوالے سے ریاستوں کی پوزیشن کا تعین بھی زیر بحث ہے۔

وی پی مینن لکھتے ہیں:

"مہاراجہ نے شیخ چلی کا دماغ پایا تھا۔ کچھ نہ کرنا اور بہترین کی توقع کرنا ان کا اصول تھا۔ علاوہ ازیں وہ جموں و کشمیر کی آزادی و خود مختاری کا خواب بھی دیکھ رہے تھے۔" (۱)

کلیم اختر لکھتے ہیں۔ "یہ تمام واقعات ان قرائن کی تصدیق کرتے ہیں کہ مہاراجہ ریاست جموں و کشمیر کو آزاد و خود مختار دیکھنے کا خواہشمند تھا۔" (۲)

امان اللہ لکھتے ہیں:

"مہاراجہ دلی طور پر کشمیر کو آزاد و خود مختار رکھنے کا خواہشمند تھا اور وہ پاکستان اور بھارت دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہشمند تھا۔ اس سلسلے میں اس نے معاہدہ قائمہ بھی دونوں ملکوں سے کرنا چاہا مگر بھارت نے انکار کر دیا۔" (۳)

لارڈ برڈ وڈ لکھتے ہیں:

---

(۱) رئیس احمد جعفری ص ۲۱۲ (۲) کلیم اختر "شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ۔ ص ۲۱۰

(۳) امان اللہ "فری کشمیر۔ ص ۹۳

"جب دوسری ریاستوں کو الحاق کی ترغیب دی گئی اور بہت سی ریاستوں نے ۱۵ اگست تک الحاق کی دستاویزات پر دستخط کر دیئے ۔ مہاراجہ کشمیر نے ایسا نہ کیا مہاراجہ ریاست کو آزاد و خود مختار رکھنے کے خیال کو عملی جامعہ پہنانے کی فکر میں تھا۔۔(۱)

جولائی ۱۹۴۶ء میں مہاراجہ نے اپنے دربار میں خطاب کرتے ہوئے بیرونی ہدایت کو رد کرتے ہوئے کہا:

"دوسرا اصول جو ہماری پالیسی کا حصہ ہے ، یہ ہے کہ ہم اپنے اس معاملے میں آزاد و خود مختار ہیں ، کہ ہم کیا فیصلہ کرتے ہیں ۔ اس بیرونی ہدایت کے بغیر جس کا ہماری ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔۔(۲)

Lopiesse and Larry callins. لکھتے ہیں:۔

"کہ مہاراجہ تخت پر براجمان رہنا چاہتا تھا اور اپنی ریاست کو خود مختار رکھنے کا خواب دیکھ رہا تھا:۔(۳)

گورو راؤ لکھتے ہیں:۔

"مہاراجہ کشمیر نے چند دوسرے والیان ریاست کی طرح تقسیم کے وقت یعنی ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک بھارت یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور وہ ایک آزاد و خود مختار جموں و کشمیر کا خواب دیکھ رہا تھا۔۔(۴)

کرن سنگھ ، جو ہری سنگھ کا بیٹا ہے ، اس نے اپنی تصنیف میں اپنے والد کے بارے میں اہم انکشاف کئے ہیں ، جن میں مہاراجہ کا کشمیر کے متعلق نظریہ بھی واضح کیا گیا۔

وہ لکھتے ہیں:۔

"میرے پتا جی کی دیرینہ خواہش یہ تھی کہ وہ انگریزوں کے تابع نہ رہیں بلکہ خود ایک خود مختار حکمران بن جائیں۔

کشمیر کی بڑی ریاستوں نے ابھی کوئی فیصلہ نہ کیا تھا۔ پتا جی ابھی تک مخمصوں میں مبتلا تھے ۔ لارڈ مؤنٹ بیٹن کے مشوروں کو بھی انہوں نے زیادہ اہمیت نہ دی انہیں دعوتوں شکار اور پارٹیوں میں الجھانے رکھا اور کام کی بات کرنے کا وقت آیا بھی تو کنی کترا گئے مؤنٹ بیٹن جب کشمیر سے گیا تو زیادہ خوش نہ تھا۔۔

---

(۱) نوٹیشن لنڈ کشمیر۔ ص ۳۸ (۲) سیسر گپتا ص ۹۲ (۳) انٹرنیشنل آفیسرز ۱۰۳ (۴) گوراج راؤ ص ۲

پتا جی کوئی فیصلہ نہ کر پائے۔ آخر کار طے یہ ہوا کہ ریاست کی موجودہ حیثیت قائم رکھی جائے۔ پاکستان نے اسے قبول کر لیا اور دستخط بھی کر دیئے۔ یوں آزاد بھارت نے اس پر دستخط کرنے سے انکار بھی نہ کیا اور دستخط کرنے کی نوبت بھی آنے نہ دی (۱)۔

پنڈت کاک نے اپنی معطلی سے پہلے مہاراجہ کشمیر کو ایک نوٹ لکھا جس میں اس نے کہا کہ " ریاست جموں و کشمیر کو کم از کم ایک سال آزاد و خود مختار رکھنا ضروری ہے۔" (۲)

اس کے بعد حالات و واقعات کی روشنی میں کوئی مزید فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

پنڈت کاک نے ۱۶ جولائی، ۱۹۴۷ء کو قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کے بعد وزیراعظم کاک کے مؤقف میں مزید سختی آ گئی۔ یہاں اس بات کا تجزیہ ضروری ہے کہ رام چندر کاک ریاست کو آزاد و خود مختار رکھنے پر کیوں مصر تھا اور ہندوستان کے ساتھ الحاق کیوں پسند نہ کرتا تھا، جبکہ وہ ہندو تھا۔ ڈوگرہ حکومت میں کاک پہلا کشمیر وزیراعظم تھا اور نہایت مدبر شخص تھا۔ یہ بات تو عیاں تھی کہ الحاق کے بعد ریاستوں اور ان کے حکمرانوں کا وجود ختم ہو جائے گا، جبکہ ریاستوں کو خود مختاری کا حق بھی حاصل تھا۔ پنڈت نہرو وغیرہ کے رویہ سے مہاراجہ اور پنڈت کاک دونوں نالاں تھے۔ اس کے علاوہ وی پی مینن نے اس بات کا انکشاف بھی کیا ہے کہ ہم نے ابتداء میں ہی پنڈت کاک سے الحاق کے بارے میں گفتگو کی تھی تو وہ ٹال گئے تھے۔ اس کے بعد کاک نے قائداعظم سے ملاقات کی تھی اور قائداعظم سے ملاقات کے بعد کاک کے نظریے میں زیادہ سختی آ گئی۔ وجہ یہ تھی کہ قائداعظم ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کے قطعاً خلاف تھے۔ دوسرا کہا جاتا ہے کہ قائداعظم نے کشمیر کو خود مختار رکھنے کے سلسلے میں مسلم کانفرنس کے دو لیڈروں چوہدری حمیداللہ اور اسحاق قریشی کو بھی کہا جاتا ہے کہ ریاست کی آزادی کے لئے اس کا خود مختار رہنا ضروری ہے۔ خیال یہی ہے کہ کاک کی قائداعظم سے ملاقات میں کشمیر کی آزادی و خود مختاری کا فیصلہ ہوا ہو گا۔

---

(۱) کرن سنگھ " راہبر اپراٹ " انگریزی۔ بحوالہ تلخیص اردو ڈائجسٹ مئی ۸۳ ۱۹ء (۲) جسٹس صراف ص ۶۱۵

یہی وجہ ہے کہ بعد میں پاکستان نے کشمیر کے ساتھ معاہدہ قائمہ کر لیا تھا
اس کے بعد ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ مہاراجہ اگر کشمیر کی خود مختاری کا حامی تھا تو پھر اس نے ہندوستان سے الحاق کیوں کیا۔ یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ نے کاک کو وزیر اعظم مقرر کیا ہوا تھا، جو انتہائی ہوشیار اور مدبر شخص تھا۔ جب کاک نے ہندوستانی لیڈروں کو نرغا دیا اور حالات کو ریاست کی خود مختاری کے لئے ساز گار بنانے لگا تو گاندھی نے کشمیر کا دورہ کیا اور مہاراجہ ہری سنگھ پر مختلف ذرائع سے دباؤ ڈلوا کر وزیر اعظم پنڈت کاک کو معطل کرا دیا۔

جسٹس صراف نے اس بارے میں لکھا ہے کہ " مہا سبھا عناصر نے مہاراجہ کے کان بھرے کہ وزیر اعظم کاک نے قائد اعظم سے ملاقات کی ہے اور قائد اعظم کی رائے کے مطابق وہ ریاست کے بارے میں پالیسی مرتب کر رہا ہے۔
(۱)

چنانچہ مہاراجہ نے ان باتوں میں آ کر پنڈت کاک کو معطل کر دیا اب وہ ہندوستانی لیڈروں کے مقابلے میں تنہا رہ گیا اور کسی محاذ پر ان سے مقابلے کا حوصلہ نہ رکھتا تھا۔ اسی اثنا میں کشمیر میں بغاوت ہو گئی اور قبائلی بھی کشمیر میں داخل ہو گئے۔ مہاراجہ کے لئے اب یہ مسئلہ انتہائی پریشان کن تھا۔ اب اس کی گدی کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اس کی فوجیں بھاگ رہی تھیں۔ ہندوستانی لیڈر پہلے ہی الحاق کے لئے اس کے پیچھے پڑے تھے۔ اس نے گدی بچانے کے لئے ہندوستان سے مدد کے لئے کہا۔ ہندوستان نے پہلے الحاق کی شرط پیش کی اور وہ اس وعدے کے ساتھ کہ حالات ساز گار ہونے کے بعد عوام کی مرضی معلوم کی جانے گی۔

پنڈت پریم ناتھ بزاز ایک انٹرویو میں اس سوال کے جواب میں کہ " اگر قبائلی حملہ نہ کرتے تو مہاراجہ ہری سنگھ کیا فیصلہ کرتے، لکھتے ہیں کہ مہاراجہ کی اپنی خواہش تھی کہ کشمیر دو مملکتوں، ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک آزاد و خود مختار اور غیر جانبدار ملک رہے۔

---

(۱) جسٹس صراف ص ۵، جلد اول

تاکہ دونوں ملکوں کے ساتھ اس کے برابر کے تعلقات رہیں (۱)

اور اس بات کی تائید لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں پھر کی ہے۔ یہ تائید اس نے جسٹس صراف کے اس سوالنامے کے جواب میں کی ہے، جو انہوں نے تقسیم ہند کے اس مرکزی کردار سے ریکارڈ کے لئے بعض تاریخی باتیں اپنی معروف کتاب" Kashmiris Fights for Freedom ۔ کی تالیف کے لئے پوچھی تھیں۔ (ملاحظہ ہو جلد۲ ص ۱۴۰۱) یہی وجہ ہے کہ مہاراجہ کی حکومت نے دونوں ممالک سے معاہدہ قائمہ کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ ریاست آزاد و خود مختار رہے اور جو خلا برطانوی حکومت کے ساتھ معاہدات کے خاتمہ سے پیدا ہو گا، وہ پر ہو جائے اس سلسلے میں وزیراعظم پنڈت کاک نے ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کو ٹیلی گرام دی کہ:

۔ جموں و کشمیر کی حکومت پاکستان سے ان تمام معاملات پر معاہدہ قائمہ کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتی ہے، جو پہلے برطانوی ہند سے متعلق تھے اور یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ معاہدے کی تجدید اور معاملات کی تفصیلات بعد میں طے کی جائیں گی۔ (۲)

پاکستان نے اس معاہدے کو قبول کرتے ہوئے اسی دن جوابی ٹیلی گرام دے دی۔

مقامی سیاسی پارٹیوں کا مؤقف

جب ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا اور کشمیر غلامی کی نئی زنجیریں پہن رہا تھا، اس وقت کشمیر میں چند سیاسی پارٹیاں بھی سرگرم عمل تھیں۔ ان میں سے دو پارٹیاں مشہور تھیں۔ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس۔ پہلی کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ اور دوسری جماعت کے قائد چوہدری غلام عباس تھے۔ یہ دونوں تنظیمیں ایک دوسرے کے مخالف تھیں اور یہی مخالفت مختلف وقتوں میں تحریک آزادی کو نقصان پہنچاتی رہی۔

---

(۱) ہفت روزہ کشمیر ۳ مئی ۸۲ ۱۹ء (۲) جسٹس صراف ص ۱۵۰

تاکہ دونوں ملکوں کے ساتھ اس کے برابر کے تعلقات رہیں (۱)

اور اس بات کی تائید لارڈ مونٹ بیٹن نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں پھر کی ہے۔ یہ تائید اس نے جینس صراف کے اس سوالنامے کے جواب میں کی ہے، جو انہوں نے تقسیم ہند کے اس مرکزی کردار سے ریکارڈ کے لئے بعض تاریخی باتیں اپنی معروف کتاب "Kashmiris Fights for Freedom" کی تالیف کے لئے پوچھی تھیں۔ (ملاحظہ ہو جلد۲ ص ۱۴۰۱) یہی وجہ ہے کہ مہاراجہ کی حکومت نے دونوں ممالک سے معاہدہ قائمہ کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ ریاست آزاد و خود مختار رہے اور جو خلا برطانوی حکومت کے ساتھ معاہدات کے خاتمہ سے پیدا ہو گا، وہ پر ہو جائے اس سلسلے میں وزیراعظم پنڈت کاک نے ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کو ٹیلی گرام دی کہ:

"جموں و کشمیر کی حکومت پاکستان سے ان تمام معاملات پر معاہدہ قائمہ کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتی ہے، جو پہلے برطانوی ہند سے متعلق تھے اور یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ معاہدے کی تجدید اور معاملات کی تفصیلات بعد میں طے کی جائیں گی۔ (۲)

پاکستان نے اس معاہدے کو قبول کرتے ہوئے اسی دن جوابی ٹیلی گرام دے دی۔

مقامی سیاسی پارٹیوں کا مؤقف

جب ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا اور کشمیر غلامی کی نئی زنجیریں پہن رہا تھا، اس وقت کشمیر میں چند سیاسی پارٹیاں بھی سرگرم عمل تھیں۔ ان میں سے دو پارٹیاں مشہور تھیں۔ نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس۔ پہلی کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ اور دوسری جماعت کے قائد چوہدری غلام عباس تھے۔ یہ دونوں تنظیمیں ایک دوسرے کے مخالف تھیں اور یہی مخالفت مختلف وقتوں میں تحریک آزادی کو نقصان پہنچاتی رہی۔

---

(۱) ہفت روزہ کشمیر ۳ مئی ۱۹۸۲ء (۲) جینس صراف ص ۱۵۰

نیشنل کانفرنس:-

نیشنل کانفرنس کے سربراہ اس وقت شیخ عبداللہ تھے ، جو کانگرس کے زیادہ قریب تھے ۔ نیشنل کانفرنس نے ان دنوں "کشمیر چھوڑ دو" تحریک چلا رکھی تھی، جس کے جرم میں شیخ عبداللہ جیل میں تھے ۔۔ کشمیر چھوڑ دو ۔ تحریک کا مقصد یہی تھا کہ کشمیر سے انگریز اور ڈوگرہ آمر سمیت تمام غاصب قوتیں نکل جائیں ۔اس تحریک کے لب لباب سے ہی یہ بات ظاہر ہے کہ نیشنل کانفرنس کشمیر کی مکمل آزادی چاہتی تھی ۔ کابینہ مشن جب ہندوستان آیا تھا تو نیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ کی قرارداد کے بعد شیخ عبداللہ نے ایک تار میں کابینہ مشن کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی کہ:-

"کشمیر کے لوگ برطانیہ کے ہندوستان سے چلے جانے کے بعد اپنے ناقابل انکار مطالبہ آزادی پر زور ڈالتے ہیں ۔ ہم اس امر کا بھی اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی معاہدہ خواہ وہ کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو ، چالیس لاکھ سے زیادہ مردوں اور عورتوں کو ایک مطلق العنان انسان کے حوالے نہیں کر سکتا ، جبکہ ایسی حکومت کے تحت رہنے کی خواہش ہی ان میں نہ ہو ۔ کشمیر کے عوام نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ اپنی قسمت آپ بنائیں گے اور مشن سے اپیل کرتے ہیں کہ ہمارے مطالبات کی قوت اور جواز تسلیم کر لے ۔ (۱)

اور یہ بات بلاشک و شبہ کہی جا سکتی ہے کہ نیشنل کانفرنس اس وقت ریاست جموں کشمیر کی سب سے بڑی جماعت تھی ۔

مسلم کانفرنس:

مسلم کانفرنس کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ یہ کشمیر میں مسلم لیگ کے مفادات کی نگران ہے اور یہ بات کسی حد تک درست بھی تھی ۔ ۱۰ جولائی

---

(۱) کلیم اختر - شیر کشمیر شیخ عبداللہ ۔ ص ۱۵۶

۱۹۴۷ء کو قائداعظم نے مسلم کانفرنس کے دو لیڈروں کو دہلی بلایا اور کشمیر کے مسئلے پر گفتگو کی۔ یہ دونوں لیڈر قائم مقام صدر مسلم کانفرنس چوہدری حمیداللہ اور اسحاق قریشی تھے۔ چوہدری غلام عباس اس وقت جیل میں تھے۔ چنانچہ مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کا ۱۷ جولائی کو اجلاس ہوا، جس میں کشمیر کو خود مختار رکھنے کی قرارداد پاس کی گئی۔ اس کے بعد ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو مسلم کانفرنس کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا۔ اس وقت تک مسلم کانفرنس دو حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ ایک خود مختار کشمیر کا حامی گروہ تھا اور دوسرا الحاق پاکستان کا۔ اس اجلاس کی روداد یہ ہے کہ چوہدری حمیداللہ قائداعظم کی ایما پر خود مختار کشمیر کی قرارداد پاس کرانا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لئے چوہدری غلام عباس کا ایک خط بھی سنایا گیا، جس میں ممبروں سے کہا گیا کہ وہ خود مختار کشمیر کے حق میں ووٹ دیں۔ کہا جاتا ہے کہ چوہدری غلام عباس نے یہ رائے قائداعظم کی ایماء پر قائم کی تھی۔ مگر آخری وقت پر پونچھ سے چند ممبروں نے اس قرارداد کو بے اثر بنا دیا اور الحاق پاکستان کے حق میں قرارداد منظور ہوئی۔ ان باتوں کی تصدیق کے لئے سردار ابراہیم کی "کشمیر کی جنگ آزادی" اور امان اللہ خان کی "فری کشمیر" کتابیں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

مسلم کانفرنس کے مؤقف کی وضاحت کی یہاں ضرورت اس لئے ہوئی کہ یہ لوگ اب اسی بات پر اصرار کر رہے ہیں کہ کشمیر کو صرف پاکستان یا بھارت کا حصہ ہی بننا تھا۔ یہ بات ان ساری تاریخی حقیقتوں کے باوجود کر رہے ہیں، جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب یہ سمجھنے کے لئے کسی لمبی چوڑی عقل کی ضرورت نہیں۔ مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی نے خود مختار کشمیر کے حق میں قرارداد اس لئے منظور کی تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں یہ حق حاصل ہے۔ اگر وہ سمجھتے کہ انہیں خود مختاری کا حق حاصل نہیں تو بھلا ایسی قرارداد کیسے منظور ہوتی؟۔ مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمیداللہ نے جموں کے ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس میں ورکنگ کمیٹی کے فیصلوں کا اعلان کیا۔

انہوں نے کہا:-

"پاکستان سے الحاق پر ریاست کے ہندوؤں کو ناگواری ہو گی اور ہندوستان سے

الحاق پر مسلمان رضامند نہ ہونگے ۔ اس صورت حال کی روشنی میں ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کسی کے ساتھ الحاق نہ کیا جائے ۔ دوسری بات جس کا ہم نے فیصلہ کیا ہے ، وہ ریاست کی خود مختاری ہے ۔۔۔۔۔۔

مجھے بشمول چوہدری غلام عباس مسلم کانفرنس کے سارے رہنماؤں کی اس فیصلہ میں حمایت حاصل ہے ۔ ایک ماہ کے اندر مسلم کانفرنس کا رہنما کنونشن منعقد ہو گا ، جہاں اس کی منظوری حاصل کی جائے گی ۔ اس طرح یہ فیصلہ اب مسلم کانفرنس کی پالیسی ہو گا ۔

انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ مسلم لیگ نے یہ منصوبہ انہیں دیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ " ہم اس فیصلے تک انتہائی دیانتداری سے مقامی حالات کی روشنی میں پہنچے ہیں ۔ البتہ مسلم لیگ کی یہ پالیسی شروع سے رہی ہے کہ وہ ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کے خلاف ہے ۔ یہ بات ہمارے حق میں جاتی ہے ۔ میں پوری دیانتداری سے کہتا ہوں کہ اس سلسلے میں ہماری مسلم لیگ کے کسی لیڈر یا کارکن سے بات نہیں ہوئی ۔۔۔۔۔۔

ہمارے لئے مناسب ترین بات یہ ہے کہ مسلم لیگ اور کانگرس دونوں ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیں ۔

۔۔۔۔۔۔ جب ہم کہتے ہیں کہ ہم ہندوستان اور پاکستان سے الگ رہنا چاہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم دونوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات چاہتے ہیں ، مگر ہم کسی ایک کا بھی ریاست میں عمل دخل پسند نہیں کرتے ۔ ہم سیاسی اور معاشی تعلقات دونوں ملکوں سے رکھیں گے ۔۔۔۔۔۔ (۱)

کشمیر پر لکھنے والوں نے تقسیم ہند کو کیا سمجھا ؟

ہندوستان کی مجموعی صورت حال ، تقسیم ہند کا پس منظر ، قانون تقسیم ہند ،

---

(۱) جینس صراف ص ۸۰ ، جلد اول

ریاستوں کے بارے میں برطانوی حکومت، کانگرس اور مسلم لیگ کے نکتہ ہائے نظر بیان کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کی قانونی اور آئینی پوزیشن کے بارے میں ان مصنفین اور مفکرین کی آراء پیش کی جائیں، جنہوں نے تقسیم ہند کی رو سے مسئلہ کشمیر کو سمجھا اور پھر اس پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

اس بات کو اکثر مصنفین نے تسلیم کیا ہے کہ جس طرح دوسری تمام ریاستوں کو قانون تقسیم ہند کی رو سے خود مختاری کا حق حاصل ہو گیا تھا، اسی طرح ریاست جموں و کشمیر کو بھی یہ حق حاصل ہو گیا تھا۔ کیونکہ برطانیہ کے ساتھ معاہدوں کے ختم ہوتے ہی ریاستوں پر سے بالادستی کا اختیار ختم ہو گیا تھا۔ چنانچہ تقسیم ہند کے اعلان کے بعد بہت سی ریاستوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ الگ تفصیل ہے کہ کسی وجہ سے ان ریاستوں کی خود مختاری برقرار نہ رہ سکی۔ چنانچہ کشمیر کے بارے میں کھسر پھسر تقسیم ہند سے پہلے ہی شروع ہو گئی تھی اور کانگرس اپنے منشور کے مطابق ریاست کے حکمران پر ڈورے ڈالنے لگی تھی۔ حکمران ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ تھا، جو ہندو تھا مگر اس کے متعلق یہ ایک رائے موجود ہے کہ وہ وزیراعظم رام چند کاک کے مشورے پر کشمیر کی خود مختاری پر عملاً تیار ہو گیا تھا۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اس نے ہر دو ممالک یعنی پاکستان اور بھارت کے ساتھ معاہدہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر بھارت نے انکار کر دیا تھا۔

ایک پاکستانی سکالر لکھتے ہیں۔

"۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کے بعد دوسری ریاستوں کی طرح ریاست جموں و کشمیر بھی آزاد ہو چکی تھی۔ اسے پاکستان یا بھارت کے ساتھ الحاق کرنے یا خود مختار رہنے کا حق حاصل تھا۔ اس سلسلہ میں ہر ریاست کو لازمی طور پر دیکھنا تھا کہ جغرافیائی اعتبار سے اس کے لئے کیا اقدام ضروری ہے۔" (۱)

---

(۱) صلاح الدین ناسک "تحریک آزادی"۔ ص ۳۸۶

اے ایم روزن تھال نمائندہ نیو یارک ٹائمز لکھتا ہے :-

" نظریاتی طور پر اس بات کا فیصلہ انہیں مقامی حکمرانوں کے ذمے تھا کہ کیا وہ بھارت میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان میں یا پھر آزاد رہنا چاہتے ہیں ۔ مشترک دباؤ اور سالانہ وظیفے کے وعدے کے تحت بہت سے مقامی حکمرانوں نے آزاد رہنے کا خیال دل سے نکال دیا، لیکن تین مقامی حکمرانوں نے اپنی آزادی برقرار رکھنے کی امید میں بھارت اور پاکستان کو نرغانا بھی چاہا ۔ ان میں سے پہلا نظام حیدرآباد اور دوسرا نواب آف جوناگڑھ اور تیسرا مہاراجہ کشمیر ہری سنگھ تھا (۱)

سید حسن ریاض لکھتے ہیں :-

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو، جو برصغیر کی تقسیم کے نفاذ کا دن تھا، دوسری ریاستوں کی طرح جموں و کشمیر بھی قانون استقلال کی رو سے آزاد تھی اور اس کو یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ خواہ پاکستان کے ساتھ الحاق اختیار کرے یا بھارت کے ساتھ یا خود مختار رہے ۔ ۔ (۲)

امان اللہ خان لکھتے ہیں :-

" قانون تقسیم ہند کی رو سے ریاست جموں و کشمیر کے لئے دو راستے تھے کہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کر لیں یا پھر آزاد و خود مختار رہنے کا اعلان کر دیں ۔ ۔ (۳)

A.Lamb کشمیر کے متعلق لکھتے ہوئے کہتا ہے !

" جولائی ۱۹۴۷ء کا قانون آزادی ہند، جس کی رو سے برطانوی اقتدار برصغیر سے ختم ہوا، برطانوی حاکمیت اعلی ختم ہوئی اور جس نے والیان ریاست کو پاکستان یا بھارت سے الحاق یا خود مختار رہنے کا حق دیا ۔ ۔ (۴)

S.L.Poplai. لکھتا ہے :-

" ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو دوسری ریاستوں کی طرح ریاست جموں و کشمیر بھی اس معاملے میں آزاد تھی کہ وہ کسی نئی حکومت سے الحاق کرے یا نہ کرے ۔ ۔ (۱)

دہلی سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں اس مسئلے پر قانونی پوزیشن کو یوں

---

(۱) ہفت روزہ " نصرت " لاہور ۱۹۶۰ء ص ۱۲۰ (۲) سید حسن ریاض " پاکستان ناگزیر تھا " ص ۵۴۸ (۳) امان اللہ " فری کشمیر " ص ۳۲ (۴) Crises in Kashmir ص ۳۶۵

بیان کیا گیا:۔

دہلی سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں اس مسئلے پر قانونی پوزیشن کو یوں
بیان کیا گیا:۔

S.L.Poplal لکھتا ہے:۔

" ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ریاست جموں و کشمیر قانون کی رو سے ایک آزاد و خود مختار ریاست بن گئی۔ ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو اس کی حکومت نے تار کے ذریعے حکومت پاکستان اور بھارت کو معاہدہ قائمہ کی پیشکش کی، جسے پاکستان نے قبول کر لیا اور بھارت نے ریاست کے نمائندے کو بلا بھیجا۔"

اس آئینی اور قانونی بات کو جموں و کشمیر ہائی کورٹ نے ایک مقدمہ منگر سنگھ بنام گورنمنٹ آف جموں و کشمیر میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے لکھا:۔

تقسیم ہند سے پہلے ریاست کا حکمران بیرونی اقتدار اعلیٰ کے حوالے سے تاج برطانیہ کا وفادار تھا۔ مگر اندرونی طور پر وہ قانونی، انتظامی اور عدالتی اعتبار سے مکمل طور پر آزاد تھا۔ قانون آزادی ہند کی دفعہ ۷ کے تحت ہندوستانی ریاستوں پر سے تاج برطانیہ کا اقتدار اعلیٰ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ختم ہو گیا اور ریاست جموں و کشمیر بین الاقوامی قانون کی رو سے ایک آزاد و خود مختار مملکت بن گئی اور اس کا ایک آزاد و خود مختار مملکت کا تشخص اس وقت ختم ہو گیا، جب مہاراجہ نے اس کا بعض امور میں بھارت سے الحاق کر دیا۔" (۲)

سردار ابراہیم لکھتے ہیں " ریاست جموں و کشمیر کے لوگوں کے سامنے تین راستے ہیں

(۱) ہندوستان کے ساتھ الحاق (۲) پاکستان کے ساتھ الحاق (۳) مکمل آزادی و خود مختاری (۳)

مائیکل بچر رقمطراز ہے:۔

" اس پر عموماً اتفاق رائے پایا جاتا ہے، کہ واضح قانونی نقطہ نظر سے ریاستوں کو اپنے اس عمل میں مکمل آزادی حاصل تھی کہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کریں یا مکمل خود مختار رہیں۔" (۴)

ایس۔ ایم۔ برق کا خیال ہے:۔

"قانونی پوزیشن تو یہ تھی کہ ریاستیں مکمل طور پر خود مختار ہو گئی تھیں اور ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق ان کے لئے لازم نہ تھا۔"(۱)

اب غور طلب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ جب کشمیر کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ خود مختار رہنے کا اعلان کر دے اور کشمیر کی اکثریت اس بات کی حامی تھی، برطانوی حکومت کا اعلان بھی واضح تھا، مسلم لیگ اور قائداعظم اپنے مؤقف پر سختی سے ڈٹے ہوئے تھے، مہاراجہ ہری سنگھ اور پنڈت کاک بھی اس بات کے حامی تھے تو پھر کشمیر کی آزاد حیثیت کا اعلان کیوں نہ کیا جا سکا؟ اس قسم کے سوالات کی چھان پھٹک سے ہمارے مؤقف کی حقانیت کھل کر سامنے آ سکتی ہے۔

جب برطانوی ہند تقسیم ہوا اور کشمیر کے پر سکون ماحول میں ہلچل مچی تو مہاراجہ حکمران تھا، جو ہندو تھا، مسلمانوں کی دو سیاسی پارٹیاں نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس بہت مؤثر تھیں۔ ان کا مہاراجہ کے ساتھ تصادم برپا تھا اور یہ تصادم ڈوگرہ حکومت کے مظالم کا جواب تھا، جو وہ نصف صدی سے اہل کشمیر پر ڈھا رہی تھی۔ مہاراجہ کے ساتھ یہ تصادم ناگزیر تھا۔ نیشنل کانفرنس نے "کشمیر چھوڑ دو" کی تحریک شروع کر رکھی تھی اور مسلم کانفرنس نے بھی آخری وقت میں "ڈائرکٹ ایکشن" کا اعلان کیا تھا۔ ان باتوں سے حکومت اور مقامی سیاسی پارٹیوں میں اعتماد کی فضا ناپید تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کو عوام کا تعاون حاصل نہ ہو سکا۔

پنڈت رام چندر کاک وزیراعظم کشمیر کی خود مختاری کے حق میں تھا، مگر اسے سازش کے تحت ہٹا دیا گیا تھا۔ چنانچہ مہاراجہ ابھی گومگو کی حالت ہی میں تھا کہ کشمیر کے مختلف علاقوں سے بغاوت کی خبریں آنے لگیں۔ پونچھ اس کا مرکز تھا اور پھر تھوڑے ہی عرصے بعد قبائلی بھی کشمیر میں داخل ہو گئے اور ساری صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی اب مہاراجہ سے خود مختاری کے اعلان کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ بغاوت کے بعد اسے اپنی گدی بچانے کی فکر تھی اور یہ کسی بیرونی طاقت کی مدد ہی سے ممکن تھا۔ عوام تو پہلے ہی اس ظالم حکمران سے نالاں تھے

---

(۱) "The main Springs of Pakistan foreign policy".

جب کہ اس کی فوجیں بھاگ رہی تھیں۔ ایسے وقت میں مہاراجہ جیسے شخص اپنی گدی بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ایسے مطلق العنان حکمران اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مہاراجہ نے بھی اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے بھارت سے امداد طلب کی اور جیسے کوئی ملک امداد دینے سے پہلے اپنی شرائط منواتا ہے اسی طرح بھارت نے بھی الحاق کی شرط منوائی۔ خود مختاری کا اعلان چونکہ قانونی لحاظ سے مہاراجہ نے کرنا تھا اور وہ موجود حالات کی بنا پر ایسا نہ کرسکا۔ اب ضروری یہی تھا کہ پہلے اس کی مطلق العنان حکومت ختم کی جائے اور ریاست کی خود مختاری کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ ریاست کے مسلمانوں نے ایسے ہی کیا۔ پہلے مہاراجہ کی فوجوں کو بھگایا اور ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک باغی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس عمیق اور نازک نکتے پر سنجیدگی اور مانع نظری سے غور کرنے کی ضرورت ہے کہ باغی حکومت کا اعلان ہی دراصل ریاست کی خود مختاری کا اعلان تھا۔ کیونکہ اس باغی حکومت نے کسی ملک کے ساتھ الحاق کا کوئی معاہدہ نہیں کیا تھا۔ البتہ حکومت پاکستان کے ساتھ معاہدہ قائمہ کی تجدید کی جو پہلے مہاراجہ کشمیر نے حکومت پاکستان سے کیا تھا۔

تقسیم ہند کے آسیبی سائے

برصغیر تقسیم ہو گیا۔ بھارت اور پاکستان دو آزاد ملک دنیا کے نقشے پر ابھر آئے۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان آزاد ہو گیا مگر برصغیر کے ایک کونے میں صورت حال قدرے مختلف تھی۔ دو صدیوں کی غلامی کے بعد برصغیر کے لوگ آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہو رہے تھے اور بدقسمت خطہ کشمیر کو مسلسل غلامی کے بعد آزادی کے اس دور میں غلامی کی نئی زنجیریں پہنائی جا رہی تھیں۔ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ غیر کشمیریوں کے ہاتھ میں تھا۔ بھارت بہرحال اس خطہ جنت بے نظیر کو اپنے تسلط میں لانا چاہتا تھا۔ گاندھی، نہرو، پٹیل، وی۔ پی مینن اور مہاراجہ اس ڈرامے کے اصل کردار ہیں۔ مگر کوئی ایک فریق بھی اپنی تمنا پوری نہ کر سکا۔ کشمیر نہ تو سارا بھارت کے حصے میں آیا نہ مہاراجہ حکمران رہ سکا اور نہ ہی پاکستان اپنا "ک" پورا کر سکا۔ ہوا یوں کہ جب اس ڈرامے کی ریہرسل دہلی اور جموں میں ہو رہی تھی تو پونچھ کے بعد جموں کے مسلم اکثریت والے علاقوں کے لوگوں کو اس ڈرامے کی حقیقت معلوم ہوئی۔ انہوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی وادی میں پہلے ہی "کشمیر چھوڑ دو تحریک" زیر زمین جا چکی تھی اور خواجہ غلام محی الدین قرہ روپوش ہو کر نہایت کامیابی سے اسے تحریک چلا رہے تھے۔ آخری دنوں میں ایک طویل خاموشی کے بعد مسلم کانفرنس نے "ڈائریکٹ ایکشن" تحریک شروع کر دی۔ یہ بغاوت کی ایک صورت تھی، جس نے مہاراجہ کے ایوانوں میں کھلبلی مچا دی۔ پونچھ اور جموں کے لوگوں نے الحاق بھارت کی افواہوں پر احتجاج کیا۔ تو اس کا جواب برستی گولیوں سے دیا گیا۔ پونچھ میں لوگوں کے وسیع پیمانے پر قتل عام اور گرفتاریوں نے سارے کشمیر کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہ خبر جب قبائلی علاقوں میں پہنچی تو جذبہ جہاد سے سرشار قبائلی مسلمان کشمیر میں داخل ہو کر کشمیریوں کے شانہ بشانہ جنگ میں شامل ہو گئے۔ قبائلی کشمیر میں ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو داخل ہوئے۔ پونچھ کے لوگ تربیت یافتہ فوجی تھے اس کے علاوہ مظفرآباد اور میرپور کے لوگوں کی اکثریت بھی فوج میں تھی۔ چنانچہ مہاراجہ کی فوجیں کہیں بھی نہ جم سکیں اور پیچھے ہٹنے لگیں۔ مجاہدین کی یلغار سے مہاراجہ اتنا گھبرایا کہ جموں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ ہندوستانی لیڈر پہلے ہی اس کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ ایسا موقع انہیں دوبارہ نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ خود ہی الحاق کے

کاغذ مکمل کر کے بھاگتے ہوئے مہاراجہ سے دستخط کرا لئے۔ اس طرح ہندوستان کی فوج سرینگر میں اترنے لگی ٹھیک اس موقع پر جب کشمیری حملہ آور سرینگر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مسلم لیگ کے ایک سالار نے حملہ آوروں کو دو دون بارہ مولا میں روکے رکھا کہ پہلے سرینگر کے محلوں کی آپس میں تقسیم کر لی جائے تاکہ بعد میں تنازعہ نہ ہو اور اس اثنا میں بھارتی فوجوں نے پوزیشنیں لے لیں۔ اب ہندوستانی فوجوں سے مقابلہ کشمیری مجاہدوں اور قبائلیوں کے بس کا روگ نہیں تھا۔ سرینگر کی قدرتی رکاوٹیں بھی ان کے سد راہ تھیں۔ چنانچہ یہ حملہ آور پیچھے ہٹنے لگے۔ جہاں تک کہ پاکستانی فوج کشمیر میں داخل ہوئی اور یوں کشمیر ٹکڑوں کی شکل اختیار کر گیا۔ کشمیری مجاہدوں اور قبائلیوں کی اس جنگ میں پاکستان کی حکومت کا کردار انتہائی گھناؤنا رہا ہے، جس کا انکشاف اس وقت پاکستانی افواج کے سربراہ میجر جنرل اکبر خان نے "Riaders in Kashmir" میں کیا ہے اور جس کا ترجمہ عنایت اللہ مدیر ماہنامہ "حکایت" لاہور نے مکتبہ داستان لمیٹڈ کے زیر اہتمام "کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس" کے نام سے کیا ہے۔

جہاں تک پاکستانی افواج کے داخلے کا تعلق ہے، یہ فوجیں اس وقت کشمیر میں داخل ہوئیں جب پاکستان کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ہندوستان کی سرحد پاکستان کے اندر آ رہی ہے۔ چنانچہ اس طرح ۸۴۴۹۳ مربع میل خطہ کشمیر دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر ۵۲ ہزار مربع میل سے زائد بھارت اور ۳۲ ہزار مربع میل سے زائد پاکستان کے ہاتھ آیا اس کے بعد بھارت نے لداخ کی طرف سے کچھ علاقہ بھارت چین جنگ میں کھو دیا اور ادھر پاکستان نے کشمیریوں کو ان کی پاکستان سے ہمدردی کا یہ صلہ دیا کہ باقی کشمیر کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ۲۷ ہزار مربع میل گلگت و بلتستان کو بھارت کی طرح پاکستان نے براہ راست مرکزی حکومت کے تحت لے رکھا ہے اور ۴ ہزار مربع میل کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر "آزاد کشمیر" کی کٹھ پتلی حکومت سجا رکھی ہے۔

کشمیر ---- بھارت ---- پاکستان

کشمیر بھارت کا حصہ نہیں!

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں!

کشمیر بھارت کا حصہ نہیں

تاریخی نقطہ نظر سے

آئینی اور قانونی نقطہ نظر سے

دستاویز الحاق کی روشنی میں

بین الاقوامی وعدوں کی رو سے

مذہبی نقطہ نظر سے

اقتصادی نقطہ نظر سے

ثقافتی نقطہ نظر سے

۱۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں، تاریخی نقطہ نظر سے:

کشمیر اس وقت دو ملکوں کے درمیان تقسیم ہو کر غلامی کا شکار ہے۔ دونوں ممالک۔ بھارت و پاکستان اس کی ملکیت کے دعویدار ہیں۔ بھارت کے پاس اپنے دلائل ہیں اور پاکستان کے پاس اپنے۔ گذشتہ صفحات میں بعض تاریخی واقعات و حالات کا جائزہ لے کر ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ کشمیر کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت رہی ہے۔ اس کے باوجود ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بھارت و پاکستان کے ان دلائل کا منطقی جواب دیا جائے، جن کی رو سے وہ اسے اپنا حصہ گردانتے ہیں۔

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک مسلمانوں کی آمد سے پہلے کا ہندوستان، دوسرا مسلمانوں کی آمد کے بعد کا ہندوستان۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ادوار میں کشمیر ہندوستان کا حصہ نہیں رہا۔ مغلوں نے اکبر کے دور میں اسے فتح ضرور کیا، مگر اسے ہندوستان میں شامل کرنے میں ناکام رہے۔ البتہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے کئی علاقے کشمیر کے باجگذار رہے ہیں۔ والٹر لارنس لکھتا ہے:۔

"اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ کشمیر اس وقت سے ایک باقاعدہ مملکت رہی ہے، جب سے تاریخ لکھنے کا رواج ہوا۔"

کشمیر کی مملکت کے بھی دو ادوار ہیں۔ ایک ماقبل اسلام اور دوسرا بعد از اسلام۔ دور ماقبل اسلام کشمیر میں ہندو حکمرانوں کی تاریخ ہے، جو تاریخ کے طاقت ور حکمران گزرے ہیں۔ ان کے دور میں ہندوستان کشمیر کے زیرنگیں رہا ہے، جیسے راجہ للتادت کے دور میں۔ مسلمان حکمرانوں کے دور میں بھی کشمیر کی آزاد اور ایک طاقت ور ملک کی

حیثیت زندہ رہی ۔ اس دور میں شہاب الدین نے ہندوستان کے علاوہ کئی دوسرے ممالک کو زیر نگیں کیا۔ ان باتوں کی تائید کئی تاریخی واقعات سے ہوتی ہے ۔ خصوصاً سندھ کے راجہ داہر کا خط جو محمد بن قاسم کو لکھا گیا، جس سے کشمیر کے حکمران کی طاقت اور ہندوستان سے تعلق بخوبی نمایاں ہوتا ہے ۔ اس خط کا اقتباس بعنوان " قدیم تاریخ " میں بیان ہو چکا ہے ۔ یہاں اس کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے ۔

" اگر میں تمہارے مقابلے کے لئے راجہ کشمیر کو لکھتا، جس کے آستانے پر ہندوستان کے تمام راجے اپنا سر جھکاتے ہیں اور جس کے زیر نگیں نہ صرف ہندوستان ہے بلکہ مکران و توران کے علاقے بھی ان کے باجگذار ہیں، جس کی غلامی کا جوا بڑے بڑے امیروں اور سرداروں نے از خود پہن رکھا ہے اور جس کے خلاف کسی کو دم مارنے اور سر اٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی ۔ " (۱)

۲ ۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ۔ آئینی اور قانونی نقطہ نظر سے ۔:

یہاں آئین اور قانون کا تعین بھی مشکل امر محسوس ہوتا ہے ۔ انگریزوں کے قبضے سے پہلے مغل حکمران تھے ۔ وہ اپنے وقت کے روایتی آئین اور قانون کی دھجیاں بکھیر کر اپنی مملکت کو اس قابل بنا چکے تھے کہ کوئی طاقت ور قوم حملہ آور ہو اور ہندوستان پر قبضہ کر لے ۔ سو انگریزوں نے تاریخ کی اس پکار پر لبیک کہی اور یوں سارا ہندوستان انگریزوں کا محکوم ہو گیا ۔ اس لئے مغلوں نے جو کشمیر پر قبضہ کیا تھا، وہ باقی نہ رہ سکا ۔ کشمیر نے دوبارہ ایک آزاد ریاست کا روپ دھار کر انگریزوں سے آزادانہ معاہدے کے تحت اپنے مستقبل کا تعین کر لیا ۔ انگریز جب ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہوا تو آئین اور قانون کا پھر چرچا ہوا ۔ انگریز سرکار کو اپنے آئین اور قانون کی پاسداری ہی عزیز تھی ۔ اسی کے مطابق برصغیر پاک و ہند تقسیم ہو کر بھارت و پاکستان دو مملکتیں بن گئیں ۔ ہندوستان کی روایتی قدیم

---

(۱) بحوالہ آئینہ کشمیر ص ۱۰م

مخلوط تاریخ مذہبی بنیادوں پر تقسیم ہو گئی - یوں اس کے ساتھ ہی وہ سارے ہندوستانی روایت آئین و قانون بھی (اگر تھے) دفن ہو گئے - ریاستوں کے سلسلے میں انگریز و ریاستوں کے درمیان وہ معاہدات ہی بطور آئین و قانون رہ گئے، جو ہر ریاست نے اپنی طاقت و حیثیت کے مطابق کر رکھے تھے - کشمیر ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے ایک درخشاں ماضی کا امین تھا - اس وجہ سے کشمیر کے مہاراجہ نے معاہدے کے خاتمے کے ساتھ ہی آزاد و خود مختار حیثیت بحال رکھنے کی آرزو کا اظہار کیا، جو حالات کے بھنور میں پوری نہ ہو سکی - تفصیل اس اجمال کی آئندہ صفحات میں پیش کی جا رہی ہے -

۳ - کشمیر بھارت کا حصہ نہیں - دستاویز الحاق کی روشنی میں

بھارت کا یوں تو صرف ایک دعویٰ ہے اور وہ ہے طاقت کا یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس - لیکن دنیا کو بے وقوف بنانے کے لئے بھارت نے جس بات کا سہارا لیا ہوا ہے، وہ مہاراجہ کشمیر کا اعلان الحاق ہے - چنانچہ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ تقسیم ہند کے پس منظر میں کیا مہاراجہ کو ایسا اختیار حاصل تھا؟ اور کیا جب مہاراجہ نے الحاق کا خط لکھا تو وہ کشمیر کا بااختیار حکمران تھا اور کیا بے اختیار حکمران کا جعلی الحاق کا خط غیر مشروط طور پر تسلیم کیا گیا تھا یا مشروط - اب ہم باری باری ان سوالوں کا جائزہ لیتے ہیں -

تقسیم ہند کے اعلان سے پہلے اور بعد میں بھی برطانوی حکومت اور اس کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے متعدد بار یہ اعلان کیا کہ ریاستوں کے حکمران الحاق کا فیصلہ عوام کی مرضی سے کریں - اب ہم کشمیری عوام کی مرضی دیکھتے ہیں - کسی سیاسی پارٹی نے الحاق ہندوستان کی قرارداد پاس نہیں کی تھی - کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور جو اکثریت الحاق کی شکل میں الحاق صرف پاکستان سے کر سکتی تھی - جب کہ ہندو آبادی بھی یہ سمجھتی تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت ہے، اس لئے ان کی رائے بہتر ہے - پنڈت کاک وزیر اعظم کشمیر اور پنڈت پریم ناتھ بزاز ہندوستان سے الحاق کے مخالف تھے - جب کہ مسلم کانفرنس پہلے ہی الحاق پاکستان کی قرارداد منظور کر چکی تھی اور نیشنل کانفرنس نے مہاراجہ سے ہی کشمیر کو چھوڑ

دینے کے لئے تحریک چلا رکھی تھی۔

حکومت برطانیہ کی طرف سے قانون تقسیم ہند کے علاوہ یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ جو ریاستیں دونوں حکومتوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق کرنا چاہیں ، وہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء تک کر لیں۔ چنانچہ ریاستوں کی اکثریت نے تقسیم کے دن سے قبل الحاق کر لیا تھا۔ مگر چند ریاستوں نے الحاق نہیں کیا تھا۔ جس کا واضح مطلب یہی تھا کہ وہ الحاق پر رضامند نہیں تھیں۔ اگر برطانیہ کے اس مشورے کو قانون مان لیا جائے تو تقسیم کے بعد اس کی افادیت خود بخود ختم ہو جاتی ہے کیونکہ ۱۵ اگست کے بعد برطانیہ کا کوئی قانون مؤثر نہیں رہا تھا۔ اس نقطہ نظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر مہاراجہ کو الحاق کا حق حاصل بھی تھا تو بھی اس نے وقت پر اس کا فیصلہ نہ کر کے اسے ساقط کر دیا تھا اور ۱۵ اگست کے بعد کا فیصلہ تقسیم ہند کے قانون کے تناظر میں نہیں لیا جا سکتا۔ یہ مطلق العنان مہاراجہ کا ذاتی فیصلہ تھا جس سے ملک کے عوام کو اختلاف رکھنے یا اسے قبول نہ کرنے کا حق حاصل تھا۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ برطانوی حکومت نے ایسی ریاستوں کو عوامی مشورے کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کرنے کو کہا تھا ، جہاں حکمران ہندو اور اکثریت مسلمانوں کی ہو یا حکمران مسلمان اور اکثریت ہندوؤں کی ہو۔

الحاق مشروط تھا!

جہاں تک الحاق کی دستاویز اور اس کی قبولیت کا تعلق ہے ، اگر ہم اس بات کو جائز مان لیں کہ ۱۵ اگست کے بعد بھی مہاراجہ کو الحاق کا اختیار حسب سابق تھا اور ماؤنٹ بیٹن کو قبولیت الحاق کا ، تو بھی ان دستاویزات الحاق سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ الحاق ایک عوامی استصواب رائے سے مشروط تھا اور جب تک یہ استصواب نہیں ہو جاتا ، الحاق عارضی ہو گا۔ ذیل میں مہاراجہ کا خط اور ماؤنٹ بیٹن کا جواب درج کیا جاتا ہے۔ جس سے اس بات کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے :۔

ہز ہائی نس مہاراجہ آف جموں و کشمیر کا خط ہز ایکسلینسی گورنر جنرل ہندوستان مورخہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

مائی ڈیر ماؤنٹ بیٹن!

میں جناب والا کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میری ریاست میں شدید ہنگامے برپا ہو گئے ہیں جن کے لئے مجھے فوری آپ کی مدد کی ضرورت ہے جیسا کہ جناب والا آگاہ ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر نے پاکستان یا ہندوستان کسی ایک سے بھی الحاق نہیں کیا ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ہی ملکوں سے ملحق ہے اور دونوں ہی کے ساتھ اس کے سیاسی اور سماجی رشتے ہیں۔ علاوہ ازیں میری ریاست کی سرحدیں روس اور چین سے بھی ملتی ہیں جسے اپنے خارجہ تعلقات کے لئے ہندوستان اور پاکستان دونوں مملکتیں بھی نظرانداز نہیں کر سکتیں۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے کے لئے وقت درکار تھا کہ میں ہندوستان کے ساتھ الحاق کروں یا پاکستان کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھوں چنانچہ میں نے دونوں مملکتوں سے جوں کا توں معاہدہ کی درخواست کی ہے، جسے پاکستان نے منظور کر لیا۔ لیکن ہندوستان نے میری حکومت کے نمائندے سے مزید گفتگو کی ضرورت محسوس کی، جس کا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر میں انتظار نہ کر سکا۔ بہرحال اس معاہدے کی رو سے حکومت پاکستان ریاست کے تار اور ڈاک کا انتظام کر رہی ہے۔ اگرچہ ہم پاکستان کے ساتھ معاہدہ کر چکے ہیں۔ لیکن اس حکومت نے دباؤ کے تحت گلا گھونٹنا شروع کر دیا ہے۔ خصوصاً اشیائے خورد و نوش نمک اور پٹرول کی سپلائی بند کر دی ہے۔ آفریدی سادہ لباس میں ملبوس سپاہی اور جدید اسلحہ سے لیس لوگوں کو ریاست میں ٹرکوں کے ذریعہ داخلہ کی اجازت دی گئی۔ جو آغاز میں پونچھ پہنچے۔ پھر سیالکوٹ اور آخر میں ہزارہ سے ملحقہ علاقے راولا کوٹ کی جانب سے گروہ در گروہ پہنچنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محدود شمار کی ریاستی فوج کے سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ وحشی قوتیں، جو میری ریاست کے اندر داخل ہو گئی ہیں، میرے گرمائی دارالحکومت سرینگر کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہیں کہ پوری ریاست پر قبضہ کیا جا سکے۔ شمال مغربی سرحد کے دور دراز علاقوں سے قبائلیوں کی خاصی تعداد ٹرکوں کے ذریعے آ رہی ہے۔ ان کے پاس جدید قسم کا اسلحہ ہوتا ہے۔ یہ سب صوبہ سرحد اور حکومت پاکستان کے علم میں ہے۔ میں نے متعدد اپیلیں کیں مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ پاکستان ریڈیو نے تو ایک کہانی بھی گھڑی ہے کہ کشمیر میں ایک عارضی

حکومت قائم کر لی گئی ہے۔ موجودہ صورت حال کا تقاضا ہے کہ ہندوستان سے مدد طلب کروں۔ لازمی طور پر یہ مدد مجھے اس وقت تک نہیں مل سکتی، جب تک میری ریاست ہندوستان سے الحاق کا فیصلہ نہیں کر لیتی۔ چنانچہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے اور اس خط کے ہمراہ الحاق کے کاغذات آپ کی منظوری کے لئے ارسال خدمت ہیں۔ میں جناب والا کو مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہے کہ فوری طور پر عارضی حکومت قائم کر دوں اور شیخ عبداللہ سے کہوں کہ وہ میرے وزیر اعظم کے ساتھ مل کر اس ہنگامی حالت میں فوری طور پر ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ اگر آپ میری ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو سرینگر میں فوری مدد درکار ہے۔ مسٹر مینن ساری صورت حال سے آگاہ ہیں۔ اگر مزید کسی استفسار کی ضرورت ہو تو وہ بیان کر سکتے ہیں۔ یہ تحریر بہت جلدی میں لکھی گئی ہے۔ بعد احترام۔

آپ کا مخلص

ہری سنگھ

محل جموں ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

مونٹ بیٹن نے اس کا جواب یوں لکھا۔

"میرے پیارے مہاراجہ صاحب!

مسٹر وی پی مینن نے آپ کا خط مجھے مورخہ ۲۶ اکتوبر کو دیا۔ ان خصوصی حالات میں جو آپ نے بیان فرمائے، میری حکومت نے آپ کی ریاست کا الحاق ہندوستان سے قبول کر لیا ہے۔ ہماری پالیسی کے پیش نظر، جس ریاست کا الحاق متنازعہ ہوا، اسے عوام کی خواہشات کے مطابق طے ہونا چاہیئے۔ میری حکومت کو حملہ آوروں سے پاک کرنے کے بعد الحاق کا مسئلہ عوام کی کانفرنس پر چھوڑ دیا جائے۔ اس اثنا میں آپ کی اپیل پر ہندوستان کی فوج کے دستے آپ کی فوج کی امداد کے لئے بھیجنے کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ میری حکومت اور میں مطمئن ہوں کہ آپ نے شیخ عبداللہ سے عارضی حکومت کے لئے کہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ بعد احترام۔ آپ کا مخلص

۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء — مونٹ بیٹن آف برما۔(۱)

---

(۱) کلیم اختر۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ۔ ص ۲۲۰

الحاق کے وقت مہاراجہ کی پوزیشن

اب ہم دوسری طرف دیکھتے ہیں کہ جب مہاراجہ نے دستاویز الحاق پر دستخط کئے تو مہاراجہ کی پوزیشن کیا تھی۔ صورت یہ تھی کہ کشمیر میں بغاوت ہو چکی تھی۔ عوام صدیوں کی غلامی کو جوا اتار پھینکنے کے لئے ڈوگرہ ریاستی فوجوں پر چیتے کی طرح جھپٹ رہے تھے۔ جب مہاراجہ کو سرینگر خطرے میں نظر آیا تو وہ وہاں سے بھاگ کر جموں پہنچ گیا۔ اسی اثنا میں وی۔ پی مینن الحاق کے کاغذات بنا کر اس کے پاس لے آیا۔ چنانچہ مہاراجہ نے بھارت سے درخواست کی کہ وہ مدد کرے۔

بھارت سے الحاق کی درخواست اس بات کا واضح اعلان تھا کہ کشمیر پر اب اس کا کنٹرول نہیں ہے اور یہ اس کا اعلان شکست تھا کہ اب وہ اکیلے اپنی فوجوں سے ریاست پر حکمرانی برقرار نہیں رکھ سکتا۔ اسی میں اس کا یہ اعتراف بھی پنہاں ہے۔ کہ اب وہ بااختیار حکمران نہیں رہا اور جب بغاوت ہو جائے تو جب تک بغاوت فرو نہ ہو جائے۔ یا باغی ملک پر قبضہ نہ کر لیں، ملک کا کوئی حکمران نہیں ہوتا۔ اس اثنا میں اس کے فیصلے غیر متنازعہ ملکی فیصلے نہیں ہوتے۔ پھر جب کسی ملک کا سربراہ دارالحکومت سے بھاگ جاتا ہے تو اور کسی دوسرے ملک سے مدد کے لئے کہتا ہے کہ اب حالات میرے بس میں نہیں تو سوچا جا سکتا ہے کہ اب اس کے اس مملکت کے کتنے اختیارات ہیں۔ دنیا کا کون سا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ جب کسی ملک کے حکمران کے خلاف بغاوت ہو جائے اور وہ بے اختیار ہو جائے تو وہ اگر اپنے ملک کو کسی ملک کے حوالے کرنے کا اعلان کرتا ہے تو کون احمق اس کی بات پر کان دھرے گا؟ دنیا کا کون سا قانون اس کی تائید کرے گا، جب مہاراجہ نے الحاق کی دستاویز پر دستخط کئے اس وقت وہ یہ تسلیم کر چکا تھا کہ ریاست کا کنٹرول اس کے اختیار میں نہیں رہا۔ بلکہ اس کا اعلان تھا کہ یہ وحشی کہاں سے آگئے ہیں، جن کے آگے ریاستی فوج بھاگ رہی ہے۔ بھارت نے امداد سے پہلے الحاق کی شرط رکھی، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ مہاراجہ نے الحاق بے

بسی میں کیا ہے، جسے کسی طرح بھی درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور آخر میں ہم بھارت کے پہلے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو کی اس تقریر کا حوالہ دینا ضروری سمجھتے ہیں، جس میں اس نے مہاراجہ کے الحاق کو استصواب رائے کی شرط کے ساتھ قبول کیا اور وہ یہ تسلیم کرنے پر اس لئے آمادہ تھا کہ وہ اپنے ملک کے عوام کی قسمت کا فیصلہ کرے۔ نہرو نے کہا۔

" ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ کشمیر کے مقدر کا فیصلہ وہاں کے عوام کریں گے۔ یہ عہد نامہ جو ہم نے کیا ہے اور مہاراجہ نے اس کی حمایت کی ہے، اسے ہم صرف کشمیر نہیں بلکہ ساری دنیا کے لئے چاہتے ہیں اور ہم اس سے ہرگز نہ پھریں گے۔ ہم تیار ہیں کہ جب کشمیر میں قانون کی علمداری واپس آ جائے تو بین الاقوامی ادارہ یا اقوام متحدہ کی نگرانی میں ایک استصواب رائے منعقد ہو اور ہم کشمیری عوام کی رائے کا احترام کریں۔" (۱)

۴ ۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ۔ بین الاقوامی وعدوں کی رو سے

۱۔ الحاق کی دستاویز پر دستخط مہاراجہ سے اس مجبوری کے دوران کرا لینے کے باوجود یہ معاملہ یکسو نہ ہو سکا ۔ کشمیر متنازعہ اور تقسیم ہو گیا ۔ بھارت اسے اقوام متحدہ میں لے گیا ۔ بھارت کا اسے اقوام متحدہ میں لے جانے کا مطلب یہی تھا ۔ کہ وہ کونسا ضابطہ کلر کشمیر پر لاگو ہو گا ، جس سے اس علاقے کے مستقبل کا تعین ہو ۔ گو بھارت نے مہاراجہ کے الحاق کو بنیاد بنا کر یہ دعوی ضرور کیا کہ ازروئے الحاق کشمیر بھارت کا حصہ ہے ۔ اقوام متحدہ اگر بھارت کے اس دعوے کو قبول کر لیتی تو یقیناً پاکستانی افواج سے کہا جاتا کہ وہ کشمیر بھارت کے لئے خالی کر دے ۔ اقوام متحدہ نے ایسا نہیں کیا ۔ بلکہ اقوام متحدہ کے کمشن نے ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء کو ایک قرارداد کے ذریعے دونوں کے اندر جنگ بند کرنے اور ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ عوام کی مرضی سے کرنے کا اعلان کیا ، جسے دونوں ملکوں بھارت و پاکستان نے منظور کر لیا ۔ دوبارہ ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کو پھر ایک قرارداد منظور کی گئی ، جس میں یہ قرار پایا کہ کشمیر کے بھارت یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ بھی استصواب رائے کے ذریعے ہی ہو سکے گا ۔

۲۔ ابتدائی قراردادوں اور اس کے بعد منظور کی جانے والی قراردادوں میں استصواب رائے کے ذریعے کشمیر کا فیصلہ کیے جانے کی ، جو مہاراجہ نے رضامندی دی ، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ بھارت سے مہاراجہ کا الحاق بے معنی ہو جاتا ہے ۔ تنازعہ ہی چونکہ مہاراجہ کے اعلان الحاق سے پیدا ہوا تھا ، اس بنا پر بھارت اقوام متحدہ گیا اور اقوام متحدہ نے مسئلے کو نئے سرے سے حل کرنے کے لئے کشمیری عوام کو بنیادی فریق قرار دے کر استصواب رائے ضروری قرار دیا ۔

۳۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اس سے قبل ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ٹیلگرام کے ذریعے یہ اعلان کیا :-

" میں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ موجودہ ہنگامی

حالات میں کشمیر کی مدد کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ریاست بھارت سے الحاق کرے ، ہمارا نظریہ یہ ہے ، جیسے ہم نے متعدد بار عوام کے سامنے پیش کیا ہے ، کہ متنازعہ علاقہ یا کسی ریاست کے الحاق کا فیصلہ وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق ہو گا اور ہم اس کے پابند ہیں۔

پھر ۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو آل انڈیا ریڈیو پر نشری تقریر کے دوران اس کا کاروبار عہد کیا۔

۲۶ جون ۱۹۵۲ء کو بھارتی پارلیمنٹ میں اعلان کیا۔

" اگر غیر جانبدارانہ استصواب رائے عامہ کے ذریعے کشمیری عوام کہتے ہیں ، ہم ہندوستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے ، ہم یہ فیصلہ تسلیم کرنے کے پابند ہیں ۔ ہم اسے تسلیم کریں گے خواہ یہ ہمارے لئے کتنا ہی تکلیف دہ ہو۔

۲ اگست ۱۹۵۲ء کو دوبارہ پارلیمنٹ میں خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا :

" کشمیر ہمارے دل و دماغ کے بہت قریب ہے اور اگر کسی فیصلہ یا بدبختی کے باعث کشمیر ہندوستان کا حصہ نہیں رہتا ، یہ ہمارے لئے المیہ اور دکھ کا باعث ہو گا۔

۵۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں۔ مذھبی نقطہ نظر سے

تاریخ سے تو یہ بات عیاں ہے، کہ مذھب ہمیشہ سے ایک اہم عنصر رہا ہے۔ البتہ اس دور میں اظہار رواداری کیلئے قلمکار مذھبی بحث کرنے سے گریزاں ہیں۔ یہی رویہ کشمیر کے بارے میں بھی اختیار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے رواداری کم اور تعصب کی سوچ زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ حقائق نظرانداز کرنے سے مسائل بڑھتے ہی رہتے ہیں۔

برصغیر میں دو بڑی مذھبی قوتیں محکومی کے اثرات کی بدولت مزید ایک ریاست یا مملکت کے تحت اکٹھے رہنے پر متفق نہ ہوسکیں۔ یہ حقیقت عیاں ہونے کے بعد برطانوی ہندوستان مذھبی بنیادوں پر تقسیم ہوگیا۔ تقسیم کیلئے جو اصول و ضوابط طے ہوئے۔ ان کی رو سے کشمیر بھارت کا حصہ نہیں بنتا۔ مذھبی بنیادوں پر مسلم اکثریت کے اصول کے تحت اسے پاکستان کا حصہ قرار دیا جانا چاہئے تھا۔ یہ بھی اس لئے نہ ہوا کہ ریاستوں اور خصوصاً کشمیر کا معاملہ اس ذیل میں نہیں آتا تھا۔

۶۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں۔ اقتصادی نقطہ نظر سے

جدید دور میں اقتصادی تعلق اور اسکے راستے کسی مملکت کی زندگی اور موت کی مدت کا تعین کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی کشمیر کے تجارتی راستے بھارت سے نہیں ملتے۔ وادی سے بھارت کے ساتھ ابھی تک کوئی موثر زمینی رابطہ قائم نہیں ہوسکا۔ بانہال سرنگ یا ایک انتہائی پیچیدہ و مشکل سڑک کو موثر تعلق نہیں کہا جاسکتا۔

۱۹۱۳ء میں برطانوی حکومت اور ریاستی حکومت کے درمیان مواصلات خصوصاً ریلوے لائن کے متعلق معاہدہ ہوا تھا۔ برطانوی حکومت کے سروے کے مطابق ریاست کے ساتھ جن زمینی راستوں کی نشاندھی کی تھی، وہ سارے راستے اب پاکستان کے ساتھ لگتے ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:۔

۱۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ سرینگر براستہ بانہال۔

۲۔ گجرات۔ بھمبر۔ راجوری۔ شوپیاں اور سرینگر۔

۳۔ جہلم۔ میرپور۔ کوٹلی۔ پونچھ۔ اوڑی۔ سرینگر

۴۔ راولپنڈی۔ کوہ مری۔ دو میل۔ بارہ مولا سرینگر

۵۔ حویلیاں۔ ایبٹ آباد۔ مظفر آباد۔ سرینگر۔ (۱)

۷۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں۔ ثقافتی نقطہ نظر سے

تہذیب و ثقافت، رسم و رواج اور رہن سہن کے طور طریقے کا ہی نام ہے۔ یہ ملتا جلتا ہو تو معاشرے کے اندر مسائل کی تعداد کم ہوتی ہے۔ ثقافتی ٹکراؤ کی صورت میں معاشرہ ہر وقت خوف و غم کی کیفیت میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جو مسلمان بھارت کے اندر رہ گئے ہیں، وہ گذشتہ کئی برسوں سے ایک خوف زدہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ کشمیر میں گو تہذیب و ثقافت سارے برصغیر کی طرح کے ہندوؤں سے مختلف ہے۔ مگر اس کے سارے علاقوں کی ثقافت بھارت سے ہم آہنگ نہیں، اور پاکستان کے ساتھ بھی سوائے چند اسلامی رسوم و رواج و قانون کے ہم آہنگ نہیں۔ اس لئے ثقافتی نقطہ نظر سے بھی اسے بھارت کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں

۱۔۔۔۔۔۔۔تاریخی نقطہ نظر سے

۲۔۔۔۔۔۔۔آئینی اور قانونی نقطہ نظر سے

۳۔۔۔۔۔۔۔دو قومی نظریہ اور کشمیر

۴۔۔۔۔۔۔۔قائداعظم اور مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے

۵۔۔۔۔۔۔۔حق خودارادیت چہ معنی دارد؟

۶۔۔۔۔۔۔۔پاکستان کے ۴۴ سالہ کردار کے حوالے سے

مجھے معلوم ہے کہ اس موضوع پر اس عنوان کے تحت لکھنا بڑی تلخ نوائی ہو گی میرا ایمان، عقیدہ اور حب الوطنی مشکوک ٹھہرے گی۔ اس لئے کہ ہم نے خدا کے بجائے بت تراش لئے ہیں۔ سچائی کی روشنی کے بجائے جھوٹ کے اندھیرے کے خوگر ہو گئے ہیں اور اب حقیقت کی پردہ کشائی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کردار و عمل سے عاری ہونے کے بعد اب ہماری صرف یہ تمنا باقی رہ گئی ہے کہ ساری دنیا پر ہمارا ڈنکا بجے۔ اپنا وطن دوسروں کے پاس رہن رکھ کر دنیا میں عالمگیر وطنیت کا چرچا کرنا ہمارا مشغلہ بن چکا ہے۔ ساری قوم شیخ چلی کی طرح حسین خواب دیکھنے کی عادی ہو چکی ہے۔ حقیقتوں کا سامنا نہ بحیثیت فرد اور نہ بحیثیت قوم ہمارے بس میں رہا۔ اس حالت میں اگر ہم دوسروں کے ایمان، عقیدے اور حب الوطنی کو کاروباری نقطہ نظر سے پرکھیں تو کوئی انہونی بات نہیں۔ جب جھوٹ ہمارا معیار دولت ہمارا مدعا اور دوسروں کی وظیفہ خواری ہمارا مشغلہ بن چکا ہو، تو یہ سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آنی چاہیئے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں۔ جہاں تک میرے ایمان اور عقیدے کا تعلق ہے، وہ غیر متزلزل ہے۔ اس کے لئے میں کسی مولوی یا سیاسی لیڈر یا برسراقتدار طبقہ سے سند کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی میں مذہب یا عقیدے کو جغرافیائی حدود میں پابند کرنے کا قائل ہوں۔ حب الوطنی کے تقاضے کیا ہیں اور اس کے لئے کیا عمل درکار ہے، میں اس سے بھی بخوبی آگاہ ہوں۔ زبانی کلامی فلسفے اور حکومتوں کی وظیفہ خوری میرے ایمان و عقائد کا حصہ نہیں اور نہ ہی میں بھارتی یا پاکستانی نشریاتی اداروں کے فتوؤں کو حب الوطنی کی کسوٹی تسلیم کرتا ہوں۔

یہ ایک اہم سوال ہے، جس کا جواب ہمیں بڑی باریک بینی سے تلاش کرنا ہے اس سے قبل ہم ریاستوں کی مجموعی پوزیشن، تقسیم ہند سے پہلے اور بعد کی، بیان کر چکے ہیں اور کشمیر کے متعلق بھی تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ یہ کسی ملک کا حصہ نہیں بنتا۔ یہاں ہم خصوصی طور پر پاکستان کو لیتے ہیں کیونکہ مسئلہ کشمیر کا تعلق اس طرح پاکستان سے جوڑا جاتا ہے کہ کشمیر ۱۹۴۷ء میں خودبخود پاکستان کا حصہ بن گیا تھا اور ۱۹۴۷ء سے ہی کشمیریوں کا ایک طبقہ یہ سمجھتا رہا ہے۔ اب یہ بات نئی نسل میں الجھن کا سبب بن رہی ہے کہ تقسیم ہند کے تحت یا کسی اور وجہ

سے کشمیر پاکستان کا حصہ کیونکر ہے ۔ یہ بات لاعلمی کی وجہ سے کشمیریوں میں پھیل گئی تھی ۔ کشمیریوں کی اکثریت ناخواندہ اور نا سمجھ تھی ، جو تاریخی پیچیدگیوں کو نہیں سمجھ سکتی تھی اور ویسے بھی اس وقت اس بات کی زیادہ اہمیت نہ تھی کہ کشمیر کی آئینی یا تاریخی پوزیشن کیا ہے ۔ برصغیر کے مسلمان اپنے عقائد کے عدم تحفظ کے خوف سے ہندوؤں سے جان چھڑانا چاہتے تھے ۔ مگر آج وہ حالات نہیں ہیں ۔ ۴۴ سال کا طویل عرصہ اور اہل کشمیر کا مسلسل غلامی میں رہنا دو ایسی باتیں ہیں ، جو نظر انداز نہیں کی جا سکتیں ۔ اس وقت جذباتی رنگ غالب تھا اور اب جذبات ٹھنڈے ہو چکے ہیں اور ۴۴ سالہ غلامی کی حقیقت کا سامنا ہے ۔ اس وقت پاکستان بننے والا تھا ، جس کا تصور انتہائی حسین اور دلفریب تھا مگر اب پاکستان ٹوٹ چکا ہے اور ۴۴ سال میں ہم نے پاکستان کے روپ میں جس حقیقت کا سامنا کیا ہے ، وہ انتہائی کربناک ہے ۔ اس وقت لا الہ الا اللہ کا نعرہ دلوں کو گرماتا تھا مگر ۴۴ سال سیکولرزم کے تحت زندگی گزارنے کے بعد دلوں میں مایوسی چھا رہی ہے ۔ اس وقت سارے برصغیر کے مسلمان پرجوش تھے مگر آج سارے مسلمان مایوس ہیں ۔ کشمیر ۴۷ء میں ہی دوبارہ غلام ہو گیا تھا ۔ پاکستان کے مسلمانوں کی طرف سے اسلامی بھائی چارے کا کوئی کردار ہم نے نہیں دیکھا ۔ کشمیر کے متعلق پاکستان کا کردار شروع دن سے گھناؤنا رنگ اختیار کر گیا تھا ۔ قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستان کی عنان حکومت ایسے ہاتھوں میں آگئی ، جنہیں نہ پاکستان سے ہمدردی تھی نہ اسلام سے اور نہ ہی کسی اور مقصد سے ۔ صرف پیٹ موٹا کرنے سے غرض تھی ۔ پاکستان کی بقاء اور سالمیت ڈانواں ڈول ہی رہی ۔ آخر پاکستان ٹوٹا اور عالم اسلام کو ایک عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا ۔ بہرحال پاکستان آزادی حاصل کرنے کے بعد سے اب تک اپنی آزادی برقرار رکھنے کی جنگ لڑ رہا ہے ۔ کشمیریوں نے یہ ۴۴ سال غلامی میں کراہتے ہوئے گزارے ہیں ۔ کشمیریوں کے گھربار لٹے ۔ عصمتیں لٹیں مگر پاکستان کو اس کی پرواہ نہیں ۔ الٹا ہمارے ہاتھ پاؤں جکڑ رکھے ہیں ۔ "آزاد کشمیر" کے ایک سابق صدر اس اجمال کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں :۔

" پاکستان کے عوام میں ایک عجیب تضاد نے جنم لیا ہے ۔ ایک طرف تو لوگ یہ

سمجھتے ہیں کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے، اس لئے پاکستان ہی کشمیریوں کے لئے کچھ کر سکتا ہے۔ دوسری طرف وہی لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک کشمیری اپنے لئے کچھ نہ کریں، پاکستان کیا کر سکتا ہے۔ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ کشمیری بے چارے اپنے لئے کیا کرتے وہ خود حکومت پاکستان کے افسروں کے ماتحت ہیں۔ گلگت بلتستان پر حکومت پاکستان کا براہ راست کنٹرول ہے اور آزاد کشمیر کے چار اضلاع اور اب پانچ۔ (مؤلف) میں حکومت آزاد کشمیر قائم ہے، جس میں اگر مجاہدین براہ راست جنگ کے لئے سیز فائر لائن کی طرف بڑھیں تو انہیں گرفتار کر لیا جاتا ہے کہ "سیز فائر لائن پاکستان کی طرف سے منظور کی گئی ہے اور اس کی حفاظت بھی پاکستان کو کرنی ہے۔ بھلا کشمیری کدھر جائیں۔" (۱)

المختصر پاکستان کشمیری مسلمانوں کی خواہشات پر پورا نہیں اترا۔ اگر کشمیر آزاد ہو جاتا تو شاید ہمیں محرومی کا احساس یوں نہ ہوتا۔ مگر کشمیر غلام ہے اور یہی سب سے بڑی حقیقت ہے، جو ہمیں آنکھیں کھولنے کے لئے مجبور کر رہی ہے۔ ہم نے غلامی کے ۴۴ سال صرف پاکستان کی طرف دیکھتے ہوئے گذار دئیے ہیں۔ ورنہ زمانہ گواہ ہے کہ کشمیری اتنے بے حمیت و بزدل نہیں تھے، جتنا ۴۴ سال کا یہ وقفہ ان کی حالت کو بیان کر رہا ہے۔ کشمیریوں نے جب بھی کچھ خود کرنے کا سوچا، وہ صرف سوچ کی بنا پر غدار بنتے رہے۔ پاکستانی حکمرانوں کے مفادات کے آسیبی سائے ہمیشہ کشمیریوں کے پیچھے لگے رہے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان کو بھی مخلص قیادت نصیب نہ ہو سکی، جو اسلام کے جذبے سے حالات کو سمجھتی۔ ورنہ شاید یوں ہمیں غلام رکھنے کے لئے بھارت سے ساز باز نہ کی جاتی۔ کچھ بھی کہیں ۴۴ سال کا عرصہ سارے عالم پہ آشکار ہے۔ حالات ایسے ہیں کہ اگر اہل کشمیر، خود آزادی کے لئے اپنی سوچوں اور صلاحیتوں کو ترتیب نہیں دیتے تو پھر قیامت تک کشمیر کی آزادی کی امید عبث ہے۔ اب فیصلے کا وقت ہے اور فیصلہ یہ درکار ہے کہ اس وقت جو ہماری پوزیشن ہے، اسے برقرار رکھنا ہے یا اسے بدلنا ہے۔ اگر ان حالات کو بدلنا ہے تو پھر اپنے معمولات بھی بدلنے پڑیں گے۔ بے حسی کی جگہ

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید دو مضامین دو انٹرویو۔ دو مضامین ص ۳

جذبے کو لانا ہو گا کیونکہ ہمارے معاشرے کو غلط سمت میں موڑ دیا گیا ہے۔ غلامی عروج پر ہے مگر کشمیری اس کو سب سے بڑی آزادی سمجھ رہے ہیں۔ بے حسی عام ہے، مگر اسی کو جذبہ جہاد تصور کیا جا رہا ہے۔ گلوں میں طوق غلامی ہے، مگر انہیں دولت اور ووٹ کی پرچی کے پیچھے لگا دیا گیا ہے۔ حد متارکہ جنگ کے آس پاس اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں ہماری ماؤں، بہنوں کی عصمتیں محفوظ نہیں ہیں اور غیر ملکی فوجوں کے ہاتھوں نسل کشی کی جا رہی ہے۔ ہم مونچھوں کو تاؤ دے کر، یا گولڈ لیف کا سگریٹ سلگا کر، یا سمارٹ کپڑے پہن کر دنیا کا سب سے بڑا غیرت مند کہلوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حالات میں ہم نے آزادی کے لئے سوچنا ہے اور اپنا لائحہ عمل مرتب کرنا ہے۔ جدوجہد کے لئے اپنے وسائل پیدا کرنے ہیں۔ آزادی کے لئے جدوجہد تاریخ کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ اس لئے ہمیں تاریخی حقیقتوں کو سامنے لانا ہو گا۔ مسئلہ کشمیر کی مقامی اور بین الاقوامی نوعیت اس وقت کیا ہے؟ بین الاقوامی حالات کیسے ہیں؟ خود ہماری معاشرتی، سیاسی، تعلیمی اور معاشی حالت کیا ہے؟ یہ سوچنے اور سمجھنے کی باتیں ہیں نئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر آزادی کشمیر کے لئے جدوجہد کرنا کشمیریوں کا کام ہے، کیونکہ غلامی سے براہ راست ہم کشمیری متاثر ہو رہے ہیں پاکستان یا کوئی اور نہیں۔ آرزوئیں ہماری کچلی جاتی ہیں۔ روح ہماری زخمی کی جاتی ہے۔ غیرت کلکتہ و بمبئی وغیرہ کے بازاروں میں بکتی ہے۔ اس لئے غلامی کی اس حالت کو بدلنے کے متعلق کوئی فیصلہ بھی ہمیں ہی کرنے کا حق ہے۔ اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کشمیر پاکستان کا حصہ نہ تھا نہ ہے، تو کیسے؟

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ------ تاریخی نقطہ نگاہ سے

تحریک پاکستان کا پس منظر کیا ہے؟ بعض لوگ یہ سلسلہ مسلمانوں کی آمد اور محمد بن قاسم سے ملاتے ہیں۔ کچھ اس کا سلسلہ سر سید احمد خان سے جوڑتے ہیں۔ عملی طور پر سب سے پہلے علامہ محمد اقبال نے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کا تخیل پیش کیا۔ تاریخی طور پر ہم نے چند باتیں دیکھنی ہیں۔

۱۔ پاکستان کا وجود اور کشمیر کا وجود کب نقشہ دنیا پر آئے؟

۲۔ تقسیم ہند سے پہلے پاکستان کیا تھا اور کشمیر کیا تھا؟

۳۔ کیا علامہ اقبال نے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کا تخیل پیش کرتے وقت کشمیر کا ذکر کیا تھا۔ کب اور کیسے؟

۴۔ کیا تقسیم ہند سے پہلے مطالبہ پاکستان میں کبھی بھی "کشمیر" کو شامل کیا گیا ہے؟

۵۔ کیا قرارداد پاکستان میں "کشمیر" شامل ہے؟

۶۔ "پاکستان کے لفظ میں "ک" سے کیا مراد ہے؟

اب ہم باری باری ان امور کا تجزیہ کرتے ہیں:۔

(۱) جہاں تک پاکستان اور کشمیر کے وجود کا تعلق ہے، اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ یاد رہے کہ کشمیر کی تاریخ کا سراغ ۵ ہزار سال قبل مسیح سے ملتا ہے اور مختلف وقتوں میں کشمیر کی حکومت کی وسعت اور نوعیت بدلتی رہی ہے۔ مگر کشمیر قائم تھا اور قائم رہا۔ کبھی آزاد رہا تو کبھی غلام رہا۔ پاکستان ابھی کل کی بات ہے پاکستان اور کشمیر کے وجود اور عدم وجود کا موازنہ کرنا بے معنی ہے۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب کچھ یوں ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے پاکستان نہیں تھا، صرف مطالبہ پاکستان تھا۔ پاکستان کا وجود تو تقسیم ہند کے بطن سے نکلا ہے جب کہ تقسیم سے پہلے کشمیر برصغیر کی چند بڑی ریاستوں میں سے تھی اور ایک آزاد خود مختار ریاست کی حیثیت سے پہچانی جاتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈوگرہ راج کی وجہ سے مسلمان نشانہ ستم تھے، اس لئے وہ آزادی بھی ہمارے لئے بری تھی۔ مگر آئینی اور قانونی لحاظ سے کشمیر ایک آزاد ریاست تھی۔

۳۔ جہاں تک علامہ اقبال کے تصور مملکت کا سوال ہے، انہوں نے اپنے خطبہ الہ آباد میں واضح اشارہ کر دیا تھا کہ وہ مملکت کن علاقوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

"میں یہ دیکھنا پسند کروں گا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، شمالی و مغربی سندھ اور بلوچستان ملا کر ایک مملکت بنا دیئے جائیں۔ حکومت خود اختیاری سلطنت برطانیہ کے اندر ہو یا سلطنت برطانیہ کے باہر، ہندوستانی مسلمانوں کی شمالی و مغربی متحدہ ریاست، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم شمال

۲۔ تقسیم ہند سے پہلے پاکستان کیا تھا اور کشمیر کیا تھا؟

۳۔ کیا علامہ اقبال نے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کا تخیل پیش کرتے وقت کشمیر کا ذکر کیا تھا۔ کب اور کیسے؟

۴۔ کیا تقسیم ہند سے پہلے مطالبہ پاکستان میں کبھی بھی "کشمیر" کو شامل کیا گیا ہے؟

۵۔ کیا قرارداد پاکستان میں "کشمیر" شامل ہے؟

۶۔ "پاکستان کے لفظ میں "ک" سے کیا مراد ہے؟

اب ہم باری باری ان امور کا تجزیہ کرتے ہیں:۔

(۱) جہاں تک پاکستان اور کشمیر کے وجود کا تعلق ہے، اس پر زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ یاد رہے کہ کشمیر کی تاریخ کا سراغ ۵ ہزار سال قبل مسیح سے ملتا ہے اور مختلف وقتوں میں کشمیر کی حکومت کی وسعت اور نوعیت بدلتی رہی ہے۔ مگر کشمیر قائم تھا اور قائم رہا۔ کبھی آزاد رہا تو کبھی غلام رہا۔ پاکستان ابھی کل کی بات ہے پاکستان اور کشمیر کے وجود اور عدم وجود کا موازنہ کرنا بے معنی ہے۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب کچھ یوں ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے پاکستان نہیں تھا، صرف مطالبہ پاکستان تھا۔ پاکستان کا وجود تو تقسیم ہند کے بطن سے نکلا ہے جب کہ تقسیم سے پہلے کشمیر برصغیر کی چند بڑی ریاستوں میں سے تھی اور ایک آزاد خود مختار ریاست کی حیثیت سے پہچانی جاتی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ ڈوگرہ راج کی وجہ سے مسلمان نشانہ ستم تھے، اس لئے وہ آزادی بھی ہمارے لئے بری تھی۔ مگر آئینی اور قانونی لحاظ سے کشمیر ایک آزاد ریاست تھی۔

۳۔ جہاں تک علامہ اقبال کے تصور مملکت کا سوال ہے، انہوں نے اپنے خطبہ الہ آباد میں واضح اشارہ کر دیا تھا کہ وہ مملکت کن علاقوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

"میں یہ دیکھنا پسند کروں گا کہ پنجاب، صوبہ سرحد، شمالی و مغربی سندھ اور بلوچستان ملا کر ایک مملکت بنا دیئے جائیں۔ حکومت خود اختیاری سلطنت برطانیہ کے اندر ہو یا سلطنت برطانیہ کے باہر، ہندوستانی مسلمانوں کی شمالی و مغربی متحدہ ریاست، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم شمال

مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے بالآخر مقدر ہو چکی ہے "(۱)

عبدالسلام خورشید " ہسٹری آف آنڈیا آف پاکستان ۔ میں لکھتے ہیں " چوہدری رحمت علی نے اپنے پمفلٹ میں جو منصوبہ پیش کیا تھا، وہ کم و بیش علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد سے ہی لیا گیا تھا ۔ مگر علامہ اقبال نے منصوبے میں کشمیر شامل نہیں کیا تھا، جبکہ چوہدری رحمت علی نے کشمیر کو منصوبے میں شامل کیا ہے ۔ علامہ اقبال جو ہندوستان کے پانے کے رہنما ہیں، وہ تجربہ کار ہیں،، ان کا مقابلہ چوہدری رحمت علی سے کیونکر کیا جا سکتا ہے ۔ ۔ (۲)

(۴) اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا تقسیم ہند سے پہلے کسی موقع پر کسی مسلم لیگی لیڈر یا کسی دوسرے فرد نے مطالبہ پاکستان میں کبھی کشمیر کو بھی شامل کیا ہے ؟ حکومت برطانیہ کو کون سی یادداشت میں مطالبہ پاکستان میں کشمیر کو شامل کیا ہے ؟ ساری تاریخ چھان مارئیے ، مسلم لیگ یا کسی اور لیڈر نے کبھی بھی کشمیر کو مطالبہ پاکستان میں شامل کرنے کی کوشش نہیں کی ۔ صوبوں کی تقسیم کی مخالفت کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح کانگرس کو جواب دیتے ہیں ۔

" مسلمان پاکستان کا مطالبہ اسی بنیاد پر کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو ایک قومی وطن ملے ، جو پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان، بنگال اور آسام کے صوبوں پر مشتمل ہو ۔ اگر پنجاب اور بنگال کی تقسیم کو تسلیم کر لیا جائے تو دوسرے صوبوں کی تقسیم بھی ضروری ہو جائے گی ۔ (۳)

جبکہ دوسری طرف علامہ اقبال کا خطبہ الہ آباد بھی واضح ہے ، جس میں سرے سے کشمیر یا کسی ریاست کا ذکر نہیں ۔ قرارداد لاہور میں پاکستان میں شامل ہونے والے علاقوں کی واضح نشاندہی کر دی گئی مگر کشمیر یا کوئی دوسری ریاست اس قرارداد میں بھی شامل نہیں ہے ۔

(۵) جہاں تک قرارداد پاکستان کا تعلق ہے ، سب اس پر متفق ہیں کہ یہ تصور علامہ اقبال نے پیش کیا ۔ مگر عملی شکل میں لانے کا سہرا قائداعظم کے سر ہے

---

(۱) سید حسن ریاض " پاکستان ناگزیر تھا ۔ ص ۵۶۰

(۲) عبدالسلام خورشید " ہسٹری آف آنڈیا آف پاکستان ۔ ص ۸۳ (۳) صلاح الدین ناسک ص ۲۶۳

یہ شخصیت حکمت و دانش کا مرقع تھی، جس کا پالا حاکم انگریز اور مکار ہندو سے پڑا تھا۔ قائداعظم کے متعدد بیانات ایسے ہیں، جن کا ذکر پیچھے بھی آچکا ہے۔ وہ کشمیر کو پاکستان کا حصہ نہ تقسیم سے پہلے سمجھتے تھے۔ نہ بعد میں۔ چنانچہ پاکستان کے لفظ میں "ک۔" کے چکر کو بھی بڑی خوبصورتی سے انہوں نے حل کر دیا۔ اکثر لوگ "پاکستان۔" کے لفظ میں "ک۔" کشمیر سے تصور کرتے ہوئے اسے پاکستان کا حصہ گردانتے ہیں "ک۔" کی تفصیل آگے آئے گی۔

۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی۔ اس قرارداد میں پاکستان کے لئے جن علاقوں کا ذکر تھا، اس میں کشمیر شامل نہ تھا اور قرارداد میں "کشمیر" کو شامل کرنے کا جواز بھی کوئی نہ تھا۔ کیونکہ تقسیم کا مطالبہ برطانوی ہند کا ہو رہا تھا۔ برطانوی ریاستی ہند اس ہنگامے سے کافی حد تک لا تعلق تھا۔ چنانچہ جب "کشمیر" قرارداد میں نہ پایا گیا تو گاندھی کو موقع مل گیا۔ وہ تقسیم کے خلاف تھا گاندھی نے ۱۵ ستمبر ۱۹۴۴ء کو ایک خط قائداعظم محمد علی جناح کو لکھا، جس میں سے ایک وضاحت اس سلسلے میں یہ تھی کہ "پاکستان" جن علاقوں کے لفظوں سے بنا ہے، وہ سارے علاقے اب قرارداد پاکستان میں شامل نہیں ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سلسلے میں گاندھی کا سوال یوں تھا۔

"پاکستان قرارداد میں شامل نہیں ہے۔ کیا یہ اپنے اصل معنی کا حامل ہے، یعنی پنجاب، افغانستان۔ کشمیر۔ سندھ اور بلوچستان، جن کے حروف لے کر اس نام کی تشکیل کی گئی ہے۔ اگر نہیں تو پھر یہ کیا ہے؟

اس کا جواب قائداعظم محمد علی جناح نے ۱۷ ستمبر کو یہ دیا۔

"جی ہاں۔ لفظ "پاکستان" کا قرارداد میں ذکر نہیں ہے اور نہ اپنے اصلی و ابتدائی معنوں کا حامل ہے۔ یہ لفظ اب قرارداد لاہور کے ہم معنی و مترادف ہو گیا ہے۔"

گاندھی کا ایک اور سوال یہ تھا۔

"اس سکیم کے نتیجے میں ان مسلمانوں کا کیا بنے گا، جو ریاستوں کے حکمرانوں اور راجوں کے تحت ہیں۔"؟

قائداعظم جواب دیتے ہیں:-

۔ مسلمان ریاستی حکمرانوں کے ماتحت ۔ قرارداد لاہور صرف برطانوی ہند تک محدود ہے ۔ قرارداد کی وضاحت کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا نہیں ہوتا۔ (۱)

(۶) یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ " پاکستان کا لفظ جن علاقوں کے مختلف حروف سے بنا ہے ، وہ ہیں (پ) پنجاب سے (الف) افغان سے (ک) کشمیر سے (س) سندھ سے اور (تان) بلوچستان سے ۔ چنانچہ اس طرح کہا جاتا ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے (ک) کی حقیقت یوں تو قائداعظم نے گاندھی کے خط کے جواب میں ہی واضح کر دی تھی ، جو قرارداد پاکستان کی وضاحت کے سلسلے میں لکھا گیا تھا ، جس کا تذکرہ ابھی نمبر ۵ میں ہوا ہے ۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا ، کہ اس وضاحت کے بعد ہمیں "ک ۔ کی نوک سے ضرب نہ لگائی جاتی ۔ مگر ایسا نہیں ہوا ۔ ہمیں مسلسل "ک ۔ کی ضرب لگائی جارہی ہے کہ "ک ۔ کی وجہ سے کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور جب تک کشمیر پاکستان کو نہیں ملتا ، پاکستان مکمل نہیں ہوتا ۔ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ " پاکستان ۔ کا نام چوہدری رحمت علی نے تجویز کیا تھا ، جو آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک طالب علم تھے ۔ ان کے نزدیک مسئلہ صرف نام کا تھا نہ کہ مسلمانوں کے علیحدہ وطن میں شامل ہونے والے علاقوں کا ۔ ہوا ایسے کہ " پاک ۔ کے لفظ کو وہ لانا چاہتے تھے اور لفظ بھی ہندوستان کے مقابلے میں لانا چاہتے تھے ۔ چنانچہ " پاکستان ۔ لفظ جب سامنے آیا تو پھر اس کی تشریح کی گئی اور (الف) اور (ک کو یوں ہی مختلف علاقوں سے جوڑ دیئے گئے ۔ اگر صورت حال یہ ہوتی کہ لفظ کی مماثلت سے کوئی علاقہ یا ملک علیحدہ وطن کے لئے لیا جاتا تھا جب بنگال کا نام پاکستان میں شامل نہیں تھا تو پاکستان نے اسے حدود پاکستان میں شامل کیوں کئے رکھا ۔ جبکہ عام قراردادوں اور قرارداد لاہور میں بنگال شامل ہے ، مگر کشمیر نہیں ۔ بالفرض ہم یہ منطق درست تسلیم کر لیں تو سوچنے کی بات یہ ہے کہ لفظ " پاکستان ۔ میں چار صوبوں کا اور ایک ریاست کا ذکر ہے ۔
ایک صوبے یعنی سرحد کے بارے میں (الف) توجہ طلب ہے ۔ اب یہ بات مسلمہ

---

(۱) اس تفصیل کو سبیر گپتا نے اپنی کتاب کے پر شریف الدین پیرزادہ نے " منزل بہ منزل ۔ اور سید قاسم محمود نے " خطوط قائداعظم ۔ میں درج کی ہے ۔

ہے کہ برطانیہ نے متعدد بار یہ اعلان کیا تھا کہ تقسیم برطانوی ہند کی ہو گی نہ کہ برطانوی ریاست ہند کی۔ قائداعظم اور مسلم نے بھی کئی بار اسی پالیسی کا اعلان کیا، تو کیا چوہدری رحمت علی کو یہ نظر نہیں آرہا تھا کہ "مسلم لیگ" چھ صوبوں کے علیحدہ وطن کا مطالبہ کر رہی ہے اور وہ ایک ایسی ریاست کو شامل کر رہے ہیں، جس کے بارے میں سب کی پالیسی واضح ہے۔ پھر کشمیر کا مہاراجہ بھی ہندو ہے جس سے کم از کم یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کشمیر کا پاکستان سے الحاق کرے گا۔ اب ہم "ک" کو کہاں رکھیں۔!

نظیر صوفی نے اپنے ایک مضمون میں اس بات سے اختلاف کیا ہے کہ پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی نے تجویز کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"ان لوگوں سے بر سبیل گفتگو علامہ ہی نے کسی وقت اس مجوزہ مملکت کو "پاکستان" کہہ دیا۔ بات مجلس سے میدان صحافت میں جا گونجی۔ ہندو پریس اس نام کو لے اڑا اور علامہ کی تجویز تقسیم ہند کا پاکستان کے نام ہی سے خاکہ اڑانا شروع کر دیا...... ان حالات میں یہ کہنا کہ پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی نے اختراع کیا تھا، خلاف حقیقت بات ہے۔ چوہدری رحمت علی علامہ صاحب کے تربیت یافتہ شاگرد تھے۔" (۱)

لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے تو بھی معلوم یہی ہوتا ہے کہ چوہدری رحمت علی کو علاقوں سے غرض نہ تھی، صرف نام سے غرض تھی۔ یہ بعد میں ہمیں بیوقوف بنائے رکھنے کے حربے سوچے جا رہے ہیں، ورنہ (ک) کا چکر ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ پاکستان ۱۹۴۷ء میں بنتا ہے اور ۴۲ سال (ک) کے بغیر زندہ رہتا ہے پھر "ک" کے علاوہ اور بھی بہت کچھ چلا جاتا ہے تو بھی پاکستان زندہ رہتا ہے۔ مگر ہمارے لئے (ک) کی نوک ہر وقت حاضر ہے۔ اب (الف) کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ "افغان" سے لیا گیا ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ "افغان" کس صوبے کو کہا گیا ہے، کیونکہ اگر اس سے مراد صوبہ سرحد تھا، جیسے کہا جاتا ہے تو تاریخی طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ صوبہ سرحد کا نام کبھی بھی افغان نہیں رہا۔ یہ بھی

---

(۱) ہفت روزہ "اخبار جہاں" ۹ فروری تا ۱۵ فروری ۱۹۸۱ء

کہا جاتا ہے یہ سرحد کے لوگوں کو نمایاں کرتا ہے کیونکہ وہاں پٹھان رہتے ہیں۔ مگر پٹھان اپنے آپ کو افغان نہیں کہتے بلکہ پختون کہتے ہیں۔ افغان سے افغانستان کے لوگ ضرور مراد لئے جاتے ہیں جو اس وقت بھی ایک آزاد ملک تھا۔ حقیقت میں یہ بڑی عجیب سی بات ہے کہ کسی قوم کی زندگی کو "ک" سے منسلک کر دیا جائے۔

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ---- آئینی اور قانونی نقطہ نظر سے

یہاں ہم آئینی اور قانونی طور پر کشمیر کا پاکستان سے تعلق بیان کرتے ہیں کہ کہیں کوئی ایسی بات موجود ہے، جس سے کشمیر پاکستان کا حصہ بنتا ہو۔

(۱) سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ:۔ کیا تقسیم ہند سے پہلے کشمیر پاکستان کا حصہ تھا؟

(۲) کیا تقسیم ہند سے پہلے ریاست جموں و کشمیر برطانوی ہند کا حصہ تھی؟

(۳) کیا تقسیم ہند کے قانون میں ریاستوں کے متعلق ایسی کوئی وضاحت موجود ہے کہ برطانیہ کے بعد ریاستیں ازخود پاکستان یا بھارت کا حصہ بن جائیں گی؟

(۴) کیا مسلم لیگ نے اپنے مطالبہ پاکستان یا قرارداد لاہور میں کشمیر کو پاکستان میں شامل کیا تھا؟

(۵) کیا مہاراجہ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا تھا؟

(۶) معاہدہ قائمہ اور پاکستان کا اسے شرف قبولیت بخشنا کیا معنی رکھتا ہے؟

(۷) کیا کشمیری عوام نے کبھی اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ وہ پاکستان کا حصہ ہیں؟

(۱) جہاں تک تقسیم ہند سے پہلے پاکستان کا تعلق ہے، اس وقت پاکستان تھا کہاں جو اس کا حصہ بن جاتا۔ سوالات نمبر ۲، ۳، ۴ کا تفصیلی جواب گذشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ نمبر ۴ پر مزید وضاحت اگلے صفحات میں آئے گی۔

(۵) جہاں تک مہاراجہ کے الحاق کا تعلق ہے، اس نے الحاق بھارت سے کیا تھا، پاکستان سے نہیں۔ اگر کشمیری عوام بغاوت نہ کرتے یا اس سے الحاق کو خون کی ندیاں بہا کر مسترد نہ کر دیتے تو کشمیر قانونی طور پر بھارت کا حصہ بن جاتا اگر مہاراجہ الحاق پاکستان سے کرتا تو بغاوت نہ ہونے پر کشمیر پاکستان کا قانونی طور پر حصہ ضرور بن جاتا۔ مگر اب اس کا کیا کیا جائے کہ مہاراجہ نے ایسا نہیں کیا۔

(۶) جہاں تک کشمیری عوام کے فیصلہ کا تعلق ہے، انہوں نے ابھی ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ انفرادی طور پر کچھ سیاسی پارٹیاں اپنے جذبات کا اظہار کرتی رہی ہیں۔ کچھ عوام کو بے وقوف بناتی رہی ہیں۔ مگر ان قراردادوں کو کوئی قانونی پوزیشن حاصل نہیں ہے۔ مسلم کانفرنس اپنی قرارداد الحاق پاکستان کے نام پر ۱۹۴۷ء سے کشمیری عوام اور پاکستان کو بے وقوف بناتی رہی ہے۔ کسی ایک سیاسی پارٹی کی قرارداد کو ملک کے عوام کی رائے قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یوں بھی کشمیری عوام کا فیصلہ ایک استصواب رائے سے مشروط کیا گیا تھا، جو ابھی تک منعقد ہی نہ ہو سکا اس کے بعد ہم آزاد کشمیر کے ایک سابق صدر اور قائداعظم کے سیکرٹری جناب کے ایچ خورشید مرحوم کی ایک کتاب سے اس موضوع سے متعلقہ ایک طویل اقتباس درج کرتے ہیں۔ یہ ایک سیاستدان ہیں، مگر یہاں ان کی اس پوزیشن سے ہمیں غرض نہیں۔ البتہ ان کی وہ پوزیشن زیادہ قابل قدر ہے، جب یہ قائداعظم کے سیکرٹری تھے اور تحریک پاکستان کی ساری کارروائی اور جدوجہد ان کے سامنے ہوئی۔ قائداعظم کا سیکرٹری ہونے کے ناطے سے انہیں کشمیر کو پاکستان کا حصہ قرار دینا چاہیئے تھا۔ چونکہ ایسا خیال قائداعظم کا بھی نہیں تھا، اس لئے کے۔ ایچ خورشید مرحوم اس ساری صورت حال کی وضاحت یوں کرتے ہیں:۔

"یہاں پر میں واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ غلط فہمی جو پاکستانی عوام کے ذہنوں میں پیدا ہوئی یا پیدا کی گئی، وہ یہ تھی کہ تقسیم ہند کے فیصلے کے تحت جموں و کشمیر پاکستان کا حصہ ہے۔ حالانکہ یہ تاثر بالکل غلط ہے اور اس کی ذمہ داری بعض پاکستانی لیڈروں اور کشمیر کے بعض رہنماؤں مثلاً سردار قیوم اور ان کے سیاسی مشیروں پر عائد ہوتی ہے۔ یہ لوگ تاریخ کے سیاق و سباق سے ہٹ کر ایسے بیانات دیتے رہے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب یا تو تقسیم ہند کے اصولوں سے ناواقف ہیں یا پاکستانی عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ موٹی سی بات ہے کہ اگر تقسیم کے اصولوں کے مطابق ریاست جموں و کشمیر پاکستان کا حصہ بن گئی تھی تو مسئلہ سلامتی کونسل میں لے جانے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہند کی تقسیم کے جو اصول وضع کئے گئے اور جنہیں نہ صرف برطانوی

حکومت نے تسلیم کیا، بلکہ کانگریس اور مسلم لیگ نے بھی اس پر اتفاق رائے کا اظہار کیا، ہندو مسلم اکثریت کی بنیادوں پر تقسیم سے دیسی ریاستیں مستثنیٰ رکھی گئی تھیں اور ریاستوں کے والیان کو آئینی طور پر مستقبل کے بارے میں اپنا لائحہ عمل اختیار کرنے کا مجاز قرار دیا گیا تھا البتہ لارڈ مونٹ بیٹن، کانگرس اور مسلم لیگ نے اخلاقی طور پر اور سیاسی طور پر اصول وضع کیا تھا کہ والیاں ریاست اپنی ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرتے وقت عوام کی رائے کو ملحوظ رکھیں گے۔ یہ اصول اگرچہ تحریری شکل میں موجود تھا، لیکن اس کی کوئی قانونی وقعت نہ تھی۔ یہ محض اخلاقی طور پر طے کیا گیا تھا اور تقسیم ہند کی پالیسی اس کے ساتھ مشروط نہیں تھی۔ چنانچہ خود پاکستان نے اپنے طرز عمل سے یہ بات واضح کر دی کہ اگر ریاست کا والی اپنے عوام کی اکثریت کی خواہشات کے برعکس آئینی اور قانونی طور پر ایک فیصلہ کرے تو اسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔ اس کی مثال آپ کو جوناگڑھ سے ملے گی، جہاں کی اکثریتی آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی، جو پاکستان کے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ لیکن جوناگڑھ کے نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تو حکومت پاکستان نے اسے قبول کر لیا۔ یہ واقعہ بے حد اہم ہے اور میں بار بار اس پر اس لئے زور دیتا ہوں کہ ایک اعتبار سے جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق اور پاکستان کا اسے قبول کرنا اور اس کے بعد اپنی ذمہ داریوں سے نبٹنے میں لاپرواہی اور ناکامی کا مظاہرہ ابتدا ہے، دیسی ریاستوں کے بارے میں پاکستان کی اس پالیسی کی، جو آگے چل کر متشکل ہوئی اور جس کا بہت گہرا تعلق مسئلہ کشمیر سے بھی ہے۔ ریاست حیدرآباد جہاں آبادی کی اکثریت ہندوؤں کی تھی، لیکن حاکم نظام مسلمان تھا، بھی مخمصے میں رہی اور بالاخر نظام نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ لیکن اس فیصلے کو عوامی اکثریت کی تائید حاصل نہ ہو سکی۔ البتہ پاکستان نے نظام کے اس آئینی اور قانونی حق کو تسلیم کیا اور آزاد حیدرآباد کے ساتھ رابطہ رکھا اور نظام کا ایک ایجنٹ کراچی میں تعینات ہو گیا۔ جس کی حیثیت قریب قریب ایک سفیر کی تھی۔

اس مختصر سے جائزے سے ہم اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ جس طرح حیدرآباد پاکستان کا حصہ نہیں تھا اور جوناگڑھ پاکستان کا حصہ نہیں تھا۔ بعینہ کشمیر بھی پاکستان کا حصہ نہیں تھا۔ لیکن جوناگڑھ اور حیدرآباد کو بھارت نے اپنی طاقت اور سیاسی حکمت عملی سے اپنا حصہ بنا لیا اور اللہ تعالی نے پاکستانیوں کو اتنی بھی توفیق نہ دی کہ کشمیر کے بارے میں کوئی خاطر خواہ فیصلہ کروا سکیں۔ لہٰذا سب سے ضروری امر یہ ہے کہ یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیئے کہ تقسیم کے وقت کشمیر خودبخود قانونی طور پر پاکستان کا حصہ بن گیا تھا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ البتہ نظریاتی اعتبار سے پاکستانی مسلمان کشمیر کو اپنا حصہ تصور کرتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس تصور کی حیثیت وہی تھی، جیسے پاکستانی مسلمان سارے آسام کا ایک ضلع، پنجاب کے سولہ اضلاع اور بنگال کا تقریباً نصف ہی پاکستان میں شامل ہو سکا۔

مسئلہ کشمیر کو سمجھنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اپنی سوچ کی ابتدا اس انداز سے کرے کہ کشمیر آئینی اور قانونی طور پر پاکستان کا پہلے حصہ تھا نہ اب ہے۔ البتہ نظریہ پاکستان کے حامی لوگ ایسی صورت حال پیدا کر سکتے ہیں کہ جس سے کشمیری عوام کی آزادانہ رائے لے کر اس کا پاکستان سے الحاق کیا جائے۔

پھر ایک بات اور بھی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کشمیر آئینی طور پر ۴۷ء میں ہی پاکستان کا حصہ بن گیا تھا تو پھر وہاں حق خودارادیت یا رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیئے تھا، کیونکہ اس صورت میں ہمارا نظریہ یہ ہوتا کہ کشمیر بھی ویسا ہی بھارتی مقبوضہ علاقہ ہے جیسا کہ آج کل (۱۹۷۱ء کی جنگ میں) شکر گڑھ کے کچھ حصے۔ مگر یہ حقیقت نہیں ہے اور شکر گڑھ کے کچھ حصے یا سندھ میں بھارتی مقبوضہ علاقے کی پوزیشن بالکل مختلف ہے اور ان علاقوں میں رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

پاکستان کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ ان علاقوں کو بزور شمشیر

حاصل کرے لیکن کشمیر کو بزور شمشیر حاصل کر لینے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ایک بار مستقبل کے تعلقات اور مرضی کے مطابق طے کرنا پڑے گا۔۔(۱)

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ------ دو قومی نظریہ کے تحت

یہ سوال عام طور پر اٹھایا جاتا ہے کہ عام نظریہ، جو تحریک پاکستان کا سبب تھا یہ تھا کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمان چونکہ اقلیت میں ہیں اور اگر آزادی کے بعد ہندوستان متحد رہتا ہے تو اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ چلا جائے گا۔ اس طرح مسلمان انگریزوں کی غلامی سے نکل کر ہندوؤں کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس احساس کی وجہ سے علامہ اقبال نے مسلم اکثریت کے علاقوں پر مشتمل مسلمانوں کے لئے الگ وطن کا مطالبہ کیا تھا، جو بعد میں تحریک پاکستان کی شکل اختیار کر گیا۔ ان باتوں کا جہاں تک تعلق ہے، ہمیں ان سے انکار نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر پاکستان نہ بنتا تو مسلمانوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ مگر جو بات ذہن میں رکھنی ضروری ہے اور جس مقصد کے لئے ہم یہ معروضات پیش کر رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ اب ۱۹۹۱ء ہے پاکستان کا جو تصور ۱۹۳۱ء میں پیش کیا گیا تھا اور پھر ۱۹۴۷ء میں، جو عملی طور پر بنا، وہ سب کے سامنے ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ہی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہندوستان ہی میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیادہ جذباتی لوگ پاکستان ہجرت کر آئے۔ مگر ۴۴ سال بعد یہ سوال اپنی جگہ انتہائی اہم ہے کہ کیا پاکستان دارالسلام بن سکا یا آئندہ اس کے امکانات ہیں

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ۱۹۴۷ء میں ہی کشمیر پاکستان کے کھاتے میں چلا جاتا تو شاید آج ہمیں تاریخ کو اس نقطہ نظر سے کھنگالنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ اس وقت ہمارا مدعا یہ ہے کہ کشمیری عوام کشمیر کی آزادی کے لئے کس طرح جدوجہد پر آمادہ ہوں اور اگر پاکستان کا حصہ ہوتے تو ہمارا مدعا پاکستان کی ترقی و استحکام ہوتا۔ مگر ہماری مجبوری یہ ہے اور اس مجبوری کا احساس نہیں کیا جا رہا کہ کشمیر مسلسل غلام ہے۔ مختلف ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے۔ کسی حصے میں کوئی متاثر کن عمل نہیں ہو رہا۔ ہر دو طرف اپنی اپنی پسند کی کٹھ پتلیاں سج رہی ہیں۔ ٹاؤٹ قسم کے لوگ ہر دو حصوں میں زیادہ سے زیادہ پیدا کئے جا رہے ہیں، جو دہلی اور اسلام آباد کی لے پر رقص کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کشمیر کی جو حالت پہلے

تھی، بدستور موجود ہے۔ مگر دو قومی نظریے کا حشر کیا ہوا۔ یہ الگ سوال ہے، جس کا جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ پاکستان جو معرض وجود میں آیا، وہ دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر جگ ہنسائی کا موجب بن چکا ہے۔ پاکستانی حکمران اپنی نالائقیوں اور کوتاہیوں کی بنا پر نہ صرف دو قومی نظریے کی تذلیل کا سبب بنے بلکہ جن بزرگوں نے اپنی ساری زندگی کی سوچوں کو اس نکتے پر مجتمع کیا تھا اور مطالبہ پاکستان کیا تھا، ان کی روحوں کو بھی عذاب پہنچانے کا موجب بنے۔

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا ہے اور پاکستان نے بڑی دھوم دھام کی محفل میں بنگلہ دیش کو ایک آزاد و خود مختار مملکت کے طور پر تسلیم کیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ دو قومی نظریہ ختم ہو چکا ہے یا یہ غلط تھا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ دو قومی نظریہ نہ تو غلط تھا اور نہ ہی یہ ختم ہوا ہے۔ یہ خیال جن لوگوں نے پیش کیا تھا، انہوں نے خوب سوچ سمجھ کر پیش کیا تھا۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کو عملی شکل ملی ہی نہیں۔ ایک موہوم سی امید جو پاکستان بننے کی وجہ سے بندھی تھی، وہ بہت جلد دم توڑ گئی تھی۔ کیونکہ پاکستان کے الگ بننے کا فائدہ اسلام کو نہ ہوا بلکہ مسلمانوں جیسے نام رکھنے والے چند ہوشیار لوگوں کو ہوا۔ وہ شاید بھارت میں اسلامی نام سے وہ گھپلے نہ اڑا سکتے جو انہوں نے الگ ہو کر اڑانے ہیں۔ ورنہ اسلام کے نام پر پاکستان اور سیکولرازم کے نام پر بھارت کے نظام حکمرانی میں کوئی فرق نہیں رہا ہے۔ جاگیردار پاکستان میں بھی مؤثر ہیں اور بھارت میں بھی۔ مزدور وہاں بھی بکتا ہے اور یہاں بھی۔ کسان بھارت میں بھی جاگیرداروں کے رحم و کرم پر ہے اور یہاں بھی۔ بھارت میں بھی جو غریب تھا وہ غریب ہوا اور پاکستان میں بھی جو غریب تھا وہ اور غریب ہوا۔ بھارت نے طاقت کے بل بوتے پر کشمیری عوام کو دبا رکھا ہے اور پاکستان نے کشمیری عوام کو اسلام کے نام پر دبانے کا کاروبار شروع کئے رکھا ہے۔ دو قومی نظریہ پیش کرنے والوں نے اس خطے کو "دارالسلام" بنانے کا عزم اور تصور پیش کیا تھا۔ مگر پاکستان امریکہ روس اور دوسری بڑی طاقتوں کے نظریات کی منڈی بن گیا ہے۔ اسلام کے نام پر قائم ہونے والے ملک میں کھلم کھلا اسلامی شعائر کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور سر عام اسلام کو ایک نظام حیات ماننے سے انکار کیا جاتا ہے۔ تو ہم یہ پوچھنے کی

جسارت کر سکتے ہیں کہ ہمیں کون سے دو قومی نظریے کے چکر میں پاکستان کا حصہ بنایا جا رہا ہے ہمیں آزادی سے دور کر کے کس دو قومی نظریے کی خدمت ہو رہی ہے۔ ہماری غلامی پر ۴۴ سال سے قہقہے لگانے کے بعد کون سے دو قومی نظریے میں الجھایا جا رہا ہے۔ جہاں تک موجودہ صورت حال کے جائزے کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ دو قومی نظریے والے پاکستان میں بھی سیکولرزم نافذ ہے۔ مسلمان بھارت اور بنگلہ دیش میں بھی ہیں اور تینوں ممالک میں تعداد تقریباً برابر ہے۔ تو اب یہ بات کس فلسفہ کو ظاہر کرتی ہے کہ آیا کشمیر پھر بھی پاکستان کا حصہ ہے؟۔ ۴۴ سال سے کشمیر غلام ہے مگر پاکستان کا حصہ ہی ہے۔ پاکستان ٹوٹ بھی جاتا ہے تو بھی کشمیر کا حصہ ہے۔ کشمیر کو آزاد کرانا اب پاکستان کے بس کی بات نہیں۔ مگر کشمیر پھر بھی پاکستان کا حصہ ہے۔ یہ کیسی منطق ہے؟ جو ہمیں نظر آتی ہے، وہ یہی ہے کہ کشمیریوں کو غلام رکھا جائے اور انہیں آزادی کی جنگ لڑنے سے باز رکھا جائے۔ کبھی اسلام کا واسطہ دے کر اور کبھی "دو قومی نظریہ" کا واسطہ دے کر ہمیں غلام رہنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اگر پاکستان اسلام کا نفاذ نہیں کر سکا تو اس کوتاہی کی سزا کشمیریوں کو کیوں دی جائے۔ پاکستان بنگلہ دیش کو ایک آزاد و خود مختار مملکت کے طور پر تسلیم کر سکتا ہے تو کشمیر کے معاملے میں ایسا کیوں نہیں کیا جا سکتا۔ بفرض محال یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے تو کیا مشرقی پاکستان پاکستان کا حصہ نہ تھا۔ پاکستان جب اپنے ہی بدن کے ایک ٹکڑے کو یوں الگ دھوم دھام سے تسلیم کر لیتا ہے اور "دو قومی نظریے پر کوئی حرف نہیں آتا تو اگر پاکستان ایسی ہی حرکت کشمیر کے معاملے میں کر جائے تو دو قومی نظریے پر کون سی آفت ٹوٹے گی۔ مگر یہ باتیں فروعی ہیں۔ حقیقت میں مسئلہ طاقت ہے۔ بنگلہ دیش کو پاکستان نے اس لئے تسلیم کیا کہ انہوں نے پاکستان کے ارباب اختیار کو لہو کی ندیاں بہا کر ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور کشمیری اب تک ایسا نہیں کر سکے۔

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں ---- قائداعظم اور مسلم لیگ کے نقطہ نظر سے

قائداعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے متعدد پالیسی بیان موجود ہیں، جن میں سے کئی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ اب جہاں تک قائداعظم کی ذات کا تعلق ہے، آخر وقت تک وہ کشمیر کے علیحدہ تشخص کے قائل رہے۔ تھوڑی دیر کے لئے ماضی کے آئینے میں جھانکیں کہ کشمیر کا وزیراعظم پنڈت رام چندر کاک قائداعظم سے ملاقات کرتا ہے تو پر سکون روانہ ہوتا ہے اور اس کے بعد کشمیر کو خود مختار رکھنے پر اتنا اصرار کرتا ہے کہ اسے اپنے عہدے سے سبکدوش ہونا پڑتا ہے۔ مسلم کانفرنس کے دو راہنما چوہدری حمیداللہ اور اسحاق قریشی ملتے ہیں تو وہ مسلم کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی میں "خود مختار کشمیر" کی قرارداد پیش کرتے ہیں اور چوہدری حمیداللہ آخرت وقت تک کشمیر کی خود مختاری کے حامی رہتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر قائداعظم محمد علی جناح یہ سمجھتے تھے کہ کشمیر کسی طرح پاکستان کا حصہ بنتا ہے تو پھر وہ ہر کشمیری سے کشمیر کو خود مختار رکھنے پر کیوں زور دیتے تھے اور دوسری طاقتوں کو ریاستوں میں عدم مداخلت سے باز رکھنے کی کوشش کیوں کرتے تھے۔ جہاں تک مسلم کانفرنس کا تعلق ہے، یہ جماعت کشمیر میں مسلم لیگ کے مفادات کی نگران جماعت تھی اور اس کی پالیسی کو اپناتی اور حمایت کرتی تھی۔ انہیں آخر خود مختار کشمیر کی ترغیب کیوں دی اور چوہدری غلام عباس مرحوم جو اس وقت جیل میں تھے، ایک خط کے ذریعے مسلم کانفرنس کے ممبروں سے "خود مختار" کشمیر کے حق میں ووٹ دینے کی ترغیب کیوں دیتے ہیں۔ اب کوئی منچلا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ دراصل قائداعظم محمد علی جناح کی مرضی یہ تھی کہ اس وقت کشمیر کو خود مختار رہنے دیا جائے، بعد میں الحاق ہو سکتا ہے، تو قائداعظم جیسے سیاستدان سے ایسی توقع نہیں کی جا سکتی۔ سیاست کے اتار چڑھاؤ پر ان کی مکمل نظر ہوتی تھی۔ وہ کشمیر کے حالات جانتے تھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی خطہ آزاد و خود مختار مملکت کی شکل اختیار کر لے تو ایسے مواقع بہت کم ہوتے ہیں کہ وہ اپنی آزادی کو ختم کرنے پر تیار ہو جائے۔ البتہ کوئی اور شکل ممکن ہے۔

مگر کشمیر کی صورت حال ایسی تھی کہ اس وقت کشمیر کی سب سے بڑی سیاسی جماعت نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس کی پالیسیوں سے اختلاف کرتی تھی۔ خود مختار کشمیر کی شکل میں اتنے بڑے گروپ کے اثرات کو قائداعظم بخوبی سمجھتے تھے۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب کشمیر میں بغاوت رو نما ہوئی اور اس کے نتیجے میں جو آزاد حکومت بنی، وہ قائداعظم کے مشورے اور نگرانی میں بنی تھی۔ نئی حکومت کا پرچم قائداعظم کی نگرانی میں تیار کرایا گیا، الگ ترانہ ترتیب دیا گیا، الگ صدر بنایا گیا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ تمام نشانیاں خود مختار مملکت کی ہوتی ہیں۔ بھلا قائداعظم نے انہیں کیوں روبہ عمل آنے دیا؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں تھا!

ہمارے اس مؤقف کی تائید نظام حیدر آباد نے اعلان خود مختاری کے وقت یوں کی:-

"جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، قائداعظم نے یہ مکمل ضمانت فراہم کرنے کا اعلان کیا ہے کہ ریاستوں کی خود مختاری اور سالمیت کی مکمل حفاظت کی جائے گی۔ مسلم لیگ اور کانگریس کے نظریات میں ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں اختلاف محل نظر ہے۔ مسلم لیگ کی طرف سے عدم مداخلت کی ضمانت کی وجہ سے یہ کوئی حیرانی کی بات نہ ہوگی کہ بہت سی ہندو ریاستیں پاکستان سے الحاق کرلیں یا قریبی روابط استوار کرلیں۔" (۱)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ آزاد حکومت تو تھی ہی نہیں۔ یہ تو کٹھ پتلی حکومت تھی اور ہے۔ جہاں تک حالات کے تجزیہ کا تعلق ہے اگر قائداعظم کو موت کچھ اور مہلت دیتی تو پھر یہ سوال ان کی ذات کے حوالے سے اٹھایا جا سکتا ہے۔ ان کے جانشینوں کی کوتاہیوں کو بہرحال ہم قائداعظم کے کھاتے میں ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں۔

---

(۱) سیسر گپتا ص ۴۹

کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے ؟

اس بیان کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔ کیونکہ قائداعظم کا یہی ایک بیان سامنے لایا گیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر ان کی پالیسی اور تھی اور اندرونی پالیسی کانگرس والی ہوس ملک گیری کی تھی ۔ یہ بات ان کے اس بیان سے مترشح ہوتی ہے ۔ اس بیان کو قائداعظم سے منسوب کر کے ان کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے نظریات کو کانگرس کے نظریات سے ملا دیا گیا ہے ۔ کیونکہ کانگرس کا مؤقف ریاستوں کے بارے میں یہ تھا کہ ریاستیں ہمارے ملکوں کا جزو لاینفک ہیں ۔ قائداعظم کے بیانات اس کے برعکس ہیں ۔ مگر جہاں تک راقم کی تحقیق کا تعلق ہے ، اس بیان کو نشریاتی اداروں سے تکرار کے ساتھ نشر کر کے قائداعظم کی سیاسی شخصیت اور ان کا قومی قد کاٹھ گھٹانے کی گھناؤنی سازش کی گئی ہے اور یہ صرف ہوس ملک گیری کا غمازی کرتا ہے ۔

ہمارے نزدیک قائداعظم نے ایسا کوئی بیان جاری نہیں کیا ۔ کیونکہ مجھے اس بیان کو کوئی سند تادم تحریر نہیں ملی ، کہ قائداعظم نے یہ بیان کب ، کس جگہ اور کس کے سامنے دیا ۔ یہ بیان ابھی تک مجھے جہاں بھی لکھا ہوا ملا ، اس کے آخر میں یہی الفاظ درج ہوتے ہیں " زندگی کے آخری دنوں میں ۔ ۔ علمی اور تحقیقی لحاظ سے ایسا بیان قابل اعتماد نہیں ٹھہرتا ۔ اس طرح تو کسی بھی شخصیت کے ساتھ ایسے الفاظ منسوب کئے جا سکتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں آکر دوبارہ تردید تو کر نہیں سکتا ۔ ہمارے نزدیک یہ بیان جھوٹا ہے اور قائداعظم سے اسی طرح منسوب کیا گیا ہے جس طرح اور بہت سی باتیں ان سے منسوب کی گئی ہیں ۔ ورنہ جہاں تک قائداعظم اور مسلم لیگ کی ریاستوں کے بارے میں پوزیشن کا تعلق ہے ، انتہائی واضح ہے اور تفصیل گذشتہ صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ دراصل اس بیان کی تردید کے لئے قائداعظم کے وہ متعدد پالیسی بیان ہیں جو انہوں نے ریاستوں کے حق خوداختیاری اور حکومتوں کی عدم مداخلت کے بارے میں دیئے ۔ اس بارے میں کانگرس کا نظریہ مختلف تھا ۔ قائداعظم کی طرف سے کانگرس کے نظریے

کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے ؟

اس بیان کا جائزہ لینا ضروری ہے ۔ کیونکہ قائداعظم کا بھی ایک بیان سامنے لایا گیا ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر ان کی پالیسی اور تھی اور اندرونی پالیسی کانگرس والی ہوس ملک گیری کی تھی ۔ یہ بات ان کے اس بیان سے مترشح ہوتی ہے ۔ اس بیان کو قائداعظم سے منسوب کر کے ان کی شخصیت کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کے نظریات کو کانگرس کے نظریات سے ملا دیا گیا ہے ۔ کیونکہ کانگرس کا مؤقف ریاستوں کے بارے میں یہ تھا کہ ریاستیں ہمارے ملکوں کا جزو لاینفک ہیں ۔ قائداعظم کے بیانات اس کے برعکس ہیں ۔ مگر جہاں تک راقم کی تحقیق کا تعلق ہے ، اس بیان کو نشریاتی اداروں سے تکرار کے ساتھ نشر کر کے قائداعظم کی سیاسی شخصیت اور ان کا قومی قد کاٹھ گھٹانے کی گھناؤنی سازش کی گئی ہے اور یہ صرف ہوس ملک گیری کا غمازی کرتا ہے ۔

ہمارے نزدیک قائداعظم نے ایسا کوئی بیان جاری نہیں کیا ۔ کیونکہ مجھے اس بیان کو کوئی سند تادم تحریر نہیں ملی ، کہ قائداعظم نے یہ بیان کب ، کس جگہ اور کس کے سامنے دیا ۔ یہ بیان ابھی تک مجھے جہاں بھی لکھا ہوا ملا ، اس کے آخر میں یہی الفاظ درج ہوتے ہیں " زندگی کے آخری دنوں میں ۔ " علمی اور تحقیقی لحاظ سے ایسا بیان قابل اعتماد نہیں ٹھہرتا ۔ اس طرح تو کسی بھی شخصیت کے ساتھ ایسے الفاظ منسوب کئے جا سکتے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں آکر دوبارہ تردید تو کر نہیں سکتا ۔ ہمارے نزدیک یہ بیان جھوٹا ہے اور قائداعظم سے اسی طرح منسوب کیا گیا ہے جس طرح اور بہت سی باتیں ان سے منسوب کی گئی ہیں ۔ ورنہ جہاں تک قائداعظم اور مسلم لیگ کی ریاستوں کے بارے میں پوزیشن کا تعلق ہے ، انتہائی واضح ہے اور تفصیل گذشتہ صفحات میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ دراصل اس بیان کی تردید کے لئے قائداعظم کے وہ متعدد پالیسی بیان ہیں جو انہوں نے ریاستوں کے حق خوداختیاری اور حکومتوں کی عدم مداخلت کے بارے میں دیئے ۔ اس بارے میں کانگرس کا نظریہ مختلف تھا ۔ قائداعظم کی طرف سے کانگرس کے نظریے

سے کئی جگہوں پر اختلافات کی تفصیل تاریخوں میں محفوظ رہے۔ کشمیری لیڈروں کے ساتھ ان کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ بلکہ وزیراعظم کشمیر پنڈت رام چندر کاک کو صرف اس لئے برطرف کیا گیا کہ وہ قائداعظم کی ایما پر کشمیر کو خودمختار رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسلم کانفرنس کی قرارداد خودمختار کشمیر پاس کرانے کا الزام قائداعظم مرحوم پر لگایا جاتا ہے، جس کی اس وقت کے قائم مقام صدر مسلم کانفرنس چوہدری حمیداللہ مرحوم کو پریس کانفرنس میں تردید کرنا پڑی۔

ہمیں یہ انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان کی حکومتوں نے اس بیان کو پالیسی بیان بنا رکھا ہے! جبکہ اس کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں ہے۔ قائداعظم کے صحیح سند کے ساتھ کئی بیانات کو چھوڑ کر اس لغو اور مہمل بیان پر تکیہ کیا گیا ہے۔

حق خودارادیت چہ معنی وارد؟

کسی نے سچ کہا ہے کہ جہالت غلامی کی نشانی ہے۔ کشمیریوں کی جہالت سے بھی زمانے نے کیا کیا فوائد حاصل کئے ہیں۔ اس وقت کشمیر کے لوگ تین حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو کشمیر کو پاکستان کا حصہ سمجھتا ہے اور آزادی کے لئے بھی پاکستان کی طرف منہ اٹھائے دیکھ رہا ہے۔ دوسرا طبقہ مقبوضہ کشمیر میں ہے اور مجبوری یا کسی وجہ سے کشمیر کو بھارت کا حصہ سمجھتا ہے۔ مگر ایک طبقہ تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ نظریہ رکھتا ہے کہ کشمیر نہ بھارت کا اٹوٹ انگ ہے نہ پاکستان کی جاگیر۔ بلکہ یہ ایک آزاد مملکت ہونی چاہئے۔ یعنی آزادی کا مطالبہ کرنے والا صرف یہی ایک طبقہ ہے۔ اب جہالت کے پردے آہستہ آہستہ کافور ہو رہے ہیں اور آزادی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ اس تجزیے کا مقصد یہ ہے کہ کشمیریوں کے "حق خودارادیت" Right of Self determination کو ۱۹۴۸ء میں ہی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس حق کو اقوام متحدہ سمیت بھارت اور پاکستان نے بھی تسلیم کیا تھا۔ اس سلسلے میں دونوں ممالک کے متعدد بیانات موجود ہیں۔ پاکستان کی طرف سے سرکاری طور پر ابھی تک حق خودارادیت کی حمایت کی جاتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ عمل اس کے برعکس کیا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ میں آج تک یہ لفظ یعنی "حق خود ارادیت" جن معنوں میں استعمال ہوا ہے، وہ کسی قوم کی مکمل آزادی کے لئے استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ کشمیریوں کے "حق خود ارادیت" کے تسلیم کر لینے کے بعد دونوں ممالک اپنی اپنی افواج واپس بلا لیتے اور کشمیریوں کو آزادانہ فیصلے کا اختیار دیا جاتا۔ مگر ایسا نہ ہوا بلکہ کشمیریوں کی نادانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان، بھارت اور ان کے کاسہ لیسوں نے حق خود ارادیت کی یہ تشریح کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کیا جائے۔ بھارت نے کشمیریوں کی غلامی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کشمیر سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ جبکہ پاکستان نے کشمیر سے نکلنے کا انکار اس وقت تو نہ کیا مگر اب اقرار کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ کشمیریوں کے لئے یہ کس قدر بد قسمتی کی بات ہے کہ دنیا میں جب کسی دوسری قوم کا حق خود ارادیت تسلیم کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ قوم اپنی مرضی سے اپنی حیثیت کے بارے میں فیصلے کرے۔ مگر یہی حق خود ارادیت کشمیری عوام کے لئے صرف دو راستوں تک محدود کر دیا جاتا ہے کہ صرف پاکستان یا بھارت سے الحاق۔ حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ حق خود ارادیت پر کوئی بھی پابندی لگائی جائے گی تو اسے "حق خود ارادیت" نہیں کہا جا سکے گا۔

جہاں تک لفظ "حق خود ارادیت (Self determination.) کا تعلق ہے۔ اس کا مطلب بین الاقوامی طور پر مسلمہ یہ ہے کہ ایک قوم اگر غلام ہے یا کوئی قوم کسی دوسری قوم کے ساتھ کسی تعلق کے بغیر رہنا چاہتی ہے تو حق خود ارادیت کے تحت ایسی قوم آزادانہ فیصلہ کرے اور یہ فیصلہ ان دو باتوں کے متعلق ہوتا ہے، کہ وہ قوم مکمل طور پر خود مختار رہنا چاہتی ہے۔ یا کسی قوم کے ساتھ الحاق کرنا چاہتی ہے۔ مگر کشمیریوں کے لئے الفاظ کی تشریح بھی الٹی کی جاتی ہے۔ ہمیں کہا جاتا ہے بس بھارت یا پاکستان اور کوئی راستہ نہیں۔ حالانکہ اس وقت بین الاقوامی طور پر یہ لفظ مکمل خود مختاری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب حق خود ارادیت کسی قوم کا تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کا اصل مفہوم سے ہٹ کر کوئی اور مطلب نہیں لیا جا سکتا۔ بین الاقوامی طور پر "حق خود ارادیت" کی تعریف و تشریح انتہائی واضح ہے

"حق خودارادیت سے مراد کسی قوم کی وہ قوت ہے ، جس کے تحت وہ بغیر کسی بیرونی دباؤ کے ، آزادانہ مرضی سے ، اپنی حکومت اور دوسرے ممالک کے ساتھ سیاسی تعلقات کے بارے میں فیصلہ کرتی ہے۔"؟

شارٹر آکسفورڈ انگلش ڈکشنری جلد دوم ۱۹۳۳ء پر تحریر تعریف کے مطابق "حق خودارادیت سے مراد کسی ریاست یا کمیونٹی کا خود مختاری پر مبنی اپنی حکومت قائم کرنے سے متعلق وہ حق ہے ، جس کا اظہار وہ اپنی پسند ۔ ذہن اور مرضی سے کر سکتی ہے۔"

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری سپلیمنٹ ۲۰۰۳ کے مطابق

"کسی قوم کا اپنی سوچ کے مطابق اور مرضی سے خود اپنی حکومت کے قیام سے متعلق آزادانہ اقدام خودارادیت کہلاتا ہے۔"

لارنس اپنی کتاب "انٹر نیشنل لاء ص ۱۱۵ پر رقمطراز ہے :۔

"حق خودارادیت جب کسی قوم یا سلطنت کے بارے میں بولا جانے تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس سلطنت یا قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ جس طرح چاہے ، اپنے سیاسی امور کی انجام دہی میں ، کسی دوسری قوم یا سلطنت کو دخل اور قابو حاصل نہ ہو ۔ بین الاقوامی قانون میں جب حق خودارادیت کسی مملکت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا معیار صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ مملکت اپنے خارجی تعلقات قائم کرنے میں آزاد ' و خود مختار ہے اور وہ دنیا کی جس مملکت کے ساتھ چاہے ، تجارتی تعلقات یا معاہدات رکھے۔" (۱)

امان اللہ خان لکھتے ہیں ۔ "توموں کا حق خودارادیت نہ محدود کیا جا سکتا ہے ۔ نہ مشروط نہ مقید ۔ عملی نقطہ نظر سے اس سے مراد خود مختاری ہے۔" (۲)

ادھر جب بھارت و پاکستان کے کردار کو دیکھتے ہیں تو ان دونوں ممالک نے اقوام متحدہ کے فیصلے کو تو ۱۹۴۸ء میں ہی تسلیم کر لیا تھا مگر ۱۹۴۸ء سے ہی دونوں ممالک کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ بنانے کے لئے ہلکان ہو رہے ہیں ۔ بھارت کا واویلا تو سمجھ میں آنے والا ہے مگر پاکستان کا کردار سمجھ سے بالاتر ہے ۔ یہ

---

(۱) ابرار سلطان "کشمیر میں قومی آزادی کی تحریک ۔ ص ۳ (۲) امان اللہ خان "فری کشمیر ۔ ص ۲۹۸

ملک سچائی اور انصاف کے اصولوں کے لئے معرض وجود میں آیا تھا۔ مگر معلوم نہیں کشمیر میں کون سے چاشنی ہے، جو دونوں ممالک ہر اصول کو بالائے طاق رکھ کر کشمیر کے لئے لڑ رہے ہیں۔

یہاں چونکہ پاکستان کے متعلق بات ہو رہی ہے، اس لئے اب یہ دیکھنا ہے کہ کیا حق خودارادیت تسلیم کر لینے کے بعد پاکستان یہ دعوی کرنے میں حق بجانب ہے کہ وہ کشمیر کو اپنا حصہ جتائے اور کیا یہ ممکن ہے کہ کسی علاقے کے لوگوں یا کسی قوم کا ایک بار حق خودارادیت تسلیم کر لینے کے بعد اسے بدلا جا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ علاقہ پہلے کسی ملک کا حصہ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، حق خودارادیت کے تسلیم کر لینے کے بعد پاکستان یا بھارت یا کسی بھی تیسرے ملک کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کشمیر کو اپنا علاقہ شمار کرے۔ یہ انسانی حقوق کی پامالی ہی نہیں، بین الاقوامی اصولوں اور وعدوں کی بھی کھلی خلاف ورزی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کشمیر پاکستان کا حصہ تھا تو پھر مسئلہ اقوام متحدہ میں کیوں لے جایا گیا اور وہاں پر کشمیریوں کا حق خودارادیت تسلیم کیوں کیا گیا تھا۔ حق خودارادیت تسلیم کرنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ یہ قوم یا اس علاقے کے مکین ہمارے ملک کا حصہ نہیں ہیں۔ اگر کشمیر پاکستان کا حصہ تھا تو پھر سوچ کر قدم اٹھانا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تقسیم ہند کے اصولوں کی تشریح بھارت اور پاکستان اپنے انداز میں کرتے ہیں۔ اگر بالفرض محال اس قانون کے تحت کشمیر پاکستان کا حصہ بنتا ہے تو بھی اب ہم یہ تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے، اس لئے کہ حق خودارادیت تسلیم کر لینے کے بعد پاکستان اپنے اس مطالبے سے قانونی طور پر دستبردار ہو گیا ہے۔

کے۔ ایچ۔ خورشید لکھتے ہیں:۔

" پھر ایک بات اور بھی ہے۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ کشمیر آئینی طور پر ۱۹۴۷ء میں پاکستان کا حصہ بن گیا تھا تو پھر وہاں حق خودارادیت یا رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس صورت میں ہمارا نظریہ یہ ہوتا کہ کشمیر بھی ویسا ہی بھارتی مقبوضہ علاقہ ہے، جیسے ۱۹۷۱ء میں شکر گڑھ کے کچھ حصے۔ مگر یہ حقیقت نہیں ہے اور شکر گڑھ کے کچھ حصے یا سندھ میں بھارتی

مقبوضہ علاقے کی پوزیشن بالکل مختلف ہے اور ان علاقوں میں رائے شماری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان کو اس بات کا حق ہے کہ ان علاقوں کو بزور شمشیر حاصل کر لے۔ لیکن کشمیر کو بزور شمشیر حاصل کر لینے سے بھی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ ایک بار مستقبل کے تعلقات یا ہمسایہ ملکوں سے مراسم کا فیصلہ وہاں کے لوگوں کی خواہشات اور مرضی کے مطابق طے کرنا پڑے گا۔ (۱)

پاکستان اور معاہدہ قائمہ:

معاہدہ قائمہ ایک ایسی دستاویز ہے، جو حکومت پاکستان کے اس مؤقف کے لئے ایک ثبوت ہے کہ وہ کشمیر کو پاکستان کا حصہ نہیں سمجھتی تھی۔ یہ معاہدہ قائمہ حکومت پاکستان نے صرف کشمیر کی حکومت سے ہی نہیں کیا تھا بلکہ نظام حیدرآباد کے اعلان خود مختاری کے بعد اس سے نہ صرف معاہدہ قائمہ کیا بلکہ نظام نے اپنے ایک اہلکار کو بطور سفیر کراچی میں تعینات بھی کیا تھا۔

کشمیر کے وزیراعظم نے معاہدہ قائمہ کے لئے ٹیلی گرام ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء کو حکومت پاکستان کے نام بھیجی، جس میں کہا گیا کہ۔

" حکومت جموں و کشمیر حکومت پاکستان سے ان تمام معاملات پر معاہدہ قائمہ کرنے میں خوشی محسوس کرے گی، جو اس سے پہلے سبکدوش ہونے والی برطانوی ہند کی حکومت کے ذمے تھے۔ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ موجودہ انتظامات اس وقت تک جاری رہنے چاہئیں، جب تک کہ غیر تصفیہ شدہ معاملات کو از سر نو باضابطہ طور پر طے نہ کر لیا جائے۔ اور اس کا جواب ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے خارجہ سیکرٹری نے یوں دیا:۔

" آپ کی ۱۲ اگست کی تار کے مطابق حکومت پاکستان حکومت جموں و کشمیر کے ساتھ معاہدہ قائمہ کے لئے رضامند ہے اور یہ کہ موجودہ انتظامات اس وقت تک جاری رہیں جب تک کہ معاملات کو باضابطہ طور پر طے نہ کر لیا جائے۔

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید ص ۲۷

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں، اقوام متحدہ کے نقطہ نظر سے :۔

یہ بین الاقوامی ادارہ گو کسی ملک کو جبراً آزادی دلوانے کا اہل تو نہیں مگر اس نے اصولی بحث اور مؤقف کے بل بوتے پر کئی قوموں کے لئے حصول آزادی کو آسان بنایا ہے۔ اس کے باوجود کہ پانچ بڑی طاقتوں نے اسے معذور بنا رکھا ہے۔

۶ دسمبر ۱۹۴۸ء کو سلامتی کونسل کے صدر نے کہا:۔

" میں سلامتی کونسل کو اطلاع دے سکتا ہوں کہ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو جبکہ حیدرآباد اور دیگر ہندوستانی ریاستوں پر برطانیہ کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو گیا تو جو اختیارات پہلے تاج برطانیہ استعمال کیا کرتا تھا، ان میں سے کوئی ایک بھی نئی دو مملکتوں یعنی ہندوستان و پاکستان کے نام منتقل نہیں کیا جا سکتا۔(۱)

سلامتی کونسل نے ۳۰ مارچ ۱۹۵۱ء کو قرارداد منظور کی، جس میں کہا گیا:۔

" بھارت اور پاکستان نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء اور ۵ جنوری ۱۹۴۹ء کی قراردادیں منظور کر لی ہیں اور دونوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں جمہوری اور غیر جانبدارانہ طریق سے رائے شماری کے ذریعے کیا جائے گا۔(۲)

کمیشن برائے پاک و ہند کی جس رپورٹ کو سلامتی کونسل، بھارت اور پاکستان نے تسلیم کیا تھا، وہ یہ تھی:۔

" حکومت ہند اور پاکستان دوبارہ اقرار کرتی ہیں کہ کشمیر و جموں کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے لوگوں کی رائے عامہ کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ ان رپورٹوں میں " ریاست ۔ کے مستقبل کا فیصلہ ۔ الفاظ مرقوم ہیں ۔ سر بینگال راؤ نے ۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء کی عارضی صلح کی تجاویز کے مطابق یہ دعویٰ کیا تھا کہ ان میں ریاست کے خود مختار ہونے کا اصول تسلیم

---

(۱) بحوالہ اسداللہ " حق خودارادیت اور کشمیر ۔ ص ۳

(۲) K.Sarwar Hassan. The Kashmir Question. ص ۴۳

کیا گیا ہے۔

ریاست کے خود مختار رہنے کے اصول کو تسلیم نہ کئے جانے کے بغیر چارہ نہیں کیونکہ ۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء کی ان تجاویز کے بعد ۱۹ مئی ۱۹۴۹ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ نے سلامتی کونسل میں حیدر آباد کے مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"قانون آزادی ہند ۱۹۴۷ء کی دفعہ ۷ کے مطابق برطانیہ اور دیسی ریاستوں کے مابین تمام معاہدے ختم ہو گئے اور ان معاہدوں کے ساتھ اقتدار اعلیٰ کا تعلق بھی ختم ہو گیا۔ میری گذارش یہ ہے کہ قانونی پوزیشن بالکل واضح ہے، کہ اسے ہندوستان کی آزادی کے قانون کے مطابق دیکھا جائے یا ان وضاحتوں کی روشنی میں جو برطانوی پارلیمنٹ برطانیہ کے اس وقت کے وزیراعظم اور ان کے رفقائے کار نے پیش کی تھیں۔ (۱)

جب کہ ہندوستان کے نمائندے سر گوپال سوامی آئینگر نے سلامتی کونسل کے ۲۷۷ ویں اجلاس میں کہا:

" ریاستوں کو خود مختار رہنے کا حق ہے اور ان میں سے جو ریاستیں ہندوستان اور پاکستان سے باہر رہنے کی خواہشمند ہوں گی ان کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ اقوام متحدہ کی ممبر بن جائیں۔ (۲)

بھارت اور پاکستان کے ان دو اہم نمائندوں کا مؤقف دراصل بھارت و پاکستان کا سرکاری مؤقف ہی تو ہے۔

---

(۱) بحوالہ اسد اللہ قریشی

(۲) محمد اسد اللہ "حق خود ارادیت اور کشمیر" ص ۸

(۳) ایضاً

کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں۔ پاکستان کے ۴۴ سالہ کردار کی روشنی میں

یہاں اس بات کا اعادہ ایک بار پھر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگر ۱۹۴۷ء میں کشمیر کا فیصلہ ہو جاتا تو شاید آج ہم پاکستان کے کردار کو کشمیر کی جدوجہد کے حوالے سے نہ جانچتے۔ پاکستان کا دعویٰ ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے اور اس کے متعلق کسی قسم کی کارروائی اس کی ذمہ داری ہے۔ جبکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ نہیں، جب تک کہ وہ رائے شماری کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ نہ کر لے۔ یہ فیصلہ اور اس امکانی فیصلے تک پہنچنے کے لئے جدوجہد کے مراحل طے کرنا کشمیریوں کی ذمہ داری ہے اور انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادانہ طور پر جدوجہد کر سکیں۔ مگر کشمیری آزادانہ کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تمام معاہدے اور وعدے پاکستان اور بھارت نے کر رکھے ہیں۔ کشمیری جنگ بندی۔ تاشقند یا شملہ کسی معاہدے میں شریک نہیں۔ اس وجہ سے کشمیریوں میں احساس محرومی نے جنم لیا ہے اور یہ احساس جب جنم لیتا ہے تو زبانوں پر تالے اور قلموں پر پہرے لگا کر ختم نہیں کیا جا سکتا۔

کسی قوم کا کردار اس کے اہداف اور اہداف سے اخلاص کی کسوٹی ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک قائداعظم کی وفات کے بعد پاکستان کو ایسی قیادت ملی، جو کشمیر کے بارے میں مخلصانہ پالیسی اس لئے جاری نہیں رکھ سکی کیونکہ بنیادی طور پر وہ پاکستان سے بھی مخلص نہ تھی۔ پاکستان کی قیادت ہوس اقتدار اور مفاد پرستانہ نقطہ نظر کی حامل رہی اور قومی پالیسیاں ذاتی مفادات کو مدنظر رکھ کر بنائی جاتی رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان اپنے ایک بازو سے محروم ہوا اور آج پاکستان کے دانشور اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے حکمرانوں کا رویہ مشرقی پاکستان کے ساتھ کبھی بھی حقیقت پسندانہ اور مخلصانہ نہیں رہا تھا۔

چونکہ پاکستان کی سرکاری پالیسی مسلسل یہی رہی ہے کہ کشمیر پاکستان کا حصہ ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے ۴۴ سالوں میں پاکستان کا سرکاری کردار بھی بیان کیا جائے تاکہ مزید وضاحت ہو سکے۔

اس کردار کو بیان کرنا اس لئے بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ہم سمجھتے

ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ آزادی وطن کے لئے جدوجہد کریں۔ کچھ حلقے یہ سمجھتے ہیں کہ کشمیر کی آزادی پاکستان کی ذمہ داری ہے۔ اس ابہام کو ختم کرنے اور کشمیریوں میں قومی جذبہ پیدا کرنے کے لئے لازم ہے کہ حقائق و واقعات کو سامنے لایا جائے۔

۱۹۴۷ء کی جنگ اور پاکستان کا کردار

کشمیریوں کی طرف سے آزادی کشمیر کے لئے یہ پہلی اور آخری بڑی کوشش تھی۔ نہتے کشمیریوں نے مسلح ریاستی فوج کو تتر بتر کر دیا تھا۔ پاکستان اس جنگ کو اپنے کھاتے میں ڈالتا ہے اور کشمیریوں پر جو احسان دھرتا ہے "کہ آزاد کشمیر۔ پاکستان نے آزاد کرایا تھا بالکل بے بنیاد ہے۔ اصل صورت یہ ہے کہ اس جنگ میں مقامی لوگوں کا ساتھ سرحدی قبائلیوں نے دیا تھا۔ یہ ایک بے ترتیب سی لڑائی تھی، یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جذبے اور مسلح لوگوں کی جنگ تھی۔ ورنہ کشمیری باقاعدہ فوج کی طرح منظم تو نہ تھے اور قبائلی بھی قافلوں کی شکل میں بے ترتیبی سے آگے بڑھتے رہے۔ پاکستان یہ دعوی کرتا ہے کہ یہ جنگ اس نے لڑی تھی اور کشمیر کے لئے لڑی تھی۔ پہلی بات یہ ہے کہ اگر پاکستانی افواج اس جنگ میں مقامی کشمیریوں کی صرف ہتھیاروں سے ہی مدد کرتی تو بھی شاید آج کشمیر کا نقشہ مختلف ہوتا اس جنگ کے متعلق پاکستان افواج کے اس وقت کے چیف آف سٹاف میجر جنرل اکبر خان (رینائرڈ) نے اپنی کتاب "Riaders in Kashmir" میں بہت سے انکشافات کئے ہیں، جس کا ترجمہ "کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس" کے نام سے عنایت اللہ نے مکتبہ داستان لمٹیڈ لاہور سے شائع کیا ہے۔ اس میں جنرل اکبر خان نے پاکستان کے اس دعوے کی دھجیاں اپنے ہاتھوں سے یوں بکھیری ہیں:-

میاں افتخارالدین (جو مسلم لیگ کے ایک لیڈر تھے) نے بتایا کہ جو بھی کارروائی کی جائے گی، پاکستان کی فوج یا افسر اس میں حصہ نہیں لیں گے۔(۱)

---

(۱) میجر جنرل اکبر خان "کشمیر کے حملہ آور پنڈی سازش کیس"۔ ص ۳۰

جو بھی کارروائی ہوگی غیر سرکاری ہوگی اور اس میں فوج اور افسر حصہ نہیں لیں گے تو سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا محکمہ مال کے پٹواریوں نے اس غیر قانونی کارروائی میں حصہ لینا تھا۔ یہ انکشاف کوئی سیاستدان یا عام فوجی نہیں کر رہا، اس وقت کی پاکستانی افواج کا چیف آف سٹاف کر رہا ہے۔

جنگ کے دوران پاکستان کا کردار کیا رہا، میجر جنرل اکبر خان اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:۔

" ہمیں ۵۰۰ رائفلوں کی ضرورت پڑی۔ وہ ہمیں کہیں سے ملنے کی توقع نہ تھی مگر مجھے پتہ چلا کہ پنجاب پولیس کو چار ہزار رائفلوں کی منظوری ہو چکی تھی اور پولیس کو فی الحال ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ یہ سکیم تیار کی کہ یہ رائفلیں پولیس سے لے لی جائیں گی۔ بعد میں انکشاف ہوا کہ رائفلوں کی پوری تعداد ان لوگوں تک نہیں پہنچی تھی، جن کے لئے یہ رائفلیں تیار کی گئی تھیں۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ پنجاب پولیس نے ان رائفلوں کی جگہ، جو انہیں فوج سے ملی تھیں، فرنٹیئر کی بنی ہوئی دیسی رائفلیں آگے بھیج دیں۔ یہ رائفلیں بہت گھٹیا قسم کی تھیں، جنہیں بہت جلد بے کار ہو جانا تھا۔

پولیس کی دی ہوئی رائفلیں بے کار ہو چکی تھیں۔ یہ تمام کے تمام آدمی واپس چلے گئے اور جو دو سو رائفلیں ان کے لئے بھیجی تھیں، جنہیں سرینگر کے ہوائی اڈے کے اردگرد پوزیشن لے کر بھارتی طیاروں کو لینڈنگ سے روکنا تھا، ان کو خورشید انور نے رائفلیں دی ہی نہ تھیں۔ (۱)

یاد رہے خورشید انور مسلم لیگ گارڈ کا کمانڈر تھا۔

اس کتاب کو پڑھنے سے اور بہت سے انکشافات ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اس وقت پاکستانی لیڈروں پر یہ خوف طاری تھا کہ اگر انہوں نے براہ راست کشمیر پر حملہ کر دیا تو بھارت پاکستان پر حملہ کر دے گا۔ چنانچہ یہ لیڈر خوف کے مارے لاہور اور راولپنڈی کے ائیر کنڈیشنڈ کوٹھیوں سے باہر نہ نکلتے تھے۔ مگر اب یہ دعوی کر رہے ہیں کہ انہوں نے کشمیر کے لئے جنگ کی تھی، حالانکہ مذکورہ

---

(۱) کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس مترجم عنایت اللہ ص ۳۰

بالا کتاب کا مصنف فوج کا کمانڈر انچیف ہونے کی حیثیت سے یہ دعوی کرتا ہے کہ لیڈروں کا یہ خوف بے بنیاد تھا۔ ورنہ ہندوستان کی حالت بھی پاکستان جیسی تھی۔ ان لیڈروں کے دعوی کی قلعی میجر جنرل اکبر خان یوں کھولتے ہیں:۔

" اگر ۱۹۴۷ء میں پاکستان صرف دو بکتر بند گاڑیاں دے دیتا تو ہم سرینگر میں داخل ہو جاتے مگر پاکستان نے دو بکتر بند گاڑیاں دینے سے انکار کر دیا۔"(۱)

یہاں ہم ایک آفریدی مجاہد سردار گل سے انگریزی اخبار " سول اینڈ ملٹری گزٹ " کے نمائندے کی بات چیت نقل کرتے ہیں، جو اس نے ۱۲ نومبر ۱۹۴۸ء کو اپنے اخبار کو بھیجی تھی۔ اس بات چیت سے پاکستان کا کردار مزید نکھر کر سامنے آ جائے گا۔ یہ مجاہد بارہ مولا میں ہندوستانی دستوں سے دست بدست لڑائی میں زخمی ہوا تھا۔ اس سے دریافت کیا گیا کہ وہ زخمی کیسے ہوا تو اس نے مسکرا کر جواب دیا کہ میں نے اس شخص کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا، جس نے مجھے زخمی کیا۔

یہ آفریدی سوا پانچ سو رفقاء کے ساتھ قبائلی علاقہ سے کشمیر میں داخل ہوا تھا اس نے نمائندہ پریس کو بتایا۔

" ہم کشمیر کی شیطانی حکومت کے خلاف جہاد کرنے آئے تھے۔"

اخبار کا نمائندہ رقمطراز ہے " مجھے آفریدی سردار سے معلوم ہوا کہ وہ ان بے شمار قبائلی لیڈروں میں سے ایک ہے، جو اس وقت بارہ مولا سرینگر روڈ پر ہندوستانی دستوں کے خلاف دیوانہ وار لڑ کر ان کے لئے وجہ پریشانی بنے ہوئے ہیں۔ اس سردار نے مجھے بتایا کہ ہم اس جہاد کو جاری رکھنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ پاکستان نے کشمیر کے سلسلہ میں جو عدم تعاون شروع کر رکھا ہے، اس کے باوجود ہمارا جہاد جاری رہے گا۔ جب میں نے آفریدی سردار کو بتایا کہ پاکستان پر قبائلیوں کو امداد دینے کا الزام عائد کیا جا چکا ہے تو زخمی سردار نے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیا اور گرم جوشی سے کہا۔ " کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ پاکستان نے ہمیں معمولی سی مدد دی ہوتی تو آج یہ حالات پیدا ہوتے۔ قبائلی سردار نے مجھے ساتھیوں کی ایک بندوق دکھائی، جس کے دھانے سے گولیاں بھری جاتی ہیں۔ اس

---

(۱) کشمیر کے حملہ آور اور ہندی سازش کیس علامت اللہ ص ۳۸۔ ۴۲

نے کہا ہمیں چور بازار کے شاطروں سے دو روپے کی گولی کے حساب سے اسلحہ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ میں آپ کو یہ بتانے سے معذور ہوں کہ چور بازار کے یہ شاطر کون ہیں۔"

" میں نے آفریدی سردار سے دریافت کیا کہ ہندوستان کی باقاعدہ فوج کے خلاف کب تک جنگ جاری رکھ سکیں گے تو اس نے جواب دیا ہم مصروف جہاد ہیں اور ہماری آزاد فوجوں کی جمعیت بالآخر دشمنوں کو حیرت میں ڈال دے گی۔ اس سوال پر کہ آزاد فوجیں خوراک اور طبی امداد کیونکر حاصل کریں گی، اس نے جواب دیا۔" یہی وہ بڑے بڑے مسائل ہیں، جن سے ہم اب دوچار ہیں۔ ممکن ہے ان کے باعث ہمیں عارضی طور پر پسپائی اختیار کرنی پڑے۔ میں وزیرستان جا رہا ہوں تاکہ اپنے وسائل کو بہتر بنا سکوں۔ میں بہت جلد واپس آؤں گا اور اپنے ساتھ اور سامان اور ساتھی لاؤں گا۔ فی الحال ہماری سکیم یہ ہے کہ صرف معمولی جھڑپوں پر اکتفا کیا جائے۔ بعدازاں ہندوستانی فوج کو انتہائی دور کے پہاڑی علاقوں میں ہم لے آئیں گے۔ جب وہ بکتر بند دستوں کی امداد سے محروم ہو جائیں گے تو ہم ان پر جھپٹ پڑیں گے۔ اس طرح کافی وقت ضائع تو ضرور ہو گا لیکن ہماری سرگرمیوں کا نظام فیصلہ کن ہو گا۔(۱)

اس ضمن میں کافی شواہد موجود ہیں کہ حکومت پاکستان کے سینئر افسروں نے جن میں سول اور فوجی حکام اور خود سیکرٹری دفاع بھی شامل ہیں، اس کاروائی کی مخالفت کی اور ہدایات جاری کیں کہ حریت پسندوں کی پیش قدمی کو ہر حال میں روکا جائے۔ رضاکاروں کو ہندوستان کے ان فوجیوں کے مقابلے میں، جنہیں ہندوستان بڑی مستعدی سے ریاست میں بھیج رہا تھا، کوئی بھی امداد فراہم نہ کی گئی۔ پاکستان کے محب وطن عناصر نے ان رضاکاروں کو جو بھی امداد بھیجی، وہ بھی بدعنوانی کی نذر ہو گئی۔ یا ان لوگوں کی باہمی چپقلش کے باعث ضائع ہو گئی، جنہوں نے اس تحریک کی قیادت سنبھال رکھی تھی۔ اس سلسلے میں رقم خرد برد کی گئی اور رائفلیں منافع پر فروخت کر دی گئیں۔" (۲)

---

(۱) مشتاق احمد قریشی۔" جہاد کشمیر۔ ص ۱۳۶ (۲) قرطاس ابیض ۷۷ ۱۹ء

جہاں تک قبائلیوں کا تعلق ہے ، یہ زیادتی ہوگی کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ قبائلی پاکستان کی مرضی و منشا سے کشمیر میں داخل ہوئے تھے ۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ، قبائلی لوگ خالصتاً اسلامی جذبہ جہاد کے تحت کشمیر میں داخل ہوئے تھے ۔ کیونکہ انہیں کشمیریوں پر دردناک ظلم کی اطلاعات مل رہی تھیں ۔ بعض لوگ اور مہاراجہ ہری سنگھ قبائلیوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ فقط مال غنیمت اور لوٹ مار کے لئے کشمیر میں داخل ہوئے تھے ۔ یہ غلط ہے ۔ جہاں تک لوٹ مار اور عصمت دری کے بعض واقعات کا تعلق ہے ، قبائلیوں کے ساتھ کچھ لٹیرے ضرور داخل ہوئے ہوں گے ، جو ایسے موقع کی تلاش میں رہتے ہیں ۔ مگر مجموعی طور پر قبائلیوں پر یہ الزام درست تسلیم نہیں کیا جا سکتا ۔

پاکستان قبائلیوں کی وجہ سے یہ دعوی کرتا ہے کہ اس نے جنگ لڑی ہے یا ہمارے سادہ لوح کشمیری ایسا خیال کرتے ہوں ۔ لیکن حقائق یہ نہیں ہیں ۔ کیونکہ اس وقت تک قبائلی علاقے پاکستان میں شامل نہ ہوئے تھے اور قبائلی علاقوں کی پوزیشن وہی تھی جو انگریزوں کے دور میں تھی ۔ کشمیر میں جنگ بندی ۳۱ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ہو گئی تھی اور گورنر جنرل پاکستان نے ۱۹۴۹ء میں ایک حکم جاری کیا تھا جس کی رو سے قبائلی علاقوں کو پاکستان کا حصہ قرار دیا گیا تھا ۔ اس طرح کشمیر کی جنگ بندی تک یہ قبائلی پاکستان کے باشندے نہ تھے اور نہ ہی پاکستان کا کوئی قانون ان پر لاگو ہوتا تھا ۔ یہ بات واضح ہے کہ پاکستان ان قبائلیوں کو زبردستی بھی روکنے کی کوشش کرتا تو بھی قبائلی نہ رکتے اور نہ پاکستان خطرہ مول لینے کی پوزیشن میں تھا اور یقینی بات ہے کہ جس طرح پاکستانی لیڈر جنگ سے خوف کھا رہے تھے اگر ان کے بس میں ہوتا تو قبائلیوں کو ضرور روکتے اور اس کا اعتراف بھی کیا گیا ہے ۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے ۔ حقائق کسی نہ کسی طرح سامنے آ ہی جاتے ہیں ۔

چوہدری محمد علی، جو پاکستان کے ایک مقتدر رہنما اور وزیراعظم رہ چکے ہیں، اپنی کتاب میں انکشاف کرتے ہیں کہ :-

" قبائلی کشمیر میں جہاد کرنا اپنا فرض سمجھنے لگے ۔ ۲۱ اکتوبر کو لیاقت علی خان

نے غیر معمولی گھبراہٹ کے عالم میں مجھے یہ بتایا کہ کئی ہزار کا قبائلی لشکر کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کیا آپ نے قائداعظم کو اطلاع دے دی ہے۔ انہوں نے کہا ابھی نہیں۔ انہیں خود ابھی اطلاع ملی تھی۔ حکومت پاکستان اس معاملے میں بے بس تھی۔ اگر قبائلیوں کو ایک ایسی بات سے روکنے کی کوشش کی جاتی ہے، جسے وہ اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں تو اس سے سارے سرحدی علاقے میں آگ لگ جاتی۔ پاکستانی فوج نہ تو پوری طرح منظم تھی اور نہ ٹھیک طرح مسلح۔(۱)

ماہنامہ حکایت لاہور کے مدیر جناب عنایت اللہ جنگ ۴۸ء کے بارے میں لکھتے ہیں:

"۱۹۴۸ کی کشمیر کی جنگ آزادی میں پاکستان نے مجاہدین کی جو فوجی مدد کی، اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں۔ اس مدد کی تفصیلات بڑی ہی افسوس ناک بلکہ شرمناک ہیں۔ یہ تو مجاہدین آزادی کا کمال تھا کہ انہوں نے آزاد کشمیر کا یہ ٹکڑا آزاد کرا لیا تھا اور سرینگر کے دروازے پر جا پہنچے تھے۔ اگر اس وقت پاکستان تہہ دل سے انہیں فوجی امداد دے دیتا اور ٹروپس اس وقت وہاں بھیج دئیے جاتے، جب سرینگر میں بھارتی فوج سے لدے ہوئے طیارے آ رہے تھے تو آج کشمیر کی تاریخ مختلف ہوتی۔"(۲)

جہاں تک میجر جنرل اکبر خان اور چند دوسرے پاکستانی رضاکاروں کا تعلق ہے تو یہ ان لوگوں کا انفرادی فعل تھا، جو ان کے جذبہ ایمانی کو ظاہر کرتا ہے۔ میجر جنرل اکبر خان جنگ کے دوران ایک موقع پر قبائلیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:-

"مجھے صلاح مشورے دینے کے لئے نہیں بھیجا گیا بلکہ میں بھی آپ کی طرح

---

(۱) ظہور پاکستان ص ۲۵۰۔ (۲) حکایت مارچ ۱۹۷۵ء ص

رضاکار ہوں۔(۱)

یہاں یہ بات ذہن میں پیدا ہو سکتی ہے کہ پاکستان کی پالیسی دوگونہ تھی۔ ورنہ وہ چیف آف سٹاف کو کیسے جانے دیتا۔ جہاں تک پالیسی کا تعلق ہے، اگر پاکستان حالات کے مطابق کوئی پالیسی بنانے کے قابل ہوتا تو ۴۴ سال سے نہ پاکستانی روتے، نہ ہم کشمیری روتے۔ پاکستان کی پالیسیاں وہ لوگ بناتے رہے ہیں جو وحقیقتاً ملک کے خیر خواہ نہیں ہوتے۔ پاکستان کے حکمرانوں سے سوائے قائداعظم یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ان کی ہر پالیسی قوم کے مفاد میں ہو گی۔ کیونکہ ۴۴ سالہ تاریخ روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔ جہاں تک چیف آف سٹاف کا تعلق ہے تو میجر جنرل اکبر خان پر پنڈی سازش کیس اسی کارنامے کا انعام ہی تو تھا، جس میں ۱۴ سال قید سنائی گئی تھی۔ جہاں تک پاکستانی فوج کے داخلے کا سوال ہے۔ ہمیں کلی انکار اس لئے نہیں کہ یہ فوجیں کشمیر میں داخل ضرور ہوئی ہوں گی مگر اس وقت جب انہیں اپنی اپنی سرحدوں کا خطرہ محسوس ہوا ہو گا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ بھارتی سرحد کوہالہ اور منگلا ہوتی۔ جہاں تک گلگت و بلتستان کا تعلق ہے، تو یہ بھی خالصتاً وہاں کے لوگوں کا کارنامہ ہے، جس میں کسی اور کا دخل نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے میجر جنرل اکبر خان کی کتاب "کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس" ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ کشمیر کی باغی حکومت کا قیام اور پاکستان کا کردار

مہاراجہ ہری سنگھ کے متوازی ایک حکومت کی تشکیل بہت بڑا انقلابی قدم تھا ہماری

---

(۱) کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس ص ۹۳

بد قسمتی ہے کہ یہ حکومت کوئی انقلابی قدم نہ اٹھا سکی اور نہ ہی حکومت کو انقلابی بنیادوں پر استوار کر سکی۔ حالات کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہے کہ یہ حکومت انتہائی عجلت میں بغیر کسی ٹھوس منصوبہ بندی کے قائم کی گئی۔ اس کا پہلا اعلان ۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پنڈی کے ایک ہوٹل سے کیا گیا، جس کا ہیڈ کوارٹر مظفر آباد اور جس کا صدر "انور" نامی شخص بتایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ اصل نام نہیں تھا۔ البتہ ۲۴ اکتوبر کو دوبارہ بننے والی حکومت قدرے سوچ سمجھ کر بنائی گئی۔ اس کا ہیڈ کوارٹر پلندری میں رکھا گیا۔ سردار ابراہیم اس کے صدر منتخب ہوئے۔ کشمیر پر لکھنے والے زیادہ تر حکومت کا قیام ۲۴ اکتوبر لکھتے ہیں اور آزاد کشمیر کی حکومت نے بھی اسی تاریخ کو بطور یوم آزاد کشمیر اختیار کر رکھا ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس حکومت کے قیام کا اعلان ۴ اکتوبر کو کیا گیا۔ ہفت روزہ "لائٹ" لاہور اپنی ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کی اشاعت میں اس حکومت کا ذکر ۴ اکتوبر کی تاریخ سے کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۷ء کا پاکستان ٹائمز "آزاد کشمیر حکومت کی تشکیل نو" کی سرخی جماتا ہے، جس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے آزاد حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔

چہ جائیکہ پاکستان اس انقلابی حکومت کو خود بھی اور دوسرے ممالک سے تسلیم کرواتا، اس نے اسے کٹھ پتلی بنانا ضروری سمجھا۔ یہیں سے ہماری آزادی کی تحریک کا رخ غلط سمت موڑ دیا گیا، جس کا خمیازہ ہم ابھی تک بھگت رہے ہیں۔

"حکومت آزاد کشمیر" کٹھ پتلی بن گئی۔ کٹھ پتلی یوں بنی کہ آغاز ہی میں "وزارت امور کشمیر" کو تلوار کی طرح "آزاد کشمیر حکومت کے سر پر لٹکا دیا گیا اور اس چھوٹے سے ٹکڑے میں بھی کشمیریوں کو اپنی مرضی سے کچھ نہ کرنے کا پابند کر دیا گیا، جبکہ گلگت و بلتستان پر انگریزوں کے دور کا قانون برقرار رکھا، جو ۴۴ سال سے نافذالعمل ہے۔ کشمیر کے صدر بنائے جاتے رہے، مگر صرف مسلم کانفرنس نام کی ایک سیاسی تنظیم کی اشیرباد سے۔ مسلم کانفرنس بھی صرف وہ شمار ہوتی، جو وزارت امور کشمیر کے پاس رجسٹرڈ ہوتی۔ حقیقت میں پاکستان کی اس نوآبادی پر حکومت، وزارت امور کشمیر کا جائنٹ سیکرٹری کرتا تھا۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔ ایک اجلال حیدر زیدی جاتا ہے تو دوسرا آجاتا ہے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے

گا، جب تک "آزاد کشمیر" کی حکومت کو ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرا لیا جاتا۔ معاصر ہفت روزہ لکھتا ہے:-

"پاکستان میں آج تک نظریہ پاکستان کے مطابق جمہوریت کو فروغ دینے کی مخلصانہ سعی نہیں کی گئی۔ بڑے بڑے مقتدر حاکم جمہوریت کی آڑ میں تسلطانیت اور آمریت قائم کرتے رہے، جس کا اثر آزاد کشمیر پر پڑنا ناگزیر تھا۔ یہاں کے سیاہ و سفید کی مالک وزارت امور کشمیر کو بنایا گیا، جس نے حریت پسندوں کے اس خطے کو چھوٹی سی نوآبادی میں تبدیل کر دیا۔ اپنے من پسند "گماشتوں" کو عنان حکومت سونپ کر آزاد کشمیر بھیج دیا جاتا اور پھر جب طبیعت سیر ہو جاتی تو وزارت کے کسی معمولی کارندے کو تنزلی کا پروانہ دے کر دارالخلافہ مظفرآباد بھیج دیتے۔ آزاد کشمیر کے سربراہ کو "مرد بیمار" قرار دے دیا جاتا ہے اور حکومت کسی دوسرے کے حوالے کر دی جاتی ہے۔" (۱)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحریک آزادی اپنی ابتدا ہی میں رک گئی۔ وزارت امور کشمیر نے "کرم" یہ کیا کہ کشمیریوں کو جنگ آزادی لڑنے کے بجائے مظفرآباد کی کرسی کے لئے لڑانا شروع کر دیا۔ آزادی کی جدوجہد ترک کر دی گئی اور اس کی بڑی وجہ آزادی سے زیادہ سیاست اور مظفرآباد کی کرسی کا اہمیت اختیار کر جانا تھا۔ چنانچہ اس کے عہد وزارت امور کشمیر کا کام یہ تھا کہ مظفرآباد کی کرسی کی اہمیت کم نہ ہونے پائے اور جب وزارت نے آزاد کشمیر کے سیاستدانوں کو باری باری اس جنت کی سیر کرائی تو یہ لوگ سب کچھ بھول کر فقط کرسی کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ ان سیاستدانوں نے یہ نہ کیا کہ خود تو وہ عشق اقتدار میں غرق ہو کر رہ گئے ہیں قوم کو بخش دیتے۔ مگر ان ظالموں نے قوم کو بھی نہ بخشا اور قوم کے نونہالوں میں بھی کچھ ایسی اقتدار کے جراثیم داخل کر دئیے۔ آج حالت یہ ہے کہ ہر کشمیری ماں ایک غلام سیاستدان بچے کو جنم دے رہی ہے۔ کالج، جہاں سے غلام قوموں میں آزادی کے مجاہد پیدا ہوتے ہیں

ہمارے ہاں صرف سیاستدان پیدا ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مکمل آزادی کی

---

(۱) ہفت روزہ "زندگی" لاہور شمارہ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۲۷

جدوجہد کرنے والا مجاہد آپ کو خال خال ملے گا۔ مگر ہر حلقہ انتخاب کے ہر گھر کا فرد الیکشن میں امیدوار بننے کی پرجوش تمنا ضرور رکھتا ہو گا۔ قوم کو اس حالت میں لانے کے ذمہ دار یہ چند سیاستدان ہیں، جو ۱۹۴۷ء سے والی بال میں رونیشن گیم کی طرح اپنی اپنی باری پر مظفر آباد کی کرسی پر براجمان ہو کر "عیش" کرتے ہیں، انہی لیڈروں میں سے ایک وزارت امور کشمیر سے، کشمیری لیڈروں کی داستان عشق اور اس کے جدوجہد آزادی پر اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

" اکثر کشمیری لیڈروں نے اپنے آپ کو پاکستانیوں سے زیادہ حکومت کا خیر خواہ ثابت کرنے کی کوشش کی، جس کا مقصد وزارت امور کشمیر کے افسروں کی خوشنودی حاصل کرنا تھا اور اقتدار پر اپنا تسلط قائم رکھنا تھا۔ نوکر شاہی کے عروج کے دور میں کشمیر کے "بطل جلیل" اور "رئیس الاحرار" قسم کے لوگوں کا رویہ وزارت امور کشمیر کی خواہش کے عین مطابق تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیری لیڈر شپ کا ایک بڑا حصہ وزارت امور کشمیر کی نوکر شاہی کے تابع ہو گیا اور یوں تحریک آزادی کشمیر بھی نوکر شاہی کے ماتحت آگئی۔" (۱)

کشمیر لبریشن موومنٹ اور پاکستان کا کردار

کشمیر لبریشن موومنٹ ۱۹۵۸ء میں چوہدری غلام عباس مرحوم کی قیادت میں اس وقت شروع ہوئی۔ جب یہ بات واضح طور پر محسوس کر لی گئی کہ پاکستان اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے سے قاصر ہے۔ کے ایل ایم کے سیکرٹری جنرل جسٹس یوسف صراف لکھتے ہیں:۔

" جنگ بندی کو ساڑھے نو برس گزر چکے تھے۔ یہ جنگ بندی اس شرط پر ہوئی تھی کہ ریاست کے الحاق کا فیصلہ بجائے لڑائی کے زیادہ مہذب طریقہ یعنی رائے شماری کے ذریعہ ہو گا۔ ہمارے سامنے سلامتی کونسل اور حکومت پاکستان ضامن

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید ص ۲۷

تھے ۔ سلامتی کونسل اپنی بے بسی ثابت کر چکی ہے اور حکومت پاکستان اپنی نااہلی اور کمزوری۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ ان دونوں پر تکیہ لگانے رکھنا مزید وقت ضائع کرنے کے مترادف ہو گا۔ ۔(۱)

اس تحریک نے لوگوں میں ایک بار پھر نیا جذبہ برپا کر دیا۔ مگر حکومت پاکستان کو یہ منظور نہ تھا۔ وزیراعظم فیروز خان نون نے اور اس وقت کے صدر آزاد کشمیر سردار ابراہیم نے پوری قوت سے اس تحریک کو کچل ڈالا۔ حکومت پاکستان کی طرف سے کشمیر کے متعلق پہلا واضح قسم کا اقدام تھا جس سے ظاہر ہوا کہ یہ معاملہ اب پاکستان کھٹائی میں ڈالنا چاہتا ہے۔ جسٹس یوسف صراف لکھتے ہیں۔ ۔

• ہمیں آخر وقت تک اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا کہ حکومت پاکستان ہمارے اور بھارتی سامراج کے درمیان حائل ہو گی اور ہمیں سیز فائر لائن عبور کرنے کی اجازت نہ دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۵۸ء کو راولپنڈی میں تحریک کے قائد چوہدری غلام عباس کی افسوسناک گرفتاری سے ہمیں سخت دکھ ہوا۔ ۔(۲)

دوسری طرف تحریکوں اور معاہدوں کی طرح اس کے پس پردہ مقاصد بھیانک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس تحریک سے بھی خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کئے جا سکے۔ اس تحریک کے پس پردہ مقاصد کا انکشاف راؤ عبدالرشید کی کتاب "جو میں نے دیکھا" میں ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :۔

• سازش یہ تیار کی گئی کہ آزاد کشمیر میں حالات اس قدر خراب کر دئیے جائیں کہ ان پر قابو پانے میں حکومت پاکستان ناکام ہو جائے۔ پھر سکندر مرزا سردار ابراہیم کو ڈسمس کر دیں گے اور ادھر پاکستان میں بھی ایمرجنسی نافذ کر کے اور سویلین حکومت کو ڈسمس کر کے خود ڈکٹیٹر بن جائیں گے۔ چنانچہ اسی ضمن میں کشمیر لبریشن موومنٹ کا اعلان ہوا کہ

---

(۱) عبدالصمد درانی" کے ۔ ایل ۔ ایم ۔ ص ۳۱

(۲) ایضاً ص ۱۲

تھے سیز فائر لائن کراس کر کے مقبوضہ کشمیر میں جائیں گے ۔ چوہدری غلام عباس نے سکندر مرزا اور ایوب خان کو یقین دلایا کہ وہ اتنے لاکھ آدمی بھیجیں گے ۔ اصل سازش تو آزاد کشمیر میں گڑبڑ پیدا کرنے کی تھی لیکن اعلان یہ کر چکے تھے کہ رضاکار سیز فائر لائن کراس کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل ہوں گے ۔ اس ضمن میں سکندر مرزا اور ایوب خان نے چوہدری صاحب کو یقین دلایا کہ آپ گھبرائیں نہیں۔ ہم آپ کو سیز فائر لائن کراس نہیں کرنے دیں گے ، لیکن آپ آزاد کشمیر میں جذبات ابھاریں گے ۔(۱)

یہ بات پہلی دفعہ منظر عام پر نہیں آئی بلکہ تحریک کے ساتھ ہی اس کے پس منظر اور مقاصد پر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں تھیں ۔ ان چہ میگوئیاں کا جواب جسٹس یوسف صراف ، جو اس تحریک کے سیکرٹری جنرل تھے ، ۱۹۶۰ء میں یوں دیتے ہیں :۔

" تحریک کے پس منظر کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ کئی باتیں سر بستہ راز ہوں ، جن کو ابھی ظاہر کرنے کا وقت نہ آیا ہو ۔ لیکن دو باتیں بالکل صاف اور دو ٹوک ہیں ۔ اول یہ کہ تحریک کا آزاد کشمیر کی وزارتی یا صدارتی سیاست سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا ۔ یہ بہتان حب الوطنی کی عین ضد ہے اور مادر وطن کی آزادی کے تقدس کے ساتھ ایک افسوسناک مذاق ۔ ستم کی حد یہ ہے کہ اہم غیر ملکی سفارت خانوں تک یہ بات پہنچائی گئی ۔ ۔ (۲)

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کی حقیقت

جدوجہد کے حوالے سے بات آئندہ صفحات میں ہو گی ۔ یہاں اس جنگ کی حقیقت پاکستان کے کردار کے حوالے سے بیان ہو گی ۔ یہ جنگ ہمارے لئے ایک معمہ ہے ، جس طرح ہمارے سادہ لوح لوگوں کے ذہنوں میں یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ کشمیر ۱۹۴۷ء میں خودبخود پاکستان کا حصہ بن گیا تھا ، بالکل اسی طرح ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بارے

---

(۱) رانا عبدالرشید " جو میں نے دیکھا ۔ ص ۴۲

میں کشمیر کے لوگوں کو یہ بات باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ صرف اور صرف کشمیر کی آزادی کے لئے لڑی گئی تھی۔ ہمارے لوگوں نے اس پر یقین اس لئے بھی کر لیا، کیونکہ یہ لوگ اس جنگ میں آزادی کشمیر کے نام پر بڑی بہادری سے لڑے بھی تھے۔ مگر عام لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ مملکت کی حکمت عملی کو سمجھ سکیں۔ حالانکہ نتائج سے ہی ظاہر ہو گیا تھا کہ یہ جنگ کشمیر کے لئے نہیں لڑی گئی، بلکہ کسی اور مقصد کی خاطر لڑی گئی تھی۔ پاکستان اور کشمیر کے ہزاروں فوجیوں کو حکومتوں کے مفادات کے لئے قربان کر دیا گیا۔ مقبوضہ کشمیر سے کشمیری دستوں کی جبری واپسی بھی اس بات کو تقویت دیتی تھی کہ یہ جنگ کشمیر کے لئے نہیں لڑی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ پاکستان اپنے ریڈیو اور اخبارات کے ذریعے اور آزاد کشمیر کی کٹھ پتلی حکومت کے ذریعے کشمیری لوگوں میں یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا کہ یہ معرکہ اس نے صرف کشمیر کے لئے لڑا تھا۔ ہم جب جنگ کا پس منظر اور واقعات و شواہد دیکھتے ہیں تو پاکستان کے دعوے کی نفی ہوتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ بظاہر اس جنگ کا کوئی مقصد نظر نہیں آتا اور اسی بات نے ہمارے لوگوں کو پاکستان کے دعوے کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا۔ مگر ضروری نہیں کہ جنگ کا کوئی ظاہری مقصد بھی ہو۔ بعض خفیہ مقاصد ہوتے ہیں، جو حکومتی سطح پر ہی طے جاتے ہیں۔ بہرحال ظاہراً یا مخفی، جو بھی حالات تھے، یہ جنگ اہل کشمیر کے لئے فائدے سے زیادہ نقصان کا باعث بنی۔ کمانڈوز کے مقبوضہ کشمیر سے آجانے کے بعد بھارتی آرمی نے وہاں کے مسلمانوں کا جو حشر کیا، وہ ظلم کی ہر مثال کو ماند کرتا ہے۔ جو مقامی لوگ جنگ میں شریک تھے، وہ مایوس ہو گئے۔ مقبوضہ کشمیر کے لوگ ہمارے دعوے کا ہر پہلو سے جائزہ لیتے ہیں، کہ یہ احسان ہم پر ہوا تو کیوں اور کیسے ہوا؟۔ چنانچہ اب کافی عرصہ بعد "اپریشن جبرالٹر" کے بارے میں بہت سے انکشافات ہو رہے ہیں۔ کے ایچ خورشید لکھتے ہیں:۔

" میرا پختہ یقین ہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے جو اسباب بنے، ایوب

خان ان سے قطعی لاعلم تھے ۔ وزارت خارجہ، داخلہ اور امور کشمیر کے چند اعلیٰ افسروں اور سیکرٹریوں نے، جن میں اے بی اعوان، نذیر احمد، عزیز احمد اور ذوالفقار علی بھٹو (وزیر خارجہ) شامل تھے، ایوب خان کی لاعلمی میں سارا منصوبہ تیار کیا۔ یا کم از کم انہیں اس حد تک یقین دلایا گیا کہ چھوٹا سا پروگرام ہے اور اس حد تک سنگین نہ ہو گا۔ انہیں غیر ملکی بعض سفیروں نے بھی یقین دلایا تھا۔ اس پر بھی وہ شاید نہ مانتے، کیونکہ میرا ایمان ہے کہ ایوب خان جو بھارت سے متحدہ دفاع کی پیشکش کر چکے تھے، کبھی جنگ پر راضی ہونے والے نہیں تھے۔ لیکن ان افسروں نے جو شاید اس طریقے سے ایوب خان کو کمزور کرنا چاہتے تھے، اپنے طور پر سب تیاراں مکمل کر لیں۔ بھٹو صاحب اور اعوان صاحب سے ایوب خان کی ناراضگی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں اصل واقعات سے لاعلم رکھا گیا ہے۔" (۱)

ڈاکٹر عبدالباسط اس جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں:

" ہم یہاں یہ سوال دو ٹوک پوچھتے ہیں کہ اگر واقعی آزادی کشمیر مطلوب تھی تو کیا وجہ ہے کہ اس منصوبے کو ہر سرکردہ کشمیری سے ایک راز رکھا گیا؟ کیا کشمیریوں کا جنگ آزادی میں حصہ لینا ضروری نہیں تھا؟ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آزاد کشمیر کے صدر کو بھی جانبازوں کی کارروائی کی خبر شام کو ریڈیو کے نشریے سے ہی معلوم ہوئی تھی؟۔ کیا یہ بات مضحکہ خیز نہیں کہ ریڈیو صدائے کشمیر، جس انقلابی کونسل کے احکام ہر شام کو بڑی شدومد سے نشر کرتا تھا، اس کا ایک نامور ممبر لندن کے مختلف کلبوں میں داد عیش دے رہا ہوتا تھا۔" (۲)

آگے چل کر کے ایچ خورشید ۱۹۶۵ء کی جنگ کے متعلق رقمطراز ہیں:

" ۱۹۶۵ء میں ایک اور بچگانہ کوشش کی گئی اور سرکاری دفتروں میں ایک کاغذی انقلابی کونسل قائم کر کے مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ اس نام نہاد کونسل کے

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید ص ۳ (۲) ڈاکٹر عبدالباسط ۔ کشمیر کی جنگ آزادی ۔ ص ۹

تحت صدائے کشمیر ریڈیو کام کرنے لگا اور بغیر سوچے سمجھے " مجاہدین ۔ مقبوضہ کشمیر کے علاقے میں چلے گئے ۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء کی اس کوشش میں کشمیر کی تحریک آزادی کے لئے وہاں کے جغرافیائی، مقامی حالات ، زبان اور علاقائی تمدن کو بالکل پیش نظر نہ رکھا گیا اور نہ کشمیری لیڈروں کو اعتماد میں لیا گیا ۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ پاکستان کو ناکامی ہوئی ۔ بعدازاں چھمب کے علاقے میں تسلیم کر لیا گیا کہ آزاد کشمیر کی فوجوں کے ساتھ پاکستانی فوجوں نے بھی حملہ کیا تھا اس طرح صدائے کشمیر ریڈیو اور کاغذی انقلابی کونسل کا بھانڈا چوارہے ہی میں پھوٹ گیا ۔ ۔(۱)

مدیر " حکایت ۔ لاہور جناب عنایت اللہ بڑے عرصے تک کشمیر کے مسئلے پر بڑے بیباکانہ طریقے سے لکھتے رہے اور پاکستان کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو نمایاں کرتے رہے ۔ مگر آزاد کشمیر کے سیاسی بازیگروں نے آخر ان کو بھی اتنا مایوس کیا کہ ان کا قلم بھی اس موضوع پر کم ہی حرکت کرتا ہے ۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

" ۱۹۶۵ء میں ایک بار پھر باسی کڑھی میں ابال آیا ۔ آزاد کشمیر اور پاکستان کی حکومتوں نے کمانڈو فوج تیار کر کے مقبوضہ کشمیر میں داخل کر دی ۔ ان جانبازوں نے اندر جا کر بھارت کی فوج کا جینا حرام کر دیا ۔ کوئی سپلائی لائن نہ رہنے دی ۔ کوئی ذخیرہ سلامت نہ چھوڑا ۔ پل تباہ کر ڈالے سڑکیں بند کر دیں بھارتی فوج کو مفلوج کر دیا ۔ یہاں یہ فوجی اصول پیش نظر رکھئیے کہ کمانڈو اور گوریلا آپریشن سے کسی علاقے پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ قبضہ کے لئے پہلے زمین ہموار کی جاتی ہے ۔ کمانڈو دشمن کی سپلائی اور رابطہ نظام کو تباہ کرتے ہیں ۔ اس کے یونٹوں کی جمعیت اور مرکزیت ختم کرتے ہیں اور جب دشمن کی کمر دوہری ہو چکی ہوتی ہے ، تو فوج حملہ کر کے کمانڈوز کی کامیابی کو مکمل کرتی ہے اور علاقے پر قبضہ کرتی ہے ۔ میجر جنرل اختر حسین نے اسی اصول کے تحت چھمب پر حملہ کیا تھا ۔ ہماری فورس نے

---

(۱) کے ۔ ایچ خورشید ص ۳

مقبوضہ کشمیر کے اندر زمین ہموار کر دی تھی۔ اب سکیم کا اگلا مرحلہ یہ تھا کہ کشمیر کا اکھنور والا دروازہ بند کر دیا جائے۔ اگر جنرل اختر ملک کو روک نہ لیا جاتا تو ہمارے ہاتھ نہ صرف بھارتی فوج کے دو لاکھ جنگی قیدی ہوتے بلکہ مقبوضہ کشمیر آزاد ہو چکا ہوتا۔ مگر ہمارے ڈکٹیٹر نے طشتری میں رکھ کر کشمیر بھارت کو دے دیا اور تاشقند میں روس اور امریکہ سے خراج تحسین وصول کیا۔ (۱)

اسداللہ کاشمیری جنگ ۱۹۶۵ء کا پس منظر اور پاکستان میں برطانیہ اور امریکہ کے مفادات کی کش مکش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگ اسے جنگ کشمیر کہتے ہیں مگر حقیقتاً یہ جنگ برطانوی سکہ کی مضبوطی کی جنگ تھی۔"

"وہ لکھتے ہیں "۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران ہی برطانیہ نے امریکہ سے سٹرلنگ مضبوط بنانے کو کہا۔ چنانچہ مجبوراً ۱۸ ستمبر کو امریکہ نے برطانیہ کو یقین دلایا۔ چنانچہ ۲۳ ستمبر کو جنگ بند ہو گئی۔" (۲)

عنایت اللہ لکھتے ہیں:۔

"ایک سوال اور ہے جو ہمیں پریشان بھی کرتا ہے اور شرمسار بھی۔ اگر روس امریکہ اور بھارت کو ہی خوش کرنا تھا تو ماؤں کے اتنے بیٹوں کو مقبوضہ کشمیر میں بھیج کر کیوں مروایا تھا؟ یہ سوال ہر وہ کمانڈو پوچھ رہا ہے، جو مقبوضہ کشمیر گیا تھا۔ یہ سوال پاک فوج اور آزاد کشمیر فوج پوچھ رہی ہے۔ قوم پوچھ رہی ہے اور یہ سوال تاریخ بھی پوچھ رہی ہے۔" (۳)

ایک ریٹائرڈ میجر امیر افضل خان "نوائے وقت" میں لکھتے ہیں:۔

"ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کو کس طرح دھکیلا گیا، اس سازش میں کون کون سے بیرونی ممالک شریک تھے اور اندرون ملک کن لوگوں نے ملک و قوم کو جنگ کی دہلیز پر پہنچایا، ایسے سوالات ہیں، جن پر غور کرنا چاہیئے، بعض لوگوں کا

---

(۱) ماہنامہ "حکایت" لاہور شمارہ اپریل ۱۹۷۳ء ص ۹ (۲) ماہنامہ سیارہ "ڈائجسٹ" نومبر ۱۹۷۴ء (۳) حکایت ستمبر ۱۹۷۶ء

تاثر یہ ہے۔ کہ بھارت بعض بڑی طاقتوں کی انگیخت پر جنگ کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا تھا۔ پاکستان ایک چھوٹا ملک تھا۔ وہ از خود جنگ نہیں چھیڑنا چاہتا تھا۔"(۱)

ایئر مارشل نور خان جو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں فضائیہ کے سربراہ تھے، لکھتے ہیں:-

" ۶۵ء کی جنگ کے بارے میں جو بات نوٹ کی جانے والی ہے، وہ یہ ہے کہ اس کی منصوبہ بندی سرے سے کی ہی نہیں گئی۔"(۲)

"قومی ڈائجسٹ" کے مدیر مجیب الرحمن شامی نے ستمبر ۱۹۸۴ء کے شمارے میں کرنل غفار مہدی اور لیفٹیننٹ جنرل عتیق الرحمن کے سوال و جواب، جنگ ۶۵ء کے بارے میں شائع کئے۔ یہ ایک معلوماتی مضمون ہے۔ اس میں تحریر ہے:-

" ہندو پاکستان کی ۱۹۶۵ء کی جنگ نے جیتے یا ہارے بغیر پاکستان کی سالمیت کو ٹکڑے کرنے کی بنیاد رکھ دی تھی۔ یہ سوال ابھی تک حل طلب ہے کہ کیا یہ حالات کی سازش تھی یا ایک یا کئی افراد کی بے قابو خواہشات یا ایک یا ایک سے زائد غیر ملکی طاقتوں کی سازش تھی۔"(۳)

ایوب خان اور کشمیر!

پاکستان میں مارشل لاء کے بانی صدر ایوب خان مرحوم تھے۔ ان کے دور میں آمریت نے پاکستان میں ایسے پاؤں جمائے کہ پھر اس سے پیچھا نہ چھڑایا جا سکا۔ کشمیر کے بارے میں انہوں نے وہ پالیسی اپنائی، جو اب تک جاری ہے۔ ان کی پالیسی حقیقت پسندانہ نہیں تھی۔ ان کی سوچ ذیل میں دی گئی ان کی امریکی صدر سے گفت و شنید سے واضح ہو جاتی ہے:-

" فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا ذکر چلا ہے، تو چند باتیں کہنا اور بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایوب خان صاحب نے امریکی صدر سے ملاقاتیں بھی کی تھیں اور

---

(۱) "نوائے وقت" راولپنڈی جون ۷۹ ۱۹ء (۲) ایضاً ۲۰ اپریل ۷۹ ۱۹ء (۳) قومی ڈائجسٹ لاہور ستمبر ۸۴ ۱۹ء

آئزن ہاور نے، جو اس وقت امریکہ کے صدر تھے، یہ پوچھا تھا کہ پاکستان کشمیر کیوں چاہتا ہے، جس کے جواب میں فیلڈ مارشل صاحب نے امریکی صدر کو بتایا تھا کہ پاکستان کو کشمیر کی ضرورت پانی کے لئے ہے اور شمالی علاقوں کے دفاع کے لئے ہے۔ جواب میں امریکی صدر نے کہا، پانی کا مسئلہ ہے تو منگلہ ڈیم کی تعمیر میں آپ کی مدد کریں گے۔ اگر شمالی علاقوں کا دفاع مطلوب ہے، تو اسلحہ سے مدد کریں گے۔ ایوب خان مان گئے۔ حالانکہ اس وقت امریکی صدر کو یہ باور کرایا جاتا کہ پاکستان کا بنیادی مسئلہ چند دریاؤں کا پانی حاصل کرنا اور چند پہاڑوں کو قدرتی سرحد کے طور پر حاصل کرنا نہیں ہے، بلکہ کشمیر کے عوام کی جدوجہد آزادی میں ان کا ساتھ دینا ہے۔ (۱)

گویا کشمیر کا حصول صرف پانی اور دفاع کے نقطہ نظر سے، پاکستان کا مقصود ہے۔

معاہدہ تاشقند اور کشمیر

پاکستانی حکومتوں نے مسئلہ کشمیر سے گلو خلاصی کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔ معاہدہ تاشقند بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی اس معاہدے کے بعد مسئلہ کشمیر کو پاکستان اور بھارت کا مسئلہ بنا دیا گیا اور کہا گیا کہ گفت و شنید کے ذریعے ہی آئندہ اس کا حل ممکن ہے۔ حالانکہ مسئلہ کشمیر بھارت و پاکستان کا مسئلہ نہ تھا نہ ہے۔ یہ کشمیریوں کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے ان کے مستقبل کا مسئلہ ہے۔ مگر بھارت و پاکستان دونوں چونکہ کشمیریوں سے مخلص نہ تھے، اس لئے انہوں نے ایسا معاہدہ کیا۔ بھارت کے لئے اس طرح کا معاہدہ سودمند ہو سکتا تھا، جس میں کشمیر کی جوں کی توں حالت برقرار رکھنے کی ضمانت دی گئی ہو۔ یہ ایک بدنما دھبہ تھا، جو اہل کشمیر کے لہو کو بیچنے کی پاداش میں مملکت پاکستان کے کار پردازوں پر لگا ہے۔ ہزاروں مربع میل علاقہ جو فوجی مجاہدین نے قبضے میں کر لیا تھا، دوبارہ بھارت کو واپس کرنا مجاہدین کے لہو کو بیچنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ معاہدہ اور اس قسم کے اور ہزاروں

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید ص۔ ۳۰

معاہدے جو کشمیر کی آزادی کی قیمت پر ہوں گے، کبھی بھی پائیدار نہ ہوں گے۔ کیونکہ غلام قوم جب آزادی کی جدوجہد کے قابل ہو جاتی ہے تو اس طرح کے معاہدے جذبہ آزادی کے آگے بند باندھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ کسی قوم کی تقدیر کو معاہدوں سے نہیں باندھا جا سکتا۔

معاہدہ تاشقند میں کشمیر کو بیچ دیا گیا۔ یہ اعتراف خود حکومت پاکستان کا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

سادہ سی سیاسی حقیقت بھی یہ تھی کہ اعلان تاشقند نے مسئلہ کشمیر کو ٹھیک اسی طرح ختم کر دیا تھا، جس طرح ہندوستان اسے ختم کرانا چاہتا تھا۔ تاہم قائل کرنے والی تشریح سے نہیں، بلکہ عمل کے ذریعے اس دلیل کو تقویت اس وقت پہنچائی جا سکتی تھی، جب پاکستان مزید وقت ضائع کئے بغیر سلامتی کونسل میں واپس جاتا۔(۱)

پھر بھٹو حکومت تک پاکستان کی شہ رگ کا کیا حشر ہوتا رہا۔ حکومت پاکستان کا اعتراف ملاحظہ ہو:۔

"جون ۱۹۶۶ء اور ۱۹۷۱ء کے درمیان ہونے والے واقعات تنازعہ کشمیر کی تاریخ میں کسی بڑی اہمیت کے حامل نہیں سوائے اس بات کے کہ وہ واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ پاکستان میں اس وقت کی حکومتوں کو اس مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بہت سی مثالوں میں ایک مثال وہ پیغام ہے، جو صدر یحیٰی نے اعلان تاشقند کی چوتھی سالگرہ پر چیئرمین کوسیجن کو بھیجا تھا۔ اس پیغام میں مسئلہ کشمیر کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی اس پیغام میں مسئلہ کشمیر کا کوئی ذکر تھا، جو اس موقع پر انہوں نے وزیراعظم ہندوستان کو بھیجا تھا۔(۲)

---

(۱) "قرطاس ابیض۔ جاری کردہ امور خارجہ پاکستان جنوری ۱۹۷۷ء ص ۸۵

(۲) قرطاس ابیض جنوری ۱۹۷۷ء ص ۸۶

گنگا کا اغوا اور پاکستان

۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو بھارت کا ایک مسافر بردار فوکر فرینڈ شپ طیارہ گنگا دو کشمیری مجاہدوں نے اغوا کر کے لاہور کے ہوائی اڈے پر اتار لیا۔ قومی محاذ آزادی نے اعلان کیا کہ طیارہ اس نے اغوا کرایا ہے اور اس کا مقصد کشمیر پر سے بھارتی استبداد کو مٹانا ہے۔ چنانچہ ۲ فروری کو طیارہ جلا دیا گیا۔ مسافر حکومت پاکستان پہلے ہی واپس بھیج چکی تھی۔ اغوا کے چند ہی دنوں بعد اس کے نتائج کو حکومت پاکستان نے محسوس کر لیا کہ اس طرح تو کشمیری کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ چنانچہ اعلیٰ پیمانے پر فیصلہ ہوا اور آن واحد میں محاذ رائے شماری اور قومی محاذ آزادی سے تعلق رکھنے والوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ دونوں مجاہدوں ہاشم قریشی اور اشرف قریشی کو بھی گرفتار کر لیا گیا اس کے بعد کی روداد لاہور قلعہ اور دلائی جیل کے درو دیوار ہی سنا سکتے ہیں۔ پاکستان کی زبانی و کلامی حمایت کا طلسم بھی ٹوٹ گیا۔ ان لوگوں پر ظلم و ستم کے جو پہاڑ توڑے گئے کہ تاریخ جدو جہد نے انہیں آئیندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر لیا ہے یہ ایک ایسی داستان ہے۔ جس کو بیان کرنے کے لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے۔ صرف اتنا کہا جاتا ہے کہ جدید دور میں ظلم کا وہ کون سا طریقہ تھا، جو ان کشمیری مجاہدین پر نہیں ڈھایا گیا۔ ستم شعاروں نے ستم کے نئے نئے گر بھی کشمیری مجاہدوں کو تختہ مشق بنا کر سیکھے۔

ستم کے حربے ختم ہونے کے بعد خصوصی عدالت میں مقدمہ کی سماعت ہوئی۔ کئی سال مقدمہ چلا ہے اور ہاشم قریشی کے سوا تمام لوگ نہ صرف باعزت رہا کر دیئے گئے بلکہ انہیں محب وطن ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی جاری کیا گیا جب یہ لوگ باہر آئے تو سماں بدلا ہوا پایا۔ غدار غدار کے الفاظ ان کے کانوں میں پڑے۔ ہوا یوں کہ محاذ رائے شماری اور قومی محاذ آزادی کے تقریباً تمام ممبروں و حامیوں کو گرفتار کرنے کے بعد یکطرفہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا تھا کہ یہ لوگ غدار ہیں۔ بھارت کے ایجنٹ ہیں۔ " مجیب انصاری بھائی بھائی۔ کے نعرے آج بھی میر پور کی بعض عمارتوں پر موجود ہیں۔ پریس پاکستان کا تھا۔ جواب دینے والے جیل میں تھے۔ آزاد کشمیر میں یحییٰ خان کے ہم خیال سردار عبدالقیوم موجود تھے، جنہیں اس بات کا غصہ تھا کہ مجاہدوں نے یہ کیوں نہیں اعلان کیا کہ ان کا تعلق سردار عبدالقیوم کی ایک کاغذی تنظیم المجاہد سے ہے۔ چنانچہ سزا دینی ضروری تھی۔ یحییٰ خان اور سردار عبدالقیوم اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب رہے اور وہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے میں کامیاب ہو گئے کہ یہ لوگ غدار ہیں اور یوں حکومت پاکستان ایک ایسی تحریک کو کچلنے میں کامیاب ہو گئی، جو آزادی کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کئے ہوئے تھی۔

بھٹو اور کشمیر:

ایوب خان کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکومت آتا ہے یہ شخص مسئلہ کشمیر کو پاکستانی عوام کی دکھتی رگ سمجھ کر انتہائی موثر طریقے سے استعمال کرتے ہوئے حکمران بنا مگر جو ظلم بھٹو نے اہل کشمیر پر کیا ہے، وہ پاکستان کے سابقہ کردار سے بھی بازی لے گیا۔ ظلم کی نوعیت بھی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ظلم جسم پر ہوتا ہے اور دوسرا روح پر۔ ایک ظلم من حیث الفرد ہوتا ہے، جو عام طور پر جسمانی ہوتا ہے۔ مگر جو ظلم من حیث القوم ہوتا ہے، وہ روحوں کو زخمی کر دیتا ہے۔ ظلم جو بھٹو نے کشمیر پر ڈھائے، وہ نہ صرف من حیث الفرد ہیں بلکہ من حیث القوم بھی ہیں۔ بھٹو کے دور اقتدار میں محب وطن کشمیری تڑپ تڑپ کر رہ گئے۔ گندی سیاست اور گندے سیاستدانوں نے پہلے ہی کشمیریوں

کو آزادی کے جذبے سے ہٹا کر اقتدار اور دولت کی طرف موڑ دیا تھا۔ مگر بھٹو کا دور اقتدار اس قوم کو پہلے سے زیادہ کرسیوں، وزارتوں اور پرمٹوں کے پیچھے لگا گیا ہے۔ کشمیر کی آزادی کے نام پر اقتدار حاصل کیا مگر سب سے زیادہ نقصان اہل کشمیر اور مسئلہ کشمیر کو پہنچایا ہے۔

پیپلز پارٹی بمقابلہ کانگرس:

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ ہم ان موضوعات پر بحث، پاکستان کے کردار کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ حقیقت پسندی کا یہی تقاضا ہے کہ ہر چیز بے باکی سے آپ کی نذر کر دیں۔ ایک نقطہ نظر سے پاکستان پیپلز پارٹی اور بھارتی کانگرس کا کردار بسلسلہ کشمیر تقریباً یکساں ہے۔

بھارت نے جب مقبوضہ کشمیر پر قبضہ کیا تو وہاں نیشنل کانفرنس، مسلم کانفرنس اور چند دوسری چھوٹی پارٹیاں تھیں۔ عوامی ایکشن کمیٹی بہت بعد کی پیداوار ہے۔ مسلم کانفرنس کے کرتا دھرتا تو مقبوضہ کشمیر سے بھاگ آئے تھے مگر نیشنل کانفرنس وہاں ہی رہ گئی۔ پہلے پہل تو کانگریس نے اسی طرح کام چلایا پھر آہستہ آہستہ کانگرس نیشنل کانفرنس سے کام چلاتی تھی۔ ۱۹۵۳ء میں مرکزی حکومت سے اختلاف کی بنا پر شیخ عبداللہ مرحوم کو جیل بھیج دیا گیا اور چند نئے مہرے خرید لئے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ کشمیر کے دونوں حصوں میں بکنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ البتہ مارکیٹ ان لوگوں کی کبھی کم اور کبھی زیادہ ہونے کی وجہ سے قیمت میں فرق پڑتا رہتا ہے۔

چنانچہ جب بھارت نے چند ممبر خریدے تو ساتھ ہی انڈین نیشنل کانگرس کی شاخ قائم کر دی اور یوں دوسری پارٹیوں کے ممبر خرید کر کانگرس مقبوضہ کشمیر میں برسر اقتدار آگئی۔ پیپلز پارٹی بھی کانگریس کی مکمل تقلید کرتے ہوئے آزاد کشمیر میں داخل ہوئی اور بڑی شان سے آئی۔ پہلے تو سردار عبدالقیوم اور اس کی مسلم کانفرنس سے کام چلایا، جس طرح کانگرس نے پہلے نیشنل کانفرنس اور شیخ عبداللہ سے کام چلایا تھا۔ مگر ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی کے لئے ماحول کو سازگار بناتے گئے۔ جس طرح وہاں شیخ عبداللہ مرحوم سے ٹھنی تو کانگرس کو دوسرے

لیڈروں کی طرف توجہ کرنا پڑی - ادھر پیپلز پارٹی کو سردار عبدالقیوم اچھا نہیں لگتا تھا - تو دوسرے لیڈروں پر ڈورے ڈالنے لگے - جب پیمانہ صبر لبریز ہوا تو کانگرس کی تقلید کرتے ہوئے پیپلز پارٹی نے سردار قیوم کو چلتا کر دیا - نام نہاد اسمبلی کے بے ضمیر ممبران کو خریدا، الیکشن کا نقارہ بجا کر ماحول کو سجایا اور پھر بے ضمیر لوگوں کی خرید و فروخت کی - سردار ابراہیم - کے ایچ خورشید - چوہدری نور حسین خان عبدالحمید خان، پیپلز پارٹی کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے - پھر الیکشن کرایا، جیسے کانگرس نے کرایا تھا - ۱۹۷۵ء کے الیکشن کو الیکشن کہنا جمہوریت کی توہین ہے - لوگوں کو سنگینوں کے بل بوتے پر دبایا اور خریدا گیا - اعلان یہ تھا کہ جو پیپلز پارٹی کا کلمہ نہ پڑھے گا، وہ زندگی کی لذتوں سے محروم کر دیا جائے گا - چنانچہ جس نے انکار کیا، اس نے دلائی جیل کی سیر کی اور جو سامنے آیا، اس کا نشان تک نہ ملا - اس طرح پیپلز پارٹی آزاد کشمیر کے سیاہ و سفید کی مالک بن گئی - دونوں میں فرق صاف اتنا تھا کہ کانگرس بھارت سے آئی ہے اور پیپلز پارٹی پاکستان سے امپورٹ ہوئی ہے - جہاں تک کاروبار کا تعلق ہے، وہ دونوں کا ایک جیسا ہے -

شملہ معاہدہ اور کشمیر:

بھٹو دور حکومت میں بھارت سے کیا جانے والا یہ معاہدہ حکومت پاکستان کی طرف سے مسئلہ کشمیر سے گلو خلاصی کا ایک انتہائی جرأت مندانہ قدم تھا - اگر یہ کہا جائے کہ دونوں ممالک نے مل کر شملہ کے مقام پر کشمیریوں کے خلاف ایک منظم سازش کی، تو غلط نہ ہو گا - بھارت تو بہت پہلے یہ چاہتا تھا، پاکستان بھی بالآخر اس مقام پر آگیا -

۱- شملہ معاہدہ کی ۶ دفعات میں سے دفعہ ۱ شق ۲ کے تحت مسئلہ کشمیر کو باہمی بات چیت سے حل کرنے کا عہد کیا گیا - اس طرح اس مسئلے کی بین الاقوامی حیثیت مزید کم کر کے بھارت اور پاکستان کا مسئلہ بنا دیا گیا - اب پاکستان بھارت کی مرضی کے خلاف یہ مسئلہ دنیا کے کسی پلیٹ فارم پر نہیں اٹھا سکتا، جیسے کئی بار بھارت بین الاقوامی فورم پر مسئلہ کشمیر کے ذکر پر احتجاج کر چکا ہے -

۲- معاہدہ کی دفعہ ۲ شق ۴ میں طاقت کے استعمال سے اجتناب کرنے کا اعلان

ہوا۔ گویا جنگ نہ ہوگی اور مسئلہ کشمیر جنگ کے بغیر ہی حل ہو گا۔

۳۔ دفعہ ۴ شق ۲ کے تحت "سیز فائر لائن" کی جگہ "کنٹرول لائن" کا نام دے دیا گیا گویا مستقل سرحد تسلیم کرنے کی طرف ایک قدم بڑھایا گیا۔

۴۔ دفعہ ۱ شق ۲ کی رو سے کشمیر کے دونوں طرف اٹھنے والی آزادی کی تحاریک کو دبانے کا باہمی معاہدہ کیا گیا اور دونوں ممالک نے اس بارے میں عملی قدم بھی اٹھائے ہیں۔

" ایک بھارتی اخبار نویس دلیپ مکرجی بھٹو اور بھارت کے مابین حکمت عملی کے متعلق لکھتا ہے :۔

" بھارتی حکومت جانتی ہے کہ مسئلہ کشمیر کو پاکستانی عوام کے سامنے مطلوبہ انداز میں پیش کرنے کے راستے میں مشکلات درپیش ہیں کیونکہ پاکستانی عوام کا رجحان مخالفانہ ہے۔ اس لئے بھارتی حکومت مسٹر بھٹو کے لئے آسانی فراہم کرے گی، تاکہ وہ اس مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ آخری منزل تک پہنچنے کے دوران کشمیریوں کے حق خودارادی کے لئے مسٹر بھٹو زبانی دعوے کرتے رہیں تو بھارت کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ البتہ اس دوران پاکستان کشمیر کے بھارتی حصے پر قبضے کو جائز تسلیم کرتا ہے۔" (۱)

اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور میں اور مسئلہ کشمیر غائب

جو لوگ پاکستان کی پالیسیوں پر نظر رکھتے ہیں، انہوں نے اس واقعہ کو ضرور یاد رکھا ہو گا۔ دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء کو پاکستان کے شہر لاہور میں منعقد ہوئی۔ امیدوں کا جنازہ یوں نکلا کہ پوری کانفرنس کے دوران "کشمیر" کا ذکر نہیں ہوا۔ پاکستان نے شملہ معاہدہ کی پاسداری کی اور کسی دوسرے کو مسئلہ کشمیر پر توجہ دلانے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ شاہی مسجد کے خطیب کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ دعا میں بھی وہ "کشمیر" کا نام نہ لے۔ حساس دلوں کو

---

(۱) ہفت روزہ صحافت لاہور شمارہ ۳۰ اپریل تا ۷ مئی ۱۹۷۶ء

اس وقت بہت بڑا صدمہ پہنچا اور اہل نظر نے اسے بہت محسوس کیا۔ اس کانفرنس کا خاص موضوع مسئلہ فلسطین اور دوسرے محکوم مسلم علاقے تھے، جبکہ پاکستان نے اس دھوم دھام کی محفل میں، اپنے ہی ملک کے ایک حصے کو الگ آزاد ملک "بنگلہ دیش" کی صورت میں تسلیم کیا اور شاید اسی غرض سے یہ بڑی عظیم الشان محفل سجائی گئی تھی۔

کانگرس کے موقع پر میرپور کے طلبا پر ظلم و ستم

یہ واقعہ بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک بین الاقوامی کانگرس میرپور میں منعقد ہو رہی تھی، جس میں کئی ممالک کے نمائندے شامل تھے۔ میرپور کالج کے طلباء نے "مسئلہ کشمیر" کے متعلق چند پمفلٹ نمائندوں میں تقسیم کرنے کا منصوبہ مقامی انتظامیہ کی اجازت سے بنایا۔ مگر اجلال حیدر زیدی چیف سیکرٹری یا دوسرے لفظوں میں حقیقی معنوں میں آزاد کشمیر کا شہنشاہ یہ برداشت نہ کر سکا اور ظلم کی ایک ایسی تاریخ رقم کی، جو تاریخ کا حصہ بن گئی۔ یہاں تک کہ طالبات کے جلوس پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ اس کی تفصیل کے لئے مارچ ۷۶ء کے دوسرے ہفتے کے اخبارات اور تیسرے ہفتے کا ہفت روزہ "طاہر" دیکھا جا سکتا ہے۔

بوئنگ ۷۳۷ کا اغوا: ستمبر ۱۹۷۶ء میں

کشمیری حریت پسندوں نے ایک اور بھارتی طیارہ اغوا کیا اور اسے لاہور لے آئے۔ حکومت پاکستان نے حریت پسندوں کو گرفتار کر کے شاہی قلعے پہنچا دیا اور طیارہ بمعہ مسافروں کے بھارت کو واپس کر کے شاباش حاصل کی۔ یہ حریت پسند جن کی تعداد چھ تھی، شاہی قلعے میں شدید اذیت کے بعد چیلاس کے تہہ خانے میں چھوڑ دیئے گئے۔ ان پر کیا بیتی اس کی تفصیل پائی جبکر عبدالحمید دیوانی یوں بیان کرتے ہیں:۔

"میرا یہ جواب سن کر کمانڈر صاحب کرسی سے اٹھے اور میری داڑھی پکڑ کر خوب کھینچی اور مروڑی۔ اس کے بعد کچھ آدمیوں کو بلا کر حکم دیا کہ میری اچھی طرح

مرمت کی جانے ۔ ان لوگوں نے جن کی تعداد ایک درجن کے قریب تھی، میرے کپڑے پھاڑ ڈالے اور مجھے زمین پر لٹا کر اتنی بیہودگی سے مارا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کوئی مجھے ڈنڈے سے مار رہا تھا، کوئی مجھ پر جوتے برسا رہا تھا اور کچھ لوگ فٹ بال کی طرح مجھے ٹھوکریں مار رہے تھے ۔ الغرض ان دلیروں نے ایک مظلوم کشمیری پر جس کے ہاتھ پیچھے بندے ہوئے تھے ، اپنے دل کے ارمان خوب نکالے ۔ یہ عمل کوئی پون گھنٹے تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ مجھ میں اٹھنے کی سکت بھی نہ رہی۔ میں ان کی ہر ضرب کے جواب میں ان سے یہی کہتا کہ تم غلطی کر رہے ہو۔ دشمنوں کو چھوڑ کر بھائیوں پر ظلم کر رہے ہو۔ کیا کشمیریوں کا مقدر یہی ہے کہ وہ اپنے وطن میں ہوں تو بھارتی درندے انہیں پاکستانی ایجنٹ کہیں اور اگر وہ پاکستان کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ انہیں بھارتی ایجنٹ قرار دے دیں

اس کے جواب میں کمانڈر صاحب نے مجھے جی بھر کے گالیاں دیں اور پھر زبان معجز بیان سے فرمایا کہ کشمیریوں نے ہی پاکستان کے دو ٹکڑے کئے ہیں۔ کشمیری ہمارے دشمن ہیں۔ ہمیں کشمیر کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم نے غلطی کی کہ کشمیر کشمیر کر کے ملک کا ایک حصہ گنوا دیا۔ شدید مار پیٹ سے مجھے قے آنی شروع ہو گئی۔ میرا وجود بری طرح مجروح ہو چکا تھا۔ وقفے وقفے سے شام تک مجھ پر یہی عمل جاری رہا۔ شام کو ایک ڈاکٹر نے مجھے دیکھا اور مجھے گلوکوز لگانے کی ہدایت کی۔ ایک سٹینڈ لا کر اس کمرے میں مجھے گلوکوز لگا دیا گیا۔ لیکن کمانڈر صاحب نے پھر بھی میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ انہوں نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے مجھے کہا کہ تم مجھے پٹھان لگتے ہو۔ تمہاری شکل پٹھانوں سے بہت ملتی جلتی ہے۔ میں نے جھلا کر جواب دیا۔ ہاں میں افغانستان کا رہنے والا ہوں اور سر داؤد نے مجھے آپ لوگوں سے پختونستان مانگنے کے لئے بھیجا ہے۔ میرے اس "جواب با صواب" پر کمانڈر صاحب نے یہ احساس کئے بغیر کہ میری رگ میں گلوکوز کی سوئی اتری ہوئی ہے، پوری قوت سے جوتا میرے منہ پر مارا۔

"چیچک زدہ افسر نے گھنٹی بجائی۔ دروازہ کھلا تو درجن بھر افراد نے اندر آ کر مجھ پر مکے برسانے شروع کر دیئے۔ حتیٰ کہ میرے ناک اور منہ سے خون جاری ہو

گیا۔ اب کمانڈر پھر آیا اور مجھے ایک کمرے میں لے گیا۔ وہاں ایک چارپائی تھی، جس پر مجھے پشت کے بل لٹایا گیا۔ پاؤں میں رسہ باندھ دیا گیا اور ہاتھ پیچھے لے جا کر جکڑ دیئے گئے۔ اس عذاب سے میں بے ہوش ہو گیا۔ اب انہوں نے میرے نتھنوں سے بجلی کے تار جوڑ کر مجھے بجلی کے جھٹکے دینے شروع کر دیئے۔ یہ جھٹکے اتنے کربناک تھے کہ مجھے ہوش آ گیا۔ ان لوگوں نے بجلی کے تار میرے ہونٹوں اور نتھنوں سے لگا کر بجلی کے جھٹکے دیئے۔ اب میری یہ حالت ہو گئی کہ میں بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر کو بلایا گیا، جس نے میرے زخموں کی مرہم پٹی کی۔۔

"اب دو آدمیوں نے میری ہتھکڑیوں کی زنجیریں پکڑ کر مجھے گھسیٹنا شروع کر دیا اور گھسیٹتے ہوئے دوسرے کمرے میں لے گئے۔ گھسیٹنے سے میری کمر بری طرح چھل گئی۔ دوسرے کمرے میں چھت سے ایک رسہ لٹک رہا تھا۔ میرے پاؤں اس رسے سے باندھے گئے اور مجھے لٹکا دیا گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک میں الٹا لٹکا رہا۔ حتی کہ میں پھر بے ہوش ہو گیا۔(۱)

پاکستان کا کردار پاکستانی دانشوروں کی نظر میں:

اس موضوع کے تحت

ہم نے پاکستان کے کردار کی چند جھلکیاں پیش کی ہیں، جو پاکستان کے ۴۲ سالہ کردار کا ایک عکس ہے۔ اس کردار کو بیان کرنا ایک بڑا ناگوار اور تلخ کام تھا، کیونکہ اب ہم میں حقیقت کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ لوگ بتوں کو خدا بنا بیٹھے ہیں۔ آخر میں پاکستان کے ادیبوں کی تحریروں سے چند اقتباسات بیان کرنے ضروری ہیں تاکہ اس بات کی تصدیق ہو سکے کہ جو کردار پاکستان کا ہم نے بیان کیا ہے، وہ کس حد تک درست ہے۔ پاکستان کے ایک مشہور صحافی زیڈ اے سلہری لکھتے ہیں:۔

"سوال یہ ہے کہ اصول اور عمل کے تصادم میں اصل مسئلہ کشمیر کی

---

(۱) ہفت روزہ صحافت لاہور ۶ ۱۹۷ء

صورت کیا بن رہی ہے ! جب ہندوستان نے مقبوضہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ بنایا جانے ۔ چنانچہ ہندوستانی لیڈروں نے ریاست کے الگ وجود کا انکار کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر آزاد کشمیر اور شمالی علاقوں کو، جن کا الحاق ریاست سے تھا، ایک پاکستانی صوبے کا ڈھانچہ دے دیا جاتا ہے تو بظاہر یہ عمل بھی ہندوستان کی کارروائی کے مماثل نظر آنے گا اور دہلی کے زعماء کو یہ کہنے کا موقع دے گا کہ پاکستان بھی انہی خطوط پر گامزن ہے، جس پر ہم ہیں تو جھگڑا کیسا!

ایک طرف آزاد کشمیر اور شمالی علاقوں کی صوبائی تشکیل اور پاکستانی جمہوری زندگی میں شرکت اور نمائندگی کو خارج از امکان نہیں بتایا جا رہا تو دوسری طرف وزیراعظم صاحب نے ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے حق خودارادیت کو اپنے دورے کی تقریروں اور بیانوں کا آتش فشاں موضوع بنائے رکھا ہے اور ہندوستان کو واشگاف الفاظ میں تنبیہ کی ہے کہ وہ اپنے ہتھکنڈوں سے ریاست کو ہندوستان کا اٹوٹ انگ نہ بنا سکے گا۔ ان دو بظاہر متضاد باتوں میں اصل نکتہ کیا ہے ؟ کیا واقعی ہم کشمیریوں کے حق خودارادیت کے لئے کوشاں ہیں ؟ اب ظواہر کی یہ صورت ہے کہ پہلے تو عرصہ ہوا کہ ہم نے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ میں اٹھایا نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری مسلسل چپ سے یو۔این کے سیکرٹریٹ کو تو اس بات کا یقین ہو چکا ہو گا کہ ہم جھگڑے کو بھول چکے ہیں۔ دوسرے صوبے بندی کی تحریک درپیش ہے۔ اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جا رہا تو رد بھی نہیں کیا جا رہا۔ خصوصاً اس وضاحت سے تو یہی تاثر ہو گا کہ اب ہم رو دھو کر ہندوؤں کی جان کو صبر کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ اس ضمن میں مشرقی پاکستان کے متعلق ہمارے طرز عمل کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ جو قوم اپنے ملک کے ایسے علاقے سے، جو بین الاقوامی طور پر اس کا جزو لاینفک تھا، اس بے حسی سے دستبردار ہو سکتی ہے اور اسے آزاد مملکت تسلیم کر سکتی ہے۔ اس کے متعلق یہ کیسے خیال کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایسے علاقے کے لوگوں کے حق خودارادیت کے لئے تن من دھن کی بازی

لگا دے گی، جو کبھی اس کے ملک کا حصہ نہ تھے؟ اگر ہمارے متعلق یہ تاثر عام ہو جائے کہ ہم طے شدہ امور کے سامنے، خواہ وہ کسی طرح طے ہوئے ہوں، سر تسلیم خم کر لیتے ہیں تو دنیا ہمارے احتجاج کو زیادہ اہمیت نہ دے گی۔۔(۱)

عنائت اللہ مدیر حکایت رقمطراز ہیں۔ کشمیر کی بدبختی یہ ہے کہ بھارت نے کشمیر کو اپنے باقاعدہ پلان میں شامل کر کے اس کے مطابق عمل جاری رکھا۔ اس کے برعکس ہمارے پاس کشمیر کو آزاد کرانے کا کوئی پلان نہیں ہے۔ جب تک اقتدار کی جنگ جاری ہے، کوئی پلان نہیں بن سکے گا۔ اب عالم یہ ہے کہ کوئی جنونی حریت پسند کوئی پلان لے کر سامنے آتا ہے تو اسے اس کے پلان سمیت اندھیرے پردوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے۔ کشمیر کے ساتھ سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ اس خطے کی تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایک مفکر نے کہا تھا کہ کسی قوم کو مارنا ہو تو اس کی تاریخ مسخ کر دو۔۔(۲)

آگے چل کر جون ۱۹۷۹ء کے شمارے میں ہاشم قریشی "مجاہد یا مجرم" کے عنوان سے عنائت اللہ لکھتے ہیں:۔"سوچنے والے ذہن آج تک حیران ہیں کہ ہمارے مرحوم وزیراعظم (جو ہوا میں مکہ لہرا کر شہید ملت کہلائے) نے اپنے آپ کو یہ اختیار تو دے لیا تھا کہ کشمیر کی جنگ آزادی بند کرا دیں، ان ذمہ داریوں سے کیوں چشم پوشی کی، جو کشمیر کی جنگ آزادی کے ضمن میں ان پر عاید ہوتی تھیں؟ اگر انہیں مجاہدین کشمیر کو فوجی اور دیگر مدد دینے سے ڈر آتا تھا کہ بھارت سرکار اور انگریز بادشاہ (جس کی بادشاہی سے ہم آزاد ہو چکے تھے) ناراض ہو گا تو انہیں یہ حق بھی نہیں پہنچتا تھا کہ پنڈت نہرو کے ساتھ اس جنگ آزادی کی فائر بندی کی بات چیت کرتے، جسے وہ اپنی جنگ نہیں سمجھتے تھے۔ آزاد کشمیر اور پاکستان کی بدبختی یہی ہے کہ جو حکمران آیا، اس نے اپنے اقتدار اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنی ہر بات کو قانون اور آرڈیننس کا درجہ دیا، جسے کوئی بھی چیلنج نہ کر سکا۔

---

(۱) نوائے وقت راولپنڈی ۴ اکتوبر ۷۳ء (۲) ماہنامہ "حکایت۔ لاہور اپریل ۷۳ ۱۹ء

جس نے چیلنج کیا، وہ "ملک کے خلاف سازش" کے جرم میں محبوس اور معتوب ہوا۔۔۔۔۔۔

"پھر بیان بازی کا دور شروع ہو گیا۔ آزاد کشمیر اور مسئلہ کشمیر اقتدار کی شطرنج کے مہرے بن گئے۔ شہیدوں کے خون اور کشمیر کی عصمت سے سیاسی کھیل کھیلا جانے لگا۔ پھر یہ بحث چل نکلی کہ جنگ آزادی کا مجاہد اول کون ہے؟ اور پہلی گولی کس نے چلائی تھی؟ ادھر بھارت نے مقبوضہ کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ بنا کر وہاں ترقیاتی منصوبے شروع کر دیئے اور مقبوضہ کشمیر کو دفاعی لحاظ سے مضبوط کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ آزاد کشمیر کو مقبوضہ کشمیر کہنے لگا۔ اب بھارت کا مؤقف یہ ہے کہ آزاد کشمیر بھی بھارت کا حصہ ہے۔۔ (۱)

حنیف رامے پاکستان کے سیاستدان ہونے کے علاوہ مشہور صحافی بھی ہیں، اپنے رسالے "نصرت" کے کشمیر نمبر ۱۹۶۰ء میں لکھتے ہیں:۔

"یوں آخر ہم کر بھی کیا سکتے ہیں دنیا کے اتنے بڑے بڑے ملک کشمیر کی بدقسمتی پر آنسو بہانے، پنڈت نہرو کی اخلاقی حمیت کا نوحہ پڑھنے کے سوا کیا کر سکتے ہیں اور تو اور اقوام متحدہ کیا کر سکی ہے؟ اہل کشمیر خود ہی کچھ کریں تو کریں۔۔

"اگر یہی بات ہے تو جب وہ کچھ کرنے نکلتے ہیں تو آپ گولیاں برسا کر انہیں واپس کیوں لے آتے ہیں یا پھر جب وہ پاکستان کا نام دلوں کے بجائے زبانوں پر نہیں لاتے اور صرف آزادی کا دم بھرتے ہیں تو ان کے گلے دھرے پر غداری کا پچارا کیوں پھیر دیا جاتا ہے۔

"اس موقع پر ہمیں اپنے دل سے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ اہل کشمیر کو حق خودارادیت مل جائے، خواہ وہ ہم سے ملیں یا نہ ملیں یا ہم کشمیر کو اپنے لئے لازم سمجھتے ہیں اور اسے ملکی دفاع کی بنا پر محض اپنی خاطر چاہتے ہیں، اس ایک فیصلے سے ہمارا مؤقف متعین ہو جانا چاہیئے۔۔ (۲)

---

(۱) ماہنامہ "حکایت" لاہور اپریل ۷۳ء

(۲) نصرت کشمیر نمبر ۱۹۶۰ء (اداریہ)

خلاصہ بحث

جہاں تک حقائق کا تعلق ہے، وہ ہم نے تحقیق اور تاریخ کی روشنی میں بیان کر دیئے ہیں، ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔ کیونکہ تاریخی پس منظر اگر بالکل تاریک ہو تو مستقبل کے بارے میں کوئی واضح اور دو ٹوک بات کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم کشمیر کی آزادی کی بات کرتے ہیں اور بیسویں صدی کے آخری عشرے میں اگر ہم حق انسانیت طلب کر رہے ہیں تو یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ ہم جب آزادی کی بات کرتے ہیں تو ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ کشمیر کا تاریخی پس منظر کوئی نہیں۔ یہ غلام علاقہ تھا اور غلام رہے گا۔ پھر تقسیم ہند کے تحت تو ہماری زبانیں ہی بند کر دی گئی ہیں، بس انگریز سرکار یہ کہہ گئی تھی کہ ریاستیں بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر سکتی ہیں، بھلا اتنی ریاستوں کو آزادی مل جانے تو پھر پاکستان اور بھارت کا کیا رہے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ریاستیں انگریز نے اپنے مفادات کے لئے بنائی تھیں۔ ان ساری باتوں کا تحقیقی و تاریخی طور پر پچھلے صفحات میں جواب دے دیا گیا ہے۔ مگر یہاں اہل نظر کی توجہ اس طرف مبذول کراؤں گا کہ بفرض محال یہ تمام دلائل درست ہوں، انگریز سرکار کی پالیسی بھی ٹھیک، بھارت و پاکستان کا مؤقف بھی درست، مگر ہمیں یہ تو بتایا جانے کہ کشمیر کسی کا ہی حصہ تھا تو اس کو درندوں کی طرح چیرنا پھاڑنا کس آئین اور پالیسی کا غماز ہے۔ ۴۴ سال ہو گئے ہیں۔ کشمیریوں کو حیوان سمجھ کر اور کشمیر کو بکاؤ مال سمجھ کر خرید و فروخت کی جا رہی ہے۔ اس طرز عمل سے تو کسی آئین اور کسی پالیسی کا تقدس مجروح نہیں ہوتا مگر ہم جب آزادی کی بات کریں تو تقسیم ہند کے رولز بھی لرز جاتے ہیں۔ سیکولرزم بھی کانپنے لگتا ہے اور ملت اسلامیہ کو بھی خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔

میں یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ اگر ہمارا کوئی تاریخی و تہذیبی پس منظر نہ بھی ہو، تب بھی ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم آزادی کے لئے جدوجہد کریں۔ آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے اور اس حق کو نہ تو تقسیم ہند کے رولز ختم کر سکتے ہیں، نہ بھارت و پاکستان کی پالیسیاں۔ بنگلہ دیش۔ کا کوئی تاریخی پس منظر

نہیں تھا مگر ناانصافیوں نے انہیں آزادی کا راستہ دکھایا۔ آزادی کے لئے انہوں نے جدو جہد کی قربانیاں دیں اور آزادی حاصل کر لی۔ پاکستان نے سارے مسلمانوں کی محفل سجا کر بڑے دھوم دھام سے اسے تسلیم کیا۔ اس وقت تو نہ تقسیم ہند کے رولز سامنے آئے، نہ نظریہ پاکستان کا پاس رہا، نہ ملت اسلامیہ کا جذبہ کام آیا آخر یہ ساری اصطلاحیں صرف کشمیریوں پر کیوں استعمال ہوتی ہیں؟ سکھ خالصتان کا مطالبہ کر رہے ہیں، چونکہ قربانیاں دے رہے ہیں، اس لئے کوئی یہ نہیں کہتا کہ تقسیم ہند کیا تھی یا خالصتان کا تاریخی پس منظر ہے یا نہیں؟ اس لئے کشمیریوں کو اب ان باتوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آزادی ہمارا حق ہے۔ یہ حق کسی آئین، حکم یا سرکار سے مشروط نہیں ہے۔ اس لئے آزادی کی جدو جہد ہمارا انسانی حق ہے۔ برصغیر کے کسی بھی خطے سے زیادہ قدیم اور شاندار تاریخی اور ثقافتی پس منظر کی حامل کشمیری قوم کو غلط اور فرسودہ تاویلوں کے بہانے حقیقی آزادی کی جدو جہد سے باز رکھنے والے آخر کار ناکام و نامراد ہونگے۔

کشمیر

غلامی کے شب و روز

۱۹۴۷ء ---- ۱۹۸۵ء

۱---- مقبوضہ کشمیر

۲---- آزاد کشمیر

۳---- گلگت بلتستان

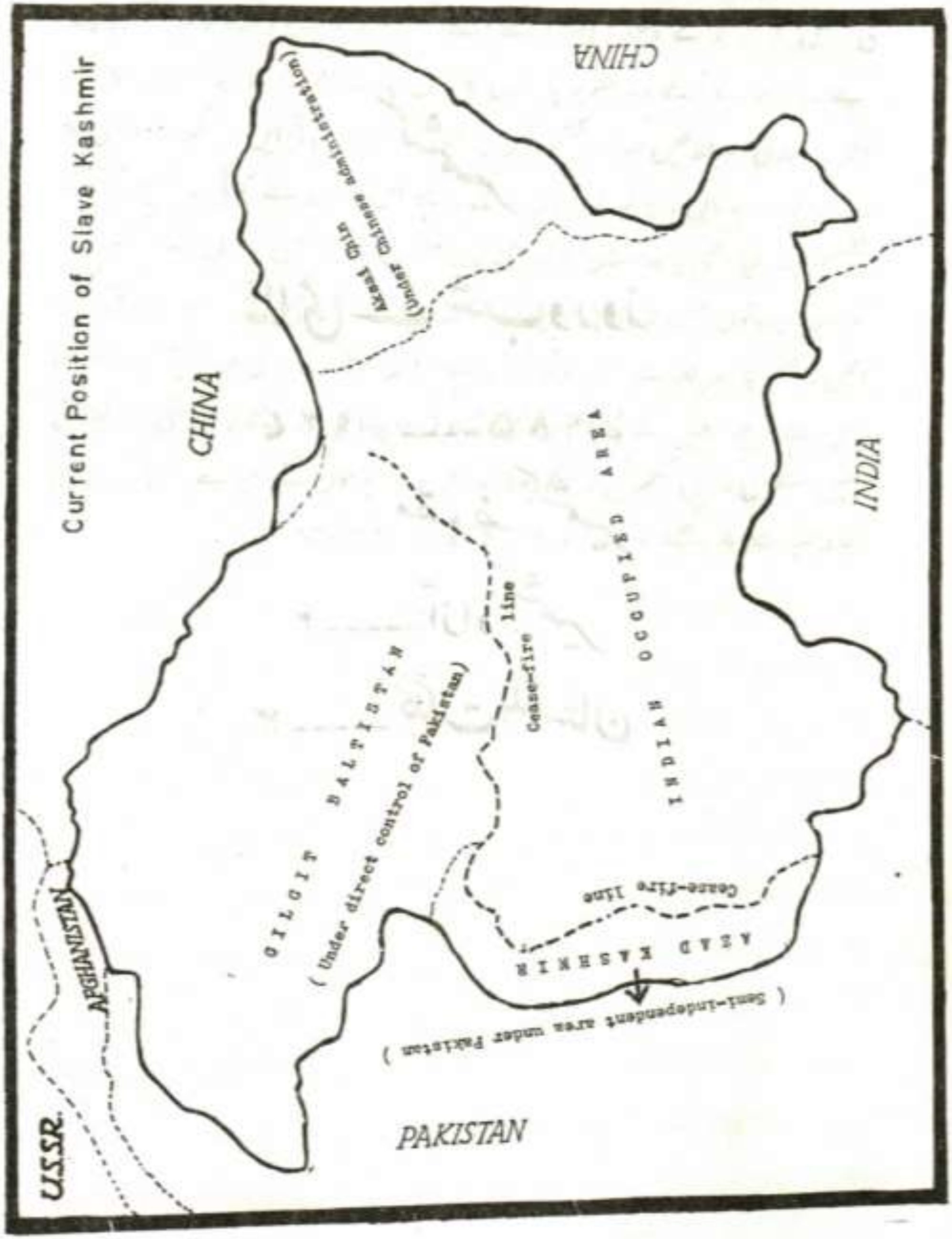
Current Position of Slave Kashmir
CHINA
CHINA
Aksai Chin
(Under Chinese administration)
INDIA
INDIAN OCCUPIED AREA
Cease-fire line
GILGIT BALTISTAN
(Under direct control of Pakistan)
Cease-fire line
AZAD KASHMIR
(Semi-independent area under Pakistan)
PAKISTAN
AFGHANISTAN
U.S.S.R.

مقبوضہ کشمیر

۱۹۴۷ء میں کشمیریوں کی مہاراجہ کے خلاف جدوجہد میں کشمیر کا کچھ حصہ آزاد ہو سکا تھا، جبکہ ۵۲ ہزار مربع میل پر بھارت نے قبضہ کر لیا تھا۔ صورت حال کی سنگینی کے پیش نظر اس نے شروع میں کافی محتاط رویہ رکھا۔ جنوری ۱۹۴۹ء میں جب فائر بندی ہوئی تو اس علاقے میں صورت حال انتہائی ابتر تھی۔ جموں میں مسلمانوں کی نسل کشی نے ایک خوفناک صورت حال برپا کر رکھی تھی۔ اب مہاراجہ کے بس میں نہ تھا کہ وہ عوام میں سابقہ حیثیت رکھ سکے۔ چنانچہ اس ہنگامی دور میں بھارت کو کشمیر کے کسی مضبوط سیاسی دھڑے کی ضرورت تھی۔ شیخ عبداللہ مرحوم اس وقت جیل میں تھے۔ انہیں پہلے ہی کانگرس سے قریب تصور کیا جاتا تھا۔ پاکستان سے الحاق کے وہ خلاف تھے۔ البتہ ان کی خواہش تھی کہ ریاست جموں و کشمیر آزاد و خود مختار رہے مگر مہاراجہ نے بھارت سے الحاق کر کے صورت حال کو پیچیدہ بنا دیا تھا۔ شیخ عبداللہ نے ان حالات میں بھارت کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ اس کے لئے پیشگی شرط ریاست کی اندرونی خود مختاری کی ضمانت تھی۔ چنانچہ شیخ محمد عبداللہ کو رہا کر کے پہلے ایڈمنسٹریٹر اور پھر وزیراعظم مہر چند مہاجن کی جگہ وزیراعظم بنا دیا گیا۔ یہ بھارتی ضرورت تھی۔ شیخ عبداللہ نے بھی حالات کی نزاکت کے پیش نظر اپنی پوزیشن کو مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ انہوں نے مہاراجہ کو تخت چھوڑنے کو کہا اور دھمکی دی کہ بصورت دیگر جموں میں مسلمانوں کے قتل عام کے سلسلے میں مقدمہ چلایا جائے گا۔ شیخ عبداللہ کی پہلی وزارت میں مستقبل کے حکمران بخشی غلام محمد اور غلام محمد صادق بھی شامل تھے۔ اس کے بعد ممبران اسمبلی پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی، جسے بھارت اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان اختیارات کا تعین کرنے کے لئے فارمولا مرتب کرنے پر مامور کیا گیا چنانچہ اس کمیٹی کی سفارشات پر بھارت سے معاہدہ ہوا، جس میں ریاست کو خصوصی حیثیت دی گئی، مہاراجہ کے اقتدار کو ختم کر دیا گیا اور مقبوضہ کشمیر چھوڑ

جانے والے کی واپسی پر اپنی جائیداد کے حقدار ٹھہرائے گئے۔ نیشنل کانفرنس کے پرچم کو ریاستی پرچم قرار دے دیا گیا۔ یہ معاہدہ ۹۰ دفعات پر مشتمل تھا۔(۱)

مگر شیخ عبداللہ کا اقتدار ہندوؤں کو ہرگز گوارا نہ تھا۔ کرن سنگھ اور ڈی پی دھر وغیرہ سرگرم عمل رہتے تھے۔ اور نہرو کے کان بھرتے رہتے تھے۔ جبکہ شیخ عبداللہ مرحوم نے اپنے آپ کو طاقت ور سمجھتے ہوئے کچھ انتہا پسندانہ فیصلے بھی کئے، جو ریاست اور ریاستی عوام کے تو حق میں تھے مگر بھارت کے حق میں نہ تھے ان باتوں سے مخالفین کو مزید موقع میسر اگیا۔ اس کے علاوہ شیخ عبداللہ مرحوم نے مسئلہ کشمیر کے بہترین حل خود مختار کشمیر پر بیرونی نمائندوں سے بات چیت پر کبھی تامل محسوس نہ کیا چنانچہ ان وجوہات کے پیش نظر ۹ اگست ۱۹۵۳ء کو شیخ عبداللہ مرحوم کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کر کے گرفتار کر لیا گیا اور بخشی غلام محمد کو وزیراعظم بنا دیا گیا۔ ریاست میں زبردست ہنگامے ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد مارے گئے۔ ہزاروں لوگ زخمی ہوئے۔ ہزاروں گرفتار ہو کر جیل میں پہنچ گئے مگر بھارتی حکومت اپنے فیصلے پر ڈٹی رہی۔ بھارت کی طرف سے شیخ عبداللہ اور ریاستی عوام کے خلاف مخصوص ہندوانہ ذہنیت کا یہ پہلا مظاہرہ تھا، جس نے بہت سے لوگوں کو بھارت کے خلاف سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ۵ سال بعد شیخ محمد عبداللہ کو رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد شیخ عبداللہ نے الحاق کے بجائے رائے شماری کے حق میں تقریریں شروع کر دیں۔ چنانچہ ۳ ماہ بعد ۳۰ اپریل ۱۹۵۸ء کو پاکستان کے ساتھ ساز باز کرنے کے الزام میں انہیں پھر گرفتار کر لیا گیا اور ۲۵ افراد کے خلاف سازش کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا۔

۱۹۶۳ء میں فیصلہ ہوا۔ ۱۹۶۴ء میں غلام محمد صادق نے یہ کیس واپس لینے کا اعلان کیا اور گرفتار شدگان کو رہا کر دیا۔ ۱۹۶۴ء میں شیخ عبداللہ نہرو سے مذاکرات کے بعد پاکستان آئے مگر نہرو کی اچانک وفات پر واپس چلے گئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد یعنی ۵ فروری ۱۹۶۵ء کو شیخ عبداللہ بیرونی دورے پر الجزائر اور سعودی عرب وغیرہ گئے اور عرب وغیرہ گئے اور الجزائر میں بن بیلا کے علاوہ چینی وزیراعظم

---

(۱) مینس صراف ص ۱۳۰۴ جلد ص ۲

چو این لائی سے بھی ملاقات کی۔ چو این لائی نے چین کے دورہ کی دعوت دی، جس پر بھارتی حکومت نے احتجاج کیا۔

چنانچہ شیخ عبداللہ اپنی بیگم اور افضل بیگ کے ہمراہ جوں ہی دہلی ایئرپورٹ پر اترے، انہیں گرفتار کر لیا گیا۔

آخر کار ۱۳ نومبر ۱۹۷۴ء کو شیخ عبداللہ اور بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے درمیان معاہدہ ہوا، جس کے تحت شیخ عبداللہ کو دوبارہ اقتدار ملا۔ اس کے معاہدے کے خلاف مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ اس معاہدے کے نتیجے میں شیخ عبداللہ کی شخصیت بہت حد تک مسخ ہو گئی اور عام کشمیری حلقوں کا یہ خیال اور پختہ ہو گیا کہ کشمیری سیاسی لیڈر اقتدار کے بھوکے ہیں۔ انہیں نہ کشمیر کی آزادی سے غرض ہے اور نہ کشمیری عوام کے مسائل سے۔ اس معاہدے میں شیخ عبداللہ نے بہت کچھ کھو دیا۔ وزیراعظم کے بجائے وزیراعلیٰ بننا قبول کیا۔ کانگرس کی حمایت جلد ہی ختم ہو گئی چنانچہ ۱۹۷۷ء میں شیخ عبداللہ نے دوبارہ الیکشن کرا کر اور اپنی پارٹی نیشنل کانفرنس کا احیاء کر کے الیکشن جیت لیا جو ایک غیر متوقع بات تھی۔ اقتدار کے ان پانچ سالوں میں شیخ عبداللہ نے سیاسی طور پر اپنے آپ کو مضبوط بنا لیا۔

جہاں تک شیخ عبداللہ کے نظریات کا تعلق ہے، وہ الفاظ کے رد و بدل کے ساتھ وہی رہے ہیں، جو ان کے ۱۹۴۸ء میں تھے۔ بھارت سے الحاق کے وہ آخری وقت تک حامی نظر آتے رہے اور مسئلہ کشمیر کا بہترین حل "خود مختار کشمیر" کے بارے میں بھی پرجوش نہیں رہے تھے۔ ان کی موت سے چند ماہ پہلے کے خیالات جاننے کے لئے ہمارے سامنے ان کا ایک انٹرویو ہے:۔

" بھارتی صحافی کے ایک سوال کے جواب میں کہ ماضی پر ایک نگاہ واپس ڈالتے ہوئے کیا آپ اس بات کو دانشمندانہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے ہندوستان کے ساتھ ناطہ جوڑا۔ شیخ عبداللہ کہتے ہیں کہ واقعات و حالات نے ہمارے فیصلے کو حق بجانب ثابت کر دیا کیونکہ ہم جمہوریت کے حامی ہیں اور ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ اس ملک میں بہت سی مشکلات اور کوتاہیاں ہیں لیکن مجموعی طور پر یہاں انتخابات آزادانہ طور پر ہوتے ہیں۔ یہاں ایک آزاد پریس ہے اور اظہار کی

آزادی بھی ہے۔ لیکن پاکستان میں سال ہا سال سے انفرادی آزادی کا وجود نہیں اور وہاں فوجی آمریت مستحکم اور مضبوط ہو گئی۔"

مسئلہ کشمیر کے حل کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہیں۔" میرے خیال میں پاکستان وہ حصہ حاصل نہیں کر سکتا جو ہمارے پاس ہے او رنہ ہی ہندوستان وہ حصہ حاصل کر سکتا ہے جو پاکستان کے قبضے میں ہے۔ اس معاملہ میں گفت و شنید کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔"

مقبوضہ کشمیر کے بھارت کے ساتھ تعلقات کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں۔" ہمیں ہر وقت ہوشیار اور مستعد رہنا چاہئیے۔ اندرونی خود مختاری کمزور کرنے کی بسیار کوششیں ہوئی ہیں، جن کو ہم نے ناکام بنا دیا۔ ہم ۹ اگست ۱۹۵۳ء سے لاگو کئے گئے ان قوانین کا جائزہ لے رہے ہیں، جنہیں کشمیریوں پر ٹھونسا گیا ہے۔ ۱۹۷۵ء میں ہم نے نئی دہلی کے ساتھ جو معاہدہ کیا، وہ ہمیں اس بات کا اختیار دیتا ہے کہ ہم اس تاریخ کے بعد نافذ کئے گئے کسی قانون کو اپنی مرضی سے قبول کر لیں یا مسترد کر دیں۔" (۱)

شیخ عبداللہ کے ایک دیرینہ ساتھی اور مشہور کشمیری دانشور پنڈت پریم ناتھ بزاز ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ" شیخ صاحب نے بھارت سے الحاق اپنی مرضی سے کیا تھا یا حالات کے دباؤ نے انہیں مجبور کیا تھا۔ میرے خیال میں دونوں باتیں درست ہیں۔ شیخ صاحب اور محمد علی جناح کی نہیں بنتی تھی۔" اس کے علاوہ پنڈت بزاز، کا خیال تھا کہ شیخ صاحب اقتدار چاہتے تھے جس کی وجہ سے وہ الحاق کو چیلنج کرنے لگے تھے۔" (۲) اور ایسے ہی خیالات کا اظہار کرن سنگھ نے اپنی کتاب " Heir Apparent " میں کیا ہے۔

چونکہ مقبوضہ کشمیر کی سیاست کا محور شیخ عبداللہ کی ذات رہی ہے، اس لئے وہاں کی سیاسی کشمکش میں عبداللہ کے اثرات نمایاں رہے ہیں۔ لہذا مقبوضہ کشمیر کی صورت حال کو شیخ عبداللہ کے حوالے سے بتانا ضروری تھا۔

---

(۱) "کشمیر۔ راولپنڈی (بحوالہ کتاب سرینگر) شمارہ ۲۵ تا ۳۱ مئی ۱۹۸۲ء

(۲) ایضاً ۳ مئی ۱۹۸۲ء

بخشی غلام محمد صادق وزیراعلیٰ رہے اور اس کے کچھ عرصہ میر قاسم ۔ یہ لوگ مکمل طور پر بھارتی اشاروں پر ناچنے والے تھے ۔ ان لوگوں نے اپنا سیاسی کردار شیخ عبداللہ کے ساتھ بنایا تھا ۔ مؤخرالذکر دونوں شیخ عبداللہ سے بھی زیادہ اپنے آپ کو ترقی پسند کہلاتے تھے اور سوشلسٹ اور کمیونسٹ نظریات کا دم بھرتے تھے ۔

کشمیر کے اس حصے میں بے شمار سیاسی کرتب دکھانے گئے ، مگر شیخ عبداللہ کی قوت کوئی بھی نہ توڑ سکا ۔ ۱۹۵۳ء میں ہی غلام محی الدین قرہ نے ایک پولٹیکل کانفرنس بنائی ، مگر پاکستان سے مدد لینے کے جرم میں گرفتار ہو گئے ۔ ان کی یہ گرفتاری بمبئی میں ایک لاکھ روپے آزاد کشمیر کی ایک پارٹی سے لیتے ہوئے عمل میں آئی ۔

۱۹۵۵ء میں پنڈت پریم ناتھ بزاز نے کشمیر ڈیموکریٹک یونین بنائی اور دہلی سے وائس آف کشمیر نکالا مگر جلد ہی گرفتار ہو گئے ۔ ۱۹۵۴ء میں رہائی پر مرزا افضل بیگ نے محاذ رائے شماری قائم کی ۔ مگر ۱۹۵۵ء میں پھر گرفتار گئے ۔ محاذ رائے شماری کو بعد میں شیخ عبداللہ کی حمایت حاصل ہو گئی ، اس لئے اس کا کافی اثر رہا ۔ بعد میں اسے دوبارہ نیشنل کانفرنس میں ضم کر دیا گیا ۔ ۱۹۶۴ء میں مولوی فاروق نے نئی پارٹی " عوامی ایکشن کمیٹی ۔ بنائی ۔ ۱۹۷۷ء میں بھارتی جنتا پارٹی بنائی گئی ، جبکہ کانگریس پہلے سے قائم تھی ۔ جموں میں شروع میں ہندو مہاسبھا اور جن سنگھ تھیں ۔ اب ان کی جگہ کانگریس اور بھارتیہ جنتا پارٹی اور جنتا پارٹی نے لے لی ، جبکہ دوسری سیاسی جماعتوں میں جماعت اسلامی پیپلز لیگ اور پیپلز کانفرنس وغیرہ شامل ہیں ۔

مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں اقتدار کی رسہ کشی کی مماثلت

جہاں تک مقبوضہ کشمیر کی مجموعی سیاسی صورت حال کا تعلق ہے ، سیاستدان چاہے ، کشمیر کے اس حصے میں ہوں یا اس حصے میں ، ایک سی فطرت کے مالک ہیں ۔ ہمارے سیاستدانوں کی ایک لمبی قطار ہے ۔ جب تک یہ لوگ سیاستدان نہ تھے یا ان کا کوئی مقام نہ تھا ، تو مخلص تھے ۔ جب سیاستدان بن گے یا عوام میں مقام بن گیا ، تو اقتدار کے لئے مخلص ہو گئے اور آزادی کے کام کو ذاتی مفاد پرستی کی

بھینٹ چڑھا دیا۔ ہمارا کون سا سیاستدان ہے، جو اپنے کاز سے مخلص رہا ہے اور کونسی ایسی تنظیم ہے، جو حکومت پاکستان کی وظیفہ خوار نہ رہی ہو۔ جس کو پاکستان سے وظیفہ نہیں ملا، وہ بھارت سے فیض یاب ہونے۔ ہمارے بڑے بڑے سیاستدان یہ ہیں:۔

شیخ محمد عبداللہ۔ چوہدری غلام عباس۔ میر واعظ یوسف شاہ۔ سردا محمد ابراہیم خان۔ سردار عبدالقیوم۔ مرزا افضل بیگ۔ بخشی غلام محمد۔ غلام محمد صادق۔ میر قاسم۔ خان عبدالحمید خان۔ کے ایچ خورشید۔ مولوی فاروق وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے حکومت پاکستان سے وظیفہ نہیں لیا۔

شیخ عبداللہ کے بارے میں یہ انکشاف ان کے دست راست مرزا افضل بیگ جاتے جاتے خود ہی کر گئے تھے کہ ہم پاکستان سے وظیفہ لیتے تھے۔ جبکہ چوہدری غلام عباس مرحوم کو سالانہ 25 ہزار، میر واعظ یوسف شاہ کو ایک ہزار ماہانہ اور مسلم کانفرنس کے باقی کارکنوں کو اس سے کم ملتا تھا۔ (۱) مولوی فاروق کو بہت عرصہ حکومت پاکستان کی طرف سے ان کے بھائی مولانا احمد کے ذریعے امداد ملتی رہی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے بعد حکومت پاکستان نے مولوی محمد فاروق کے بارے میں بھی سرد مہری اختیار کر لی اور چونکہ پاکستان کی نئی حکومت کی ہمدردیاں جماعت اسلامی کے ساتھ تھیں، اس لئے اب مقبوضہ کشمیر میں جماعت اسلامی پاکستان کی امداد سے فیض یاب ہو رہی ہے۔ اس کا ثبوت پاکستان کا پریس ہے۔ ایک طویل عرصہ تک پاکستان کے پریس کی سرخیاں شیخ عبداللہ کے بیانات ہوتے تھے۔ یہ دور تھا جب ان سے حکومت پاکستان کا رابطہ تھا۔ جب یہ رابطہ ٹوٹا تو شیخ عبداللہ کے بارے میں پالیسی تبدیل ہو گئی اور ان کا کردار بحیثیت ایک غدار کے پیش کیا جانے لگا۔ اس عرصے میں مولوی فاروق کی گرما گرم تقریروں سے سرخیاں سجائی جانے لگیں۔ مگر جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے بعد مولوی فاروق پاکستانی پریس سے غائب ہو گئے اور اب " سیالکوٹ پار سے آمدہ اطلاعات۔ جماعت اسلامی، کے حق میں جاری ہیں۔

---

(۱) جنس صرف ص ۱۳۰۲

مقبوضہ کشمیر میں سیاسی جماعتیں:۔

نیشنل کانفرنس:۔

۱۰ جون ۱۹۳۹ء کو مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کر کے عمل میں لائی گئی۔ مسلم کانفرنس ۱۹۴۰ء میں تو دوبارہ احیاء ہو گیا مگر نیشنل کانفرنس شیخ محمد عبداللہ کی سرکردگی میں کام کرتی رہی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند اور تقسیم کشمیر کے ماحول میں مسلم کانفرنس بھی جان دار رول ادا نہ کر سکی مگر نیشنل کانفرنس کا رول مجموعی طور پر منفی تھا۔ وادی کے لوگ گاہے گاہے، جو خون میں نہلائے جاتے رہے ہیں اور یہ مشق ستم اب آخری کشمیری مسلمان کے ختم ہونے تک جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ دراصل شیخ عبداللہ کے کانگرس کی ہمنوائی میں سیکولر نظریے سے پیار کا صلہ ہے۔ شیخ عبداللہ کی کانگرس کے ساتھ ہمنوائی نے مہاراجہ کو الحاق بھارت کی شہ دی۔ شیخ عبداللہ نے اس کی حمایت کر کے نہ صرف کشمیر کی تقسیم کی بنیاد رکھ دی بلکہ ساری کشمیری نسل کو غیر یقینی مستقبل کے حوالے کر دیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد بھی سیاسی سطح پر مقبوضہ کشمیر خصوصاً وادی کے لوگوں میں بڑی جماعت کی حیثیت سے رہی۔ دوسرے لفظوں میں پاکستان کے نزدیک مسلم کانفرنس کو سیاست آزاد کشمیر میں ایک کلیدی رول ادا کرنا تھا تو بھارت کے نزدیک مقبوضہ کشمیر میں یہ رول نیشنل کانفرنس کو ادا کرنا تھا۔ سو ادا کیا گیا۔ نیشنل کانفرنس الحاق بھارت کی علمبردار رہی ہے، اس کے باوجود سیاسی اثر و رسوخ اس کا سب سے زیادہ رہا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کی وفات کے بعد قیادت وراثتاً ان کے لڑکے فاروق عبداللہ کو منتقل ہوئی ہے۔ حالیہ تحریک آزادی میں جہاں اور سیاسی شخصیتوں کو گوشہ عافیت تلاش کرنا پڑا ہے، وہاں فاروق عبداللہ نے بھی راہ فرار اختیار کر رکھی ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں اس کی سیاسی حیثیت دن بدن کم ہو رہی ہے۔

جموں و کشمیر عوامی مجلس عمل: ۱۹۶۳ء میں " موئے مبارک " کی گمشدگی کے بعد میر واعظ خاندان کے سیاسی و مذہبی جانشین مولوی محمد فاروق مرحوم نے قائم کی تھی۔ یہ تنظیم الحاق بھارت کی مخالف رہی ہے مگر سیاسی لحاظ سے کوئی خاص حلقہ اثر پیدا نہیں کیا۔ حالیہ تحریک میں میر واعظ مولوی فاروق کو شہید کر دیا گیا ہے۔ شہادت کے بعد ان کے 14 سالہ لڑکے عمر فاروق کو ان کا جانشین بنایا گیا ہے۔

جموں و کشمیر پیپلز کانفرنس:۔

ایک سابق وزیر تعلیم عبدالغنی لون اس کی قیادت کر رہے ہیں۔ شروع میں بھارت کے اندر خود مختاری کے قائل نظر آتے تھے مگر اب ایسا نہیں ہے۔ " افکار۔ دہلی مئی ۱۹۸۹ء میں ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:۔

" قابل ذکر بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر خود پنڈت نہرو نے سلامتی کونسل میں پیش کرایا۔ قراردادوں پر اسی بھارتی حکومت کے نمائندے نے دستخط بھی کئے ہیں۔ ان قراردادوں میں طے پایا ہے کہ کشمیر کا مستقبل کشمیری عوام کی رائے کے مطابق طے کیا جانا چاہئے تو یہ مسئلہ ہنوز حل طلب ہے۔۔

اس سیاسی تنظیم کا حلقہ اثر محدود ہے اور اب حالیہ لہر میں یہ بھی بے اثر ہو چکی ہے۔

امت اسلامی:۔

۱۹۸۶ء میں اس کی تشکیل ہوئی۔ اس کے محرک قاضی نثار ہیں۔ شروع میں قاضی نثار نے خوب مقبولیت حاصل کی، مگر بعد میں بھارت نوازی نے گراف گرا دیا۔ " افکار۔ دہلی مئی ۱۹۸۹ء کے شمارے میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

" میں نے پہلی مرتبہ کھل کر کہا ہے کہ ہم ہندوستان میں رہیں گے۔

ہندوستان کے اول درجہ کے شہری بن کر اور اپنے تمام حقوق ایک شہری کی حیثیت سے ہندوستان کے جمہوری دستور کے دائرے میں ہی طلب کریں گے۔

اسی اقتباس سے ان کی موجودہ پوزیشن کا تعین بھی کیا جا سکتا ہے۔

جماعت اسلامی (مقبوضہ کشمیر):۔

جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر میں فعال تنظیم ہے بلکہ آزاد کشمیر کی نسبت وہاں جماعت کا کام زیادہ ٹھوس بنیادوں پر ہوا ہے۔ کئی سکول جماعت کے تحت چل رہے ہیں۔ اس کا قیام وادی میں یوں تو ۱۹۴۷ء سے قبل بھی تھا اور اس کے بعد کام جاری رکھا۔ اس کے موجودہ امیر حکیم غلام نبی ہیں، جبکہ شہرت سید علی شاہ گیلانی کو زیادہ ملی ہے۔ موجودہ تحریک مزاحمت سے قبل انفرادی اور پھر آخری دفعہ مسلم متحدہ محاذ کے تحت بھارتی آئین کے تحت انتخاب میں حصہ لیتے رہے ہیں، جس کی وجہ سے ان کا کام خالص تحریکی نوعیت کا نہیں رہا۔ اس کے علاوہ جماعت کی مرکزی قیادت اور نوجوان قیادت میں طریق کار پر اختلاف رہا ہے۔ مرکزی قیادت مصلحت کو زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ نوجوان کچھ کرنے کے متمنی ہیں۔ حالیہ تحریک آزادی میں جماعت اسلامی اور اس کے تیار کردہ نوجوان کام کر رہے ہیں۔

پیپلز لیگ:۔

۱۹۷۴ء میں اندرا گاندھی شیخ عبداللہ "اکارڈ" کے رد عمل کے طور پر معرض وجود میں آئی۔ اس کے سربراہ فاروق رحمانی اور سیکرٹری جنرل شبیر احمد شاہ رہے ہیں۔ مسلم متحدہ محاذ کے تحت الیکشن میں انہوں نے بھی حصہ لیا۔ موجودہ تحریک آزادی میں نمایاں کردار شبیر احمد شاہ کا ہے۔ فاروق رحمانی جماعت اسلامی سے متاثر ذہن کی وجہ سے انتہا پسندانہ اقدامات سے گریزاں تھے، جبکہ شبیر احمد شاہ انتہا پسندانہ سرگرمیوں کو بڑھانا چاہتے تھے۔ شبیر احمد شاہ کامیاب رہے ہیں۔ پیپلز لیگ شروع میں تو دو دھڑوں میں بٹی تھی، اب شبیر احمد شاہ کی گرفتاری کے بعد کئی دھڑوں میں بٹ گئی ہے۔ شبیر شاہ رہائی کے بعد ممکن ہے،

اسے دوبارہ منظم کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

محاذ آزادی:۔

یہ تنظیم صوفی محمد اکبر نے دھلی اکارڈ کے بعد بنائی۔ مقبوضہ کشمیر کی یہ واحد تنظیم ہے، جو کشمیر کی خود مختاری کی بات اعلانیہ کرتی رہی ہے۔ صوفی اکبر پرانے نیشنل کانفرنسی تھے۔ مگر جرأت افکار کی بنا پر ہمیشہ نمایاں رہے مقبوضہ کشمیر میں خود مختار کشمیر کا نظریہ پہلی بار صوفی اکبر مرحوم نے دیا۔ صوفی محمد اکبر کی وفات کے بعد اعظم انقلابی اس کے صدر بنے۔ ان کے مستعفی ہونے کے بعد بشیر احمد بٹ اس کے صدر ہیں۔ "افکار" میں اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں۔

" محاذ آزادی کا سیدھا مقصد وہی ہے جو محاذ رائے شماری " مقبوضہ کشمیر) کا تھا۔ ہم آزادی چاہتے ہیں اور آزادی کا ذریعہ رائے شماری کو خیال کرتے ہیں یعنی کشمیر کے عوام کو رائے شماری کا حق ملنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکیں۔۔

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی سیاسی جماعتیں:۔

نیشنل کانگرس (آئی):۔

یہ بھارت کی سب سے بڑی اور قدیم پارٹی کانگرس (آئی) کی شاخ ہے۔ ریاستی شاخ کے صدر غلام رسول کار ہیں۔ پرانے کانگرسی ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں کانگرس کا کردار بھی بھارتی کانگرس کے تابع رہا ہے، جس سے کئی بار اقتدار کی دیوی ان پر مہربان ہوئی۔ مسلمانوں میں اسے زیادہ پذیرائی نہیں ملی۔

بھارتیہ جنتا پارٹی:۔

یہ متشدد قسم کی ہندو نواز جماعت ہے۔ جموں میں ہندو اکثریت کے علاقوں میں اسے حمایت حاصل ہے۔ کشمیر کو بھارت میں مدغم کرنے کی علمبردار ہے۔

"آزاد کشمیر"

آزاد کشمیر حکومت کا قیام

مہاراجہ سے بغاوت کر کے آزاد حکومت کے قیام کا مقصد واضح تھا کہ عوام اپنی حکومت خود بنائیں گے اور ریاست کشمیر، بھارت یا پاکستان سے الحاق نہیں کرے گی بلکہ ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے زندہ رہے گی۔ یہ بات اس اعلان سے واضح ہے، جس کی رو سے آزاد حکومت کا اعلان کیا گیا۔ پہلا اعلان ۴ اکتوبر کو جاری کیا گیا۔ یہ اعلان غلام نبی گلکار (انور) کے نام سے جاری ہوا۔ یہ فرمان پیرس ہوٹل راولپنڈی صدر میں ایک نشست میں منظور ہوا۔ انگریزی اخبار " لانٹ۔ لاہور نے ۸ اکتوبر ، ۱۹۴۷ء کے شمارے میں اس فرمان کی خبر یوں شائع کی:۔

" کشمیری عوام نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ ہم پریس میں جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ کشمیر سے خوشخبری آئی کہ کشمیر کے عوام نے ریاست کشمیر کی خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے اور عارضی طور پر حکومت کا قیام بمقام مظفرآباد عمل میں لایا گیا۔ خود مختاری کے اعلان میں بتایا گیا کہ ہری سنگھ کا راج ۱۵ اگست (بمطابق قانون آزادی ہند) ختم ہوا۔ اسے کوئی اخلاقی، مذہبی اور قانونی حق نہیں ہے کہ وہ ریاست کے عوام کی مرضی کے خلاف حکمرانی کرے۔ اس کے نتیجے میں اسے معزول کیا جاتا ہے اور ۴ اکتوبر ، ۱۹۴۷ء سے اس پر عمل ہو گا۔" (۱)

---

(۱) محمد اسد قریشی کاشمیری " معمار آزادی کشمیر۔

جب کہ دوسرا اعلان ۲۴ اکتوبر کو کیا گیا ہے۔ ۲۴ اکتوبر کے اعلان میں کہا گیا:-

" عارضی حکومت جو ریاست کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے رہی ہے، ایک فرقہ وارانہ حکومت نہیں ہے۔ اس حکومت کی عارضی کابینہ میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم بھی شامل ہوں گے۔ حکومت کا مقصد سردست ریاست میں نظم و نسق کی بحالی ہے کہ عوام اپنی رائے سے ایک جمہوری آئین ساز اسمبلی اور ایک نمائندہ حکومت چن لیں۔ ہمسایہ مملکت ہائے پاکستان اور ہندوستان کے لئے بہترین جذبات دوستی اور خیرسگالی رکھتی ہے اور امید کرتی ہے کہ ہر دو مملکتیں کشمیری عوام کی فطری آرزوئے آزادی کے ساتھ پوری پوری ہمدردی کریں گی۔ عارضی حکومت ریاست کی جغرافیائی سالمیت اور سیاسی انفرادیت برقرار رکھنے کی متمنی ہے۔" (۱)

جو آزاد کشمیر حکومت قائم ہوئی، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس حکومت کو مہاراجہ کی جانشین قانونی حکومت تسلیم کر لیا جاتا مگر حکومت پاکستان نے اسے اپنی کٹھ پتلی بنانا زیادہ مناسب سمجھا۔ چنانچہ جس علاقہ کو آزادی کا بیس کیمپ بننا تھا، آغاز ہی میں نوکر شاہی کی سازشوں کی آماجگاہ بن گیا۔ پاکستان نے مزید کرم یہ کیا کہ وزارت امور کشمیر کو کشمیریوں پر ایک تلوار کی طرح لٹکا دیا۔ آزاد کشمیر کا صدر بنتا تو وزارت امور کشمیر کی مرضی سے اور وزیر بنتا تو وزارت امور کشمیر کے چکر کاٹ کر۔ دوسری طرف مسلم کانفرنس، جسے وزارت امور کشمیر کی اشیر باد حاصل تھی، مکمل وظیفہ خوار بن گئی اور وزارت امور کشمیر نے اسے حکمران جماعت قرار دے دیا۔ اس بات سے قطع نظر کہ آزاد کشمیر کے عوام اسے مانتے بھی ہیں یا نہیں۔ سردار ابراہیم، جنہیں آزاد کشمیر کا صدر بنایا گیا، اس وقت مسلم کانفرنس کے بھی رہنما تھے کیونکہ چوہدری غلام عباس مرحوم جموں جیل میں تھے۔ چنانچہ چوہدری غلام عباس جب جیل سے رہا ہو کر یہاں پہنچے تو انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ سردار ابراہیم صدر حکومت ہوں، جبکہ مسلم کانفرنس کے صدر وہ خود تھے۔ چنانچہ چوہدری غلام عباس کے آتے ہی ان دونوں میں کرسی کی جنگ شروع ہو گئی۔ بلکہ

یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوہدری غلام عباس کو نہرو نے ۔ بی اس لئے کیا تھا کہ کسی طرح سردار ابراہیم کی حکومت کا خاتمہ ہو اور اس سلسلے میں کچھ ... گئی ۔ کیونکہ غلام عباس سمجھتے تھے کہ سردار ابراہیم کو صدارت سے ہٹانا ان کے لئے آسان ہے ۔ اس لئے کہ وہ مسلم کانفرنس کے صدر ہیں اور وزارت امور کشمیر کا سایہ شفقت مسلم کانفرنس کے سر پر ہے ۔ بہرحال کرسی کی یہ جنگ کچھ عرصہ جاری رہی ۔ حقیقت میں آزاد کشمیر کا انتظام وزارت امور کشمیر کے پاس تھا ۔ صدر صرف وظیفہ خوار اور انگوٹھے کے لئے تھے اور آزاد کشمیر میں حقیقی شہنشاہ وزارت امور کشمیر حکومت پاکستان کی طرف سے مقرر کردہ چیف سیکرٹری ہوتا تھا ، جس کا پاکستانی ہونا ضروری تھا اور ہنوز اسی شہنشاہ کی چشم و ابرو کے اشاروں پر کشمیریوں کی قسمت کے فیصلے ہو رہے ہیں ۔ وزارتیں اور صدارتیں چیف سیکرٹری کے اشاروں پر بنتی اور ٹوٹتی ہیں ۔ ۱۹۶۱ء تک نواب مشتاق احمد گورمانی وزیر امور کشمیر کی پالیسی ہی چلتی رہی ۔ ۱۹۶۱ء میں ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت الیکشن ہونے ۔ یہ الیکشن بی ڈی سسٹم کے تحت تھے ۔ ووٹ کا حق صرف بی ڈی ممبروں کو تھا ۔ لیکن اس جنگ میں کرسی کے شیدائی غلام عباس اور سردار ابراہیم ایبڈو کے قانون کے تحت الیکشن میں حصہ لینے کے نااہل قرار پائے ۔ البتہ ان کے جانشین سامنے آگئے اور طویل مدت یہ دونوں حضرات کرسی کی جنگ میں نبرد آزما رہے ۔ یہ تھے کے ایچ خورشید اور سردار عبدالقیوم خان ۔ اس وقت کے ایچ خورشید ایک ووٹ کی اکثریت سے جیت گئے ایک ۱۲ ممبران پر مشتمل کونسل بھی تشکیل کی گئی ۔ ۶ مہاجرین اور ۶ آزاد کشمیر سے ممبر لئے گئے ۔ کونسل کی تشکیل کے ساتھ ہی کونسل نے پہلا انقلابی قدم یوں اٹھایا کہ اپنے پہلے اجلاس میں ہی صدر آزاد کشمیر کے ۔ ایچ خورشید سے کہا کہ وہ آزاد کشمیر کو مہاراجہ ہری سنگھ کی جانشین باغی حکومت تسلیم کرانے کے لئے ضروری اقدامات کرے ۔

قرارداد جو ۲۲، ۲۳ دسمبر ۱۹۶۱ء کو منظور ہوئی ۔ اے جی ۔ ایم لون نے پیش کیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اسے مقبول احمد بٹ شہید نے ڈرافٹ کیا تھا ۔ قرار داد حسب ذیل ہے :-

" آزاد جموں کشمیر سٹیٹ کونسل صدر آزاد حکومت جموں و کشمیر کو مشورہ

(Advises) دیتی ہے کہ ریاست کے لوگوں کی زبردست خواہش کے پیش نظر، وہ فوری طور پر دنیا کے تمام ممالک بالخصوص مسلم ممالک اور افرو ایشائی ممالک سے آزاد کشمیر حکومت کو واحد قانونی اور نمائیندہ حکومت کے طور پر تسلیم کرنے کی درخواست (Request) کریں۔۔(۱)

یاد رہے کشمیر کو تسلیم کرانے کی دانشورانہ سوچ کے۔ ایچ خورشید (مرحوم) نے دی تھی۔ اسی بنا پر انہوں نے الیکشن میں کامیابی حاصل کی اور اس سوچ کی تکمیل کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ ان کے بقول اس وقت کے صدر پاکستان محمد ایوب خان نے بھی اس پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ وزیر خارجہ منظور قادر بھی اس تجویز کے حمایتی تھے۔ حکومت پاکستان نے اس معاملے میں چند اقدامات بھی کیے۔ جن میں بیرسٹر ثمین خان کو اس معاملے کے آئینی و قانونی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے آزاد کشمیر حکومت کا آئینی مشیر بھی مقرر کیا گیا۔ بیرسٹر ثمین خان نے حالات کی جانچ پڑتال کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۹۶۱ء کو سٹیٹ کونسل کے اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے واضح طور پر کہا۔

" بین الاقوامی قوانین کے تحت تسلیم کرنے کے لئے آزاد کشمیر حکومت سارے تقاضے پورے کرتی ہے۔۔(۲)

لیکن مسلم کانفرنسی زعماء اور پاکستان میں مسلم لیگی میڈیے کے شور کی وجہ سے حکومت نے پالیسی بدل دی اور کے۔ ایچ خورشید کو صدارت سے سبکدوش کر دیا۔

قصہ کے۔ایچ خورشید (مرحوم) کے کوچ کا:۔

کے۔ ایچ۔ خورشید آزاد کشمیر کے پہلے منتخب صدر تھے۔ قائداعظم کے ساتھ رہنے کی وجہ سے پاکستان میں بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن جب انہوں نے آزاد کشمیر کی صدارت کا عہدہ سنبھالا تو انہیں معلوم ہوا کہ آزاد کشمیر کی اصل صدارت کیا ہے اور کہاں ہے۔

---

(۱) ماہنامہ " فریڈم "۔ راولپنڈی جنوری ۱۹۶۲ء (۲) ایضاً

الیکشن سے پہلے جائنٹ سیکرٹری (وزارت امور کشمیر) بلا شرکت غیرے آزاد کشمیر کے صدر، مالک اور آقا تھے۔ اب یہ صاحب اپنے اختیارات اور شان و شوکت کے۔ ایچ خورشید کے حوالے نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ کے۔ ایچ خورشید صدر منتخب ہونے کے بعد پہلی مرتبہ راولپنڈی گئے تو اس گھمنڈ میں تھے کہ اب وہ نامزد صدر نہیں، عوام کے نمائندوں کے منتخب صدر ہیں۔ اس لئے ان کا خیال تھا کہ اب جائنٹ سیکرٹری ان کے پاس آئے گا۔ جائنٹ سیکرٹری کا ہیڈ کوارٹر ان دنوں شہزادہ کوٹھی، راولپنڈی میں ہوتا تھا۔ وہ بھلا اپنی شان میں گستاخی برداشت کرنے کو کہاں تیار تھے۔ انہوں نے سختی سے کہا کہ صدر ہی میرے دفتر میں آیا کرے گا۔ اس کا یہ اعلان درست بھی تھا، کیونکہ وہ آزاد کشمیر کے صدر کی اہمیت بخوبی سمجھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ غلام قوم کا صدر سب سے بڑا غلام ہوتا ہے اور غلاموں پر صرف حکم چلایا جاتا ہے، ان کو سنا نہیں جاتا۔ اس لئے اسے اپنے حکم کی تعمیل کا بھی یقین تھا۔ اس کے نزدیک آزاد کشمیر کا منتخب صدر ایک غلام قوم کی ووٹوں سے بنا ہے اور غلام قوم کا کوئی ضمیر نہیں ہوتا۔ ان پر صرف حکمرانی جائز ہے۔ یہ معاملہ ایوان صدر راولپنڈی پہنچا اور حکومت پاکستان نے صدر آزاد کشمیر کو ان کی حیثیت یاد کرائی اور کہا کہ صاحب آپ کو کس نے کہا ہے کہ آپ آزاد کشمیر کے فی الحقیقت صدر بن گئے ہیں۔ آخر حکومت پاکستان نے کے۔ ایچ۔ خورشید کو شہزادہ کوٹھی بلوایا اور کہا کہ حضور صدر صاحب یہ جائنٹ سیکرٹری صاحب کا دفتر آپ لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے۔ اس لئے وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لے آیا کریں اور آئندہ سے کوئی غلط فہمی دل میں نہ لائیے گا۔ اس طرح شہنشاہ کشمیر یعنی جائنٹ سیکرٹری نے کشمیری عوام کی خواہشات و آواز کو کچل کر بہت بڑی فتح حاصل کر لی۔ اس کے بعد کے۔ ایچ۔ خورشید نے انتقامی طور پر جائنٹ سیکرٹری کے خلاف کچھ مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ مگر جائنٹ سیکرٹری اس سے بے خبر نہ تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے ہی چند سنگین قسم کے الزامات لگا کر حکومت پاکستان کو مطلع کر دیا۔ جب آزاد کشمیر میں یہ خبر پھیلی تو لوگوں میں بے چینی کے آثار نمودار ہونے شروع ہوئے۔ آزاد کشمیر کونسل نے صدر پر اعتماد کا اظہار کیا۔ مگر ایک غلام کی شہنشاہ کے خلاف یہ

جرأت قابل معافی نہ تھی۔ چنانچہ ۵ اگست ۱۹۶۴ء کو کے۔ ایچ۔ خورشید کو جائنٹ سیکرٹری کے "دربار عالیہ" میں لایا گیا اور صدارت سے چلتا کر دیا گیا۔ اس طرح آزاد کشمیر کا پہلا منتخب صدر اپنے انجام کو پہنچا۔ کے۔ ایچ۔ خورشید کی برطرفی کے ساتھ ہی کونسل کے چھ مہاجر ممبران کو جائنٹ سیکرٹری نے برطرف کر دیا۔ ان ممبران کی برطرفی کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ ممبران کے۔ ایچ۔ خورشید کے مکمل ساتھی تھے۔ انہیں کی وجہ سے کونسل نے صدر پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایکٹ ۱۹۶۱ء ختم کر کے ایکٹ ۱۹۶۴ء نافذ کر دیا گیا اور پھر ان پرانے اصولوں کے تحت جائنٹ سیکرٹری نے بلا شرکت غیرے آزاد کشمیر کے جملہ اختیارات حاصل کر لئے۔ اس کے بعد پاکستان کو خان عبدالحمید خان کی شکل میں ایک بہترین مہرہ ہاتھ لگا اور کافی عرصہ یہ صاحب حکومت پاکستان کے ریزرو سٹاک میں رہے۔ جب پاکستان کو اپنے خاص مہرے کی ضرورت پڑتی، تو ریزرو سٹاک میں سے پہلا نمبر خان عبدالحمید خان کا آتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان صاحب نے صدارت کا زمانہ سب سے زیادہ پایا۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ ان کا تعلق کبھی کشمیر سے تھا۔ تعلق پتہ نہیں کتنا تھا، مگر کشمیر کو لوٹنے اور لٹانے میں سب سے بڑا کردار انہیں کا رہا ہے۔

ایکٹ ۱۹۶۴ء میں مہاجر نمائندے صرف دو نامزد کئے گئے تاکہ طاقت منتشر رہے۔ ۱۹۶۸ء میں ایک اور ایکٹ نافذ ہوا۔ اس میں ۱۰ کونسل کے ممبران تھے، جن میں مہاجر نمائندے شامل نہیں تھے اور صدر کونسل کا چیئرمین مقرر ہوا تھا، جو خان عبدالحمید خان تھے۔ حمید خان ۵ سال کے لئے صدر نامزد کئے گئے مگر ایک سال بعد ان سے بھی جی بھر گیا اور انہیں برطرف کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسی قبیل کے بریگیڈیئر عبدالرحمان تشریف لائے۔ اب چونکہ آزاد کشمیر کے لوگوں نے کسی کے زیادہ دیر نامزد صدر رہنے پر ناپسندیدگی کا اظہار شروع کیا تو آزادانہ الیکشن ۱۹۶۹ء میں ہوئے۔ آزاد کشمیر میں یہ پہلے عام الیکشن تھے، جن میں بالغ حق رائے دہی کے تحت ووٹ استعمال کئے گئے۔ پاکستان کی ہمدردیاں پرانی نمک خوار جماعت مسلم کانفرنس کے ساتھ تھیں، اس لئے سردار عبدالقیوم صدر منتخب قرار پائے۔

قصہ سردار قیوم کی برخاستگی کا:-

سردار عبدالقیوم کی حکومت غالباً پہلی دفعہ قدرے بااختیار حکومت تھی، وزارت امور کشمیر اپنے کرتوتوں سے باز نہیں آتی تھی مگر اب اس کا زور کچھ کم تھا۔ چنانچہ اس حکومت نے "آزاد کشمیر" کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ کام بھی کئے۔ خصوصاً تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے اس حکومت نے خوب کام کیا۔ اس کے علاوہ اپنی سمجھ کی حد تک اسلامی نظریات کو بھی فروغ دینے کی کوشش کی۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے چند فرسودہ نظریات کو بھی فروغ دینے کی کوشش کی۔ وزارت امور کشمیر زیادہ دیر اپنی حیثیت میں فرق برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ "آزاد کشمیر" کا یہ صدر بھی قدرے اکڑا ہوا تھا کہ وہ منتخب صدر ہے۔ لیکن ادھر پاکستان میں تبدیلی آچکی تھی۔ پاکستان ٹوٹ چکا تھا۔ یحییٰ خان انجام کو پہنچ چکا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے عنان حکومت سنبھال لی تھی۔ پہلے تو بھٹو کو فرصت نہ ملی کہ وہ سردار عبدالقیوم کے متعلق سوچتا۔ کچھ عرصے بعد ذوالفقار علی بھٹو کو تھوڑی فراغت ملی۔ قبل ازیں ان کے رفقاء وزیر بے محکمہ خورشید حسن میر اور یوسف بچ حالات کا جائزہ لے چکے تھے۔ ان رذیروں کا دعویٰ یہ تھا کہ سردار قیوم جماعت اسلامی کا حامی ہے اور آزاد کشمیر میں اسے لانے کی ذمہ دار بھی جماعت ہے۔ بات کچھ زیادہ غلط بھی نہ تھی۔ بھٹو ملک میں سوشلسٹ انقلاب کے داعی تھے۔ چنانچہ نظریاتی جراثیم نے بھٹو کو مجبور کیا کہ سردار قیوم کو اب چھٹی کرا دی جائے۔ چنانچہ بدنام زمانہ اجلال حیدر زیدی کو چیف سیکرٹری بنا کر بھیجا گیا۔ اس شخص کو کشمیریوں کے لہو کا کچھ زیادہ ہی چسکا پڑ گیا تھا۔ یہ کشمیریوں کا لہو بہانے کا ماہر تھا۔ کیونکہ اس سے پہلے گلگت و بلتستان میں لوگوں کو خون میں نہلا چکا تھا چنانچہ ایک بار پھر کشمیریوں کو دبانے کیلئے اجلال حیدر زیدی کو بھیجا گیا، جبکہ اس سے پہلے یہ شخص لاکھوں روپے کے غبن کے الزام میں راولپنڈی میں تھا۔ چونکہ گلگت و بلتستان میں یہ پیپلز پارٹی کی تجھ گیری کر چکا تھا۔ اس کارنامے کی وجہ سے اسے یہاں بھی بھیجا گیا۔ اجلال زیدی نے اپنے ہم نوالہ اور ہم پیالہ میجر اورنگ زیب کو بھی بلا لیا اور ڈپٹی انسپکٹر

جنرل کرائمز لگا دیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ بدنام زمانہ ایف ایس ایف کو بھی بلا لیا۔ مسلم کانفرنس کے کچھ ارکان کو گرفتار کیا۔ کچھ کو اغوا کیا، سردار عبدالقیوم کو چند دن تک ایوان صدر مظفر آباد میں محصور رکھا اور ممبران اسمبلی کو توڑنے کی کوشش جاری رہی۔ آخر عدم اعتماد کا چکر چلایا گیا اور اس طرح سردار عبدالقیوم کو برطرف کر دیا گیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان ۴۴ سالوں میں ایک درجن سے زائد دفعہ آزاد کشمیر کے صدر کو جبراً برطرف کیا گیا۔ مگر اس برطرفی میں "آزاد کشمیر" کے دوسرے لیڈروں کا ہاتھ بھی رہا۔ اگر کے۔ ایچ خورشید کو نکلوانے میں مسلم کانفرنس نے مہرے کا کردار ادا کیا۔ تو سردار عبدالقیوم کو چلتا کرنے میں دوسروں کا بھی ہاتھ تھا۔ حقیقت میں وزارت امور کشمیر کی پالیسی ہی یہ ہے کہ یہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے رہیں تاکہ حکومت پاکستان اپنا کام جاری رکھ سکے۔ اس دھرتی سے نامزد یا منتخب اتنے صدر برطرف ہوئے ہیں مگر نہ جانے اس دھرتی کے مکین کتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ کوئی حرکت پیدا نہ ہو سکی۔ یہ الگ بات ہے کہ جانے والا بھی لٹیرا ہوتا تھا اور آنے والا اس سے بڑھ کر لٹیرا ہوتا تھا۔ کیونکہ ہم "آزاد کشمیر" کے جن لوگوں کو لیڈر کہتے ہیں، اصل میں کشمیر کی آزادی کے بھی لیٹرے ہیں، ۴۴ سال صرف وزارت امور کشمیر سے کرسی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور اس لڑائی میں نہ صرف ایک دوسرے کے سر پھوڑ رہے ہیں، بلکہ ساری قوم کو بھکاری بنا کر وزارت امور کشمیر کے دروازے پر بٹھا دیا ہے۔

سردار عبدالقیوم کی معزولی کے بعد شیخ منظر مسعود صدر بنے، مگر صرف الیکشن تک پھر ۱۹۷۵ء میں الیکشن ہوئے۔ الیکشن تھے، دھاندلی تھی، کیا تھا، زمانہ رائے قائم کرنے سے قاصر ہے کہ ان انتخابات کو کیا نام دے۔ مگر ایک بات مسلم ہے کہ ان انتخابات میں کشمیریوں کی آرزوؤں کو بری طرح پامال کیا گیا۔ اس الیکشن میں حکومت پاکستان کا کردار اتنا گھناؤنا اور مکروہ تھا کہ کانگرس کی نگرانی میں مقبوضہ کشمیر میں ابتدائی الیکشن اتنے برے نہیں لگتے۔ ہمیں پہلی بار یہ احساس ہوا کہ غلامی کیا ہوتی ہے۔ حکومت پاکستان کے اس گھناؤنے کردار نے ہماری رگ و پے کو مجروح کر کے رکھ دیا۔ یہ ظلم بھی کیا ظلم تھا۔ کشمیریوں کی آرزوؤں کا یہ قتل عام کبھی نہ بھولے گا۔

المختصر کشمیریوں کی آرزوؤں کی راکھ پر پیپلز پارٹی کی حکومت سجی ہے اور خوب سجی ہے۔ کشمیری پہلے ہی غلامی میں گرہ رہے تھے کہ اوپر سے پیپلز پارٹی اور اس کے گماشتوں نے اس قدر لوٹا کہ لوٹنے کا حق ادا کر دیا۔ دہشت و خوف کا وہ سماں پیدا کیا کہ کسی کی جان و عزت محفوظ نہ رہی۔ غلامی کتنی بڑی لعنت ہے کہ ظلم و دہشت کو بھی نہیں پہچان سکتی۔ پیپلز پارٹی نے دہشت و خوف پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ پروپیگنڈے کو بڑے موثر طریقے سے استعمال کیا۔ بھٹو کو ایسے پیش کیا جیسے وہ نہ ہوا تو قیامت آ جائے گی۔ کشمیری اپنی سادہ لوحی کے طفیل ان کی شاطرانہ چالوں کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ پیپلز پارٹی نے "آزاد کشمیر" کے معاشرے میں ایسے جراثیم چھوڑے ہیں کہ نئی نسل سوچے سمجھے بغیر پیپلز پارٹی کے بظاہر خوشنما نظریات کی غلام ہونے لگی۔

پیپلز پارٹی نے جب پاکستان میں آزاد کشمیر کی طرز پر الیکشن کرائے تو وہاں لینے کے دینے پڑ گئے۔ کشمیر میں تو غلام بستے تھے، اس لئے کوئی حرکت پیدا نہ ہو سکی مگر پاکستان میں لوگوں کے جذبات طوفان کی شکل اختیار کر گئے اور اس طوفان میں پیپلز پارٹی بھٹو سمیت بہہ گئی فوج ایک بار پھر آ گئی۔ ادھر آزاد کشمیر میں بھی پیپلز پارٹی کے گماشتوں کو چلتا کر دیا گیا اور ریزرو سٹاک سے دوسرے نمبر پر جنرل عبدالرحمن آئے مگر صرف چند دنوں کے لئے۔ کیونکہ اب زمانہ ریٹائرڈ فوجیوں کا نہیں، حاضر سروس جرنیلوں کا تھا۔ اس لئے بریگیڈیئر حیات آزاد کشمیر کے منتظم اعلیٰ بنے۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت کے صدر سردار ابراہیم جھرلو اور ٹھپے سے آئے تھے اور ان کے جانے کے لئے بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ وہ صدارت چھوڑنے پر تیار نہ تھے۔ پاکستان کے جنرل فیض علی چشتی مظفر آباد تشریف لائے اور انہیں ایوان صدارت سے پکڑ کر باہر نکال دیا۔ حیات خان چار سال سے زائد عرصہ حکومت کرتے رہے۔ آخر کار ایک چار جماعتی اتحاد کے نتیجے میں برطرف کر دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی فوج سے بھی فارغ کر دیئے گئے۔ اس کے بعد ریزرو سٹاک سے تیسری بار جنرل عبدالرحمن صدر بنے۔

قصہ آزاد کشمیر میں سیاسی پارٹیوں کا:- ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو "آزاد کشمیر" نام کی بظاہر آزاد حکومت کی پہلی آواز ریڈیو پاکستان سے آئی تھی اور آج ۴۴ سال گزرنے کے بعد بھی ریڈیو پر ہی اعلانات سن رہے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جو ٹکڑا بھارت کے قبضے سے بچ گیا تھا، اس میں کشمیریوں کو کوئی باوقار مقام دیا جاتا۔ ایسے منصوبے پر کام کیا جاتا، جس سے آزادی کشمیر کی کوئی راہ نکلتی مگر ہوا یوں کہ آزاد دھرتی کے بھی حصے بخرے کر دیئے گئے۔ گلگت و بلتستان کو آزاد کشمیر سے الگ کر کے انگریزوں کی طرز پر وہاں ایک ریذیڈنٹ بٹھا دیا گیا۔ جس کو ہم اگر شہنشاہ کہیں تو مناسب ہو گا۔ مشتاق احمد گورمانی وزیر امور کشمیر نے، جس نے انگریزوں کا زمانہ اور ان کے کرتوت دیکھے تھے، ان کی طرز پر "آزاد کشمیر" کے لوگوں میں نفاق کا بیج بونا شروع کر دیا۔ جہاں سے آزادی کے لئے مجاہدوں نے جنم لینا تھا، سیاستدانوں کی کھیپ تیار ہونے لگی۔ آزاد کشمیر کا رقبہ ۴ ہزار مربع میل سے کچھ زائد ہے، جو ایک مذاق سے کم معلوم نہیں ہوتا۔ مگر سیاسی پارٹیوں کی تعداد اتنی ہے کہ الامان، گنتی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ مروجہ سیاست کا کوئی راستہ آزادی کی طرف نہیں جاتا بلکہ اس کا ہر راستہ دولت و اقتدار کی طرف جاتا ہے۔ اس تعریف کے آئینے میں جب ہم آزاد کشمیر کی سیاسی پارٹیوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو بات حرف بہ حرف درست ثابت ہوتی ہے۔

ہماری زیادہ تر سیاسی جماعتیں اپنے نام نہاد راہنماؤں سمیت مظفر آباد کے ایوانوں میں کچھ عرصہ گزار چکی ہیں۔ مگر ان میں سے کسی نے بھی کشمیر کی آزادی کے لئے کوئی مثبت لائحہ عمل اختیار نہیں کیا۔ خدا جانے قوم کو آزادی کی نوید سنانے والے، آزادی کی خاطر اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہانے کا عزم رکھنے والے اور وطن کی غلامی کے غم میں خاک بسر سیاستدان مظفر آباد پہنچ کر اندھے گونگے اور بہرے کیوں بن جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ حکومت پاکستان کی ناراضگی کو ڈھال کے طور پر پیش کریں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ پاکستان کو کشمیریوں کی آزادی سے کوئی سرو کار نہیں، اس کا مدعا اول و آخر کشمیر کو اپنا حصہ بنانا ہے تو پھر ہمارے معروف سیاسی راہنما کس مقصد کے حصول کے لئے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہو جاتے ہیں۔ مظفر آباد کی

ناپائیدار، کرسی جب کشمیری قوم کو آزادی یا دنیا میں باوقار مقام دلانے سے قاصر ہے تو اس کے حصول کے لئے آپس کی سر پھٹول، جس نے پوری قوم کو انتشار و افتراق میں مبتلا کر رکھا ہے، کہاں تک روا ہے۔! اگر ہماری سیاسی جماعتیں اپنی توانائیاں اقتدار کے واہمے کے پیچھے بھاگنے اور ایک دوسری کے خلاف محاذ آرائیوں کی بجائے کشمیری قوم میں ملی تشخص ابھارنے پر صرف کرتیں تو آزادی کی منزل کہیں آسان ہو جاتی مگر بوجوہ ایسا نہ ہو سکا اور ہمارے اقتدار پرست سیاستدان ضمیر فروشی سے ملت فروشی پر اتر آئے۔

اس وقت آزاد کشمیر میں متعدد سیاسی پارٹیاں ہیں۔ مسلم کانفرنس۔ آزاد مسلم کانفرنس۔ لبریشن لیگ۔ محاذ رائے شماری اور تحریک عمل۔ سیاسی پارٹیاں چونکہ کم تھیں، قلت کی وجہ سے پاکستان میں آرڈر دیا گیا۔ چنانچہ آرڈر پر کوئی آدھ درجن سیاسی پارٹیاں پاکستان سے درآمد کی گئی ہیں۔ کشمیریوں میں بکنے کی وبا ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ہی وزارت امور کشمیر کی کوششوں سے پھیل گئی تھی۔ اس لئے اب بکنے والے سرعام بکتے ہیں۔ اس لئے پاکستان سے سیاسی پارٹیوں کی قطار لگ گئی، چند ایک نام یہ ہیں :۔ پیپلز پارٹی۔ جماعت اسلامی۔ جمعیت نورانی گروپ اور مفتی گروپ۔ تحریک استقلال۔ جمعیت اہل حدیث۔ وغیرہ۔ ان سیاسی پارٹیوں کے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یہ ہمارے معاشرے کے مطابق نہیں ہیں۔ ان کی پالیسیوں کا تعلق پاکستان کے آزاد معاشرے سے ہے اور ہمیں ابھی غلامی کے خلاف جدوجہد کرنی ہے۔ یہ پارٹیاں ایسے لگتا ہے کہ باقاعدہ سازش سے آئی ہیں، جب ان کا اثر زیادہ ہو جائے گا تو آزاد کشمیر کو پاکستان کا صوبہ بنا کر قانون نافذ کر کے آزادی کا نام لینے والوں کو سرعام پھانسی دینے کا جواز پیدا کر لیا جائے گا۔

آزاد کشمیر میں سیاسی جماعتیں:

مزید سیاسی جماعتوں پر بات کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان اہداف کی وضاحت کی جائے، جو مہاراجہ کے الحاق بھارت، مسلم کانفرنس کی قرارداد الحاق پاکستان اور تقسیم کشمیر کے نتیجے میں سامنے آئے۔ تقسیم کشمیر کے بعد مسلم کانفرنس اور اس کے بعد بننے والی سیاسی تنظیمیں کیا ان مقاصد کے حصول کے لئے تھیں؟ اگر تھیں تو کیا انہوں نے وہ مقاصد حاصل کیے؟ ایسا نہیں تو کیا ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب نہیں کہ مسلم کانفرنس اور دوسری سیاسی جماعتیں تقسیم کشمیر کے بعد اپنا اصل ہدف چھوڑ کر مفاد پرستی اور اقتدار پرستی کی طرف مائل ہو گئیں۔ اس لئے کہ ہمارے سامنے ۴۴ سالہ مدت "نئی" غلامی ہے۔ ان سیاسی جماعتوں کی ناکامی کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے۔ "آزادی" کے ہدف کو قریب لانے کے بجائے اسے دور کرنے کی مرتکب ہوئی ہیں۔

مسلم کانفرنس:۔

مسلم کانفرنس ریاست جموں کشمیر کی قدیم و اولیں سیاسی جماعت ہے، جو ۱۹۳۱ء کی تحریک کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی۔ اس کے پہلے سربراہ شیخ محمد عبداللہ مرحوم اور جنرل سیکرٹری چوہدری غلام عباس مرحوم تھے۔ ۱۹۴۰ء میں یہ جماعت تقسیم ہو کر دو حصوں میں بٹ گئی۔ مسلم کانفرنس کے سربراہ چوہدری غلام عباس بنے، جبکہ نیشنل کانفرنس کے سربراہ شیخ محمد عبداللہ مقرر ہوئے۔ مسلم کانفرنس کے کردار کے دو پہلو ہیں۔ ایک تقسیم ہند اور تقسیم کشمیر سے پہلے اور دوسرا تقسیم کے بعد۔ مسلم کانفرنس کا پہلا کردار ایک ابتدائی سیاسی جماعت کے طور پر کس حد تک مناسب تھا، یہاں زیر بحث نہیں۔ ہمیں مسلم کانفرنس کے اس کردار کو یہاں عیاں کرنا ہے، جو تقسیم کے بعد "آزاد کشمیر" میں اس نے ادا کیا۔ مسلم کانفرنس کا یہ کردار قطعی طور پر لائق تحسین نہیں ہے۔ مسلم کانفرنس کی سیاسی غلطیوں نے ہمیں آزادی کی منزل سے دور کیا۔ مسلم کانفرنس کی پہلی اور ابتدائی غلطی باغی حکومت کے اعلان کے باوجود بعض اہم

اختیارات ایک معاہدے کے ذریعے حکومت پاکستان کے حوالے کرنا ہے۔

وقت نے اس فیصلے کو غلط ثابت کر دیا ہے۔ مسلم کانفرنس کے زعماء کئی بار اس معاہدے کو اب توڑنے کی دھمکیاں دے چکے ہیں۔ اب یہ معاہدہ اگر ٹوٹ بھی جائے تو بھی ۴۴ سالوں کا خلا پر ہونا مشکل ہے۔ اسی معاہدے میں مسلم کانفرنس نے دوسری بڑی غلطی کی، جس سے مسلم کانفرنس کے اس وقت کے زعماء کی ہوس اقتدار کا اظہار ہوتا ہے۔ معاہدے میں "آزاد کشمیر" کی حکومت کو ہمیشہ کے لئے مسلم کانفرنس کے تابع رکھنے کا اعلان ہوا، جس سے آگے چل کر مفاد پرستی اور اقتدار پرستی کی ایک نئی جنگ نے کشمیریوں میں نفرت کے بیج بو کر منزل آزادی سے اور دور کر دیا۔ وزارت امور کشمیر، جس کا اب بھی بڑا چرچا ہے مسلم کانفرنس کا پالا ہوا سفید ہاتھی ہے۔ تیسری بڑی غلطی مسلم کانفرنسی زعماء کا وزارت امور کشمیر سے وظیفہ لینا ہے۔ چوہدری غلام عباس ۲۵ ہزار سالانہ۔ میرواعظ یوسف شاہ ایک ہزار ماہانہ دوسرے درجے کے راہنما ۵۰۰ روپے ماہانہ، تیسرے درجہ کے ۳۰۰ روپے ماہانہ اور عام کارکن ۳۰ روپے ماہانہ لیتے تھے۔(۱) حکومت آزاد کشمیر اب جن اختیارات کو مانگ رہی ہے، وہ اختیارات مسلم کانفرنس ہی نے وزارت امور کشمیر اور پاکستان کو تفویض کیے تھے۔

اس سب کے باوجود آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس ہی سب سے بڑی اور مضبوط جماعت ہے۔ کئی سیاسی جماعتیں وارد ہوئی ہیں مگر مسلم کانفرنس کو ختم نہیں کر سکیں۔ اس کے ماضی و حال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس جماعت سے آزادی کی جدوجہد میں کسی اہم رول کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ مگر یہ اہم رول ادا کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتی ہے۔

لبریشن لیگ:۔

کشمیری سیاسی جماعتوں میں مسلم کانفرنس کے بعد یہ دوسری بڑی سیاسی پارٹی ہے۔ اس کی تشکیل کا سہرا کے۔ایچ خورشید مرحوم کے سر ہے۔

---

(۱) جسٹس یوسف صراف۔ جلد ۲ ص ۱۳۰۲

کے ۔ ایچ خورشید قائداعظم محمد علی جناح کے معتمد ساتھی رہے ۔ اس بنا پر پاکستان کے نظریاتی و سیاسی حلقوں میں انہیں احترام کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا ۔ کے ایچ خورشید ایک دانشور سیاستدان سمجھے جاتے تھے ۔ بدقسمتی سے سیاسی میدان میں انہیں وہ ساتھی میسر نہ آسکے ، جو نظریات کو بنیاد بنا کر سیاسی میدان میں نکر لیتے ۔

لبریشن لیگ کی تشکیل ۱۹۶۱ء میں ہوئی ۔ اس کی بنیاد اس نظریے پر رکھی گئی کہ " آزاد کشمیر ۔ حکومت کو مہاراجہ کی باغی حکومت کے طور پر تسلیم کیا جائے تاکہ کشمیری خود اپنی جدوجہد آزادی منظم کر سکیں ۔ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء کی کے ۔ ایل ۔ ایم تحریک تک حالات ایک ٹھوس شکل اختیار کر چکے تھے ۔ کے ۔ ایچ خورشید کے ایل ۔ ایم میں ایک نمایاں کردار ادا کر چکے تھے ۔ تحریک آزادی کی جدوجہد پر جو جمود طاری ہو چکا تھا ، اسے دور کرنے کے لئے یہ ایک بہترین منصوبہ تھا ۔ پاکستان کے حکومتی حلقوں میں اسے پذیرائی بھی ملی مگر ہمارے بعض مسلم کانفرنسی زعماء اور پاکستان کے مسلم لیگی میڈیا نے اس تجویز کے خلاف طوفان برپا کر دیا ، جس سے یہ تجویز عملی شکل اختیار نہ کر سکی ۔ البتہ یہ لبریشن لیگ کا منشور قرار پایا اور سیاسی سطح پر نوجوانوں کو ایک نئی سوچ سے آگاہ کیا گیا ۔ بلاشبہ یہ بہت بڑا کام ہے ۔

اس کام کی بدولت آزادی کی جدوجہد سے کے ۔ ایچ خورشید مرحوم و مغفور اور لبریشن لیگ کا نام مٹانا آسان نہیں ۔ اس تنظیم نے ایک مایوس ماحول میں سوچ کو ایک نیا انداز دیا ۔ آزادی کشمیر کو آخری وقت تک اولیت دیئے رکھنا ، آزاد کشمیر کو مہاراجہ کی باغی حکومت تسلیم کرانے کی انقلابی سوچ ، آزاد کشمیر کے عوام کے بنیادی و پیدائشی حقوق کی بحالی ، تمام تر مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود آزاد خطہ میں جمہوری نظام قائم کرنے ، حکومت کے وقار اور مقام کو بلند کرنے ، وزارت امور کشمیر کی بالادستی کو ختم کرنے اور کشمیر کے شمالی علاقہ جات اور سرحدی صوبے گلگت و بلتستان سے ایجنسی راج ختم کرنے اور اسے آزاد کشمیر میں نمائندگی دے کر بنیادی انسانی حقوق پورے کرنے کے لئے عوامی سطح پر آواز اٹھانے کے لئے کے ۔ ایچ خورشید مرحوم کا نام احترام سے لیا جاتا رہے گا ۔

تحریک عمل:۔

یہ جماعت حکومت پاکستان اور وزارت امور کشمیر کا ایک اور شاہکار ہے ۔ جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے نتیجے میں حاضر سروس بریگیڈیئر کی حیثیت سے آزاد کشمیر کا چیف ایگزیکٹو محمد حیات خان کو بنایا گیا، جو حسب روایت ایک عدد سیاسی جماعت " تحریک عمل " لے کر میدان سیاست میں کود آئے ۔ نہ آئین، نہ منشور، نہ " تحریک " نہ " عمل "۔ اقتدار کی تمنا اور آرزو ہی تحریک بھی ہے اور عمل بھی۔ مسلم کانفرنس سے کئی قدم آگے جا کر جی حضوری کی مثالیں قائم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ کہتے ہیں:۔

" ہماری حکومت کا مؤقف حضرت قائد اعظم کے فرمان پر بنیاد رکھتا ہے ، جس میں قائد نے فرمایا تھا کہ عسکری اور سیاسی اعتبار سے کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے ۔ اس حوالے سے ہماری جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ جموں کشمیر پاکستان کا حصہ ہے ۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آزاد کشمیر جو ہے ، وہ پاکستان ہے ۔ مقبوضہ جموں کشمیر بھی ہے ، لیکن اس پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ ہے ۔"

ایک جھوٹ پر جس سیاسی تنظیم کی بنیاد رکھی جائے ، وہ کب تک عوام کو بے وقوف بنائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے ہی الیکشن میں بحیثیت سیاسی جماعت کے ختم ہو کر رہ گئی ۔ برادری کا سہارا لینے کی کوششیں بھی کوئی زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوئیں ۔ اب اخباری اطلاع کے مطابق عشق اقتدار سے جدائی کے لمحے کم کرنے کے لئے ایک اور پاکستانی سیاسی جماعت " مسلم لیگ " کو یہاں لا کر اس میں بمعہ اپنی تحریک عمل کے غرق ہو چکے ہیں۔

آزاد مسلم کانفرنس:۔

سردار ابراہیم کی قیادت میں مسلم کانفرنس سے الگ ہونے والا دھڑا ہے ۔ بعد میں سردار ابراہیم الگ ہو گئے اور قیادت چوہدری نور حسین کو ملی، جنہوں نے اسے وراثتاً اب اسے اپنے بیٹے بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کو سونپ دی ہے ۔ یہ جماعت تاحال آزاد کشمیر کی روایتی سیاست سے ایک قدم بھی

آگے نہیں بڑھ سکی۔ برادری ازم کی چھاپ کی وجہ سے یہ جماعت دوسری برادریوں اور علاقوں میں بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کی نوجوان قیادت کے باوجود کوئی اثر قائم نہیں کر سکی۔ بیرسٹر سلطان محمود چوہدری کی قیادت کے باوجود اس جماعت کا کوئی باقاعدہ آئین اور منشور نہیں ہے۔ ذاتی طور پر بیرسٹر سلطان محمود بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کے حوالے سے احتجاج و تنقید کی کوششیں کرتے رہتے ہیں لیکن کوئی خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں کر سکے اور نہ ہی اس طریقے سے زیادہ امید رکھی جا سکتی ہے۔ اب یہ تنظیم کے۔ایچ خورشید (مرحوم) کے بعد لبریشن لیگ میں مدغم ہو گئی ہے۔

محاذ رائے شماری:۔

سیالکوٹ میں ۴ تا ۶ اپریل ۱۹۶۵ء کو منعقدہ کنونشن میں محاذ رائے شماری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ لبریشن لیگ کے قیام اور نظریات کے بعد یہ اگلا قدم تھا۔ یہ لوگ مسلم کانفرنس کے نظریے سے اختلاف رکھتے تھے، جبکہ شیخ عبداللہ سے کسی حد تک نظریاتی طور پر قریب تھے۔ اس کنونشن میں لاہور، راولپنڈی، کراچی، سرحد اور بلوچستان کے علاوہ آزاد کشمیر سے بھی کئی لوگ شریک ہوئے۔ کشمیر ریپبلیکن پارٹی کے خواجہ غلام نبی گلکار۔ عوامی کانفرنس کے عبدالخالق انصاری ایڈووکیٹ میرپور۔ پیپلز کانفرنس کے ملک عبدالمجید۔ (موجودہ چیف جسٹس ہائی کورٹ آزاد جموں کشمیر) شریک ہوئے۔ اتفاق رائے سے "محاذ رائے شماری (برائے آزاد کشمیر و پاکستان" نام تجویز کیا گیا۔ عبدالخالق انصاری کو محاذ کا پہلا صدر، امان اللہ خان کو جنرل سیکرٹری اور محمد مقبول بٹ کو پبلسٹی سیکرٹری منتخب کیا گیا۔ محاذ کے پلیٹ فارم سے پہلی بار بہتر انداز میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر خود مختار کشمیر کے نظریے کو سیاسی نصب العین قرار دیا گیا۔

نیشنل لبریشن فرنٹ:۔

محاذ رائے شماری سے الگ ہونے والا تیسرا گروہ ہے، جس کی قیادت جی۔ ایم میر کر رہے ہیں۔ محاذ کے نوجوان پڑھے لکھے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس میں شامل ہو چکی ہے۔ اسے قائم ہونے تقریباً ایک سال

کا عرصہ ہوا ہے۔ ابھی یہ ابتدائی مراحل میں ہے۔ خود مختار کشمیر اور سیکولر نظریے کے علمبردار ہیں۔ حالیہ تحریک آزادی سے الگ تھلگ ہیں۔ سیاسی فلسفوں میں الجھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شاید اسی لئے بے عملی کا شکار ہیں۔

پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی شاخیں:۔

پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر:۔

پاکستانی سیاسی جماعتوں میں سے پیپلز پارٹی واحد سیاسی جماعت ہے، جس نے آزاد کشمیر میں باقاعدہ اپنی شاخ قائم کی۔ گو جماعت اسلامی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے وہ آزاد کشمیر میں وارد ہوئی۔ کئی سیاسی مسافر اس جماعت میں شامل ہو چکے ہیں، خصوصاً جو مسلم کانفرنس سے سخت نالاں تھے۔ کے۔ ایچ خورشید کی رحلت کے بعد یہ دوسری بڑی سیاسی جماعت بن چکی ہے۔ پہلے اس کے صدر سردار ابراہیم تھے، اب قیادت نسبتاً نئے آدمی ممتاز حسین راٹھور کو منتقل ہو چکی ہے۔ پیپلز پارٹی سے آزادی کشمیر کے بارے میں کوئی توقع عبث ہے، اس لئے کہ پاکستان میں پیپلز پارٹی زبانی دعوؤں سے زیادہ بھارت کے ساتھ مخاصمت پسند نہیں کرتی۔ اس کے باوجود جذباتی لوگوں کا ایک کثیر طبقہ اس جماعت کے ساتھ ہے۔

جماعت اسلامی (آزاد کشمیر):۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) کی فکر و نظریات پر قائم یہ تنظیم آزاد کشمیر میں ۱۹۷۲ء میں قائم کی گئی۔ مولانا مودودی کی فکر نے عالم اسلام میں ایک اثر قائم کیا ہے۔ البتہ پاکستان و آزاد کشمیر میں عوامی سطح پر زیادہ اثر قائم نہیں کر سکی۔ اس کی ایک وجہ تو اس کا انداز ہے، جو تحریکی ہے۔ دوسرا متضادالخیالی اور وعدہ شکنی، جسے دوسرے لفظوں میں، دوسروں کو نظرانداز کر کے خود فوری نمایاں ہونے کی عادت، تیسرا ایک مکتب فکر (دیوبند) کا پیروکار ہونا۔ آزاد کشمیر کے علاوہ جماعت اسلامی نے مقبوضہ کشمیر میں بھی اپنا حلقہ اثر قائم کر رکھا ہے۔ موجودہ جدوجہد آزادی کے دوسرے مرحلے پر جماعت

اسلامی نمایاں ہے البتہ " کشمیر بنے گا دار السلام ۔ سے ایک دم " الحاق پاکستان ۔ کے نعرے نے ان کی تحریکی ساکھ کو زبردست نقصان پہنچایا ہے اور ان کی متضاد الخیالی کو نمایاں کیا ہے ۔ پاکستان کی جماعت اسلامی کے زیر اثر ہونے کی بنا پر کشمیر کے بارے میں ان کی پالیسی تابع مبہم رہی ہے ۔ اس لئے کہ جماعت اسلامی کے نزدیک مقدم مفادات پاکستان کے ہوں گے تو لامحالہ آزادی کشمیر کا دوسرا درجہ ہو گا ۔ نقطہ نظر اور حکمت عملی کا یہ فیصلہ کن فرق ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے لوگ ایک منظم تحریک ہونے کے باوجود اس جماعت پر اعتماد نہیں کرتے ۔

جموں و کشمیر جمعیت علمائے آزاد جموں کشمیر :۔

دینی جماعتیں اپنے اپنے مسلک پر قائم ہوتی ہیں ، اس لئے حلقہ اثر محدود ہے ۔ یہ جماعت بریلوی مکتبہ فکر کے چند علماء پر مشتمل ہے ۔ صاحبزادہ عتیق الرحمان فیض پوری اس کے سربراہ چلے آرہے ہیں ۔ تحریک آزادی میں سیاسی یا دینی حوالے سے کوئی نمایاں کام نہیں کر سکے ۔ مولانا شاہ احمد نورانی سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں لیکن شاہ احمد نورانی آزاد کشمیر میں پاکستانی جماعتوں کے قیام کی مخالفت کر چکے ہیں ۔

جموں و کشمیر جمعیت علمائے اسلام :۔

یہ دیوبند مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں ۔ مولانا محمد یوسف خان آف پلندری ، اس کے سربراہ ہیں ۔ ایک اچھے عالم ہیں ۔ لیکن تحریک آزادی اور سیاسی میدان میں کوئی خاطر خواہ اثر پیدا نہیں کر سکے ۔

اس کے علاوہ جمعیت اہل حدیث ۔ جمعیت المشائخ اور تحریک نظام مصطفے وغیرہ چھوٹے چھوٹے دینی حلقے ہیں ، جو کسی دوسری سیاسی جماعت کی حمایت کرتے ہیں ۔ بحیثیت مجموعی آزاد کشمیر و پاکستان میں علماء کرام فرقہ بندی کو بنیاد بنانے کی وجہ سے عوام میں کوئی نمایاں اثر پیدا کرنے میں ناکام رہے ہیں ۔

آزادی پسند گروہ:

جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ:۔

برطانیہ میں اس کا قیام ۱۹۷۹ء میں عمل میں لایا گیا۔ محاذ رائے شماری سے الگ ہونے والا یہ دوسرا بڑا گروہ ہے۔ امان اللہ خان اس کے سربراہ ہیں۔ محاذ رائے شماری ہی کے نظریات " سیکولرازم " پر آگے بڑھے ہیں۔ ۱۹۸۷ء سے آزادی کی تحریک میں نمایاں ہوئے ہیں۔ اس راہ میں یہ تنظیم اتنی غلطیاں کر چکی ہے کہ اپنے پرانے بھی اس پر اب اعتماد کرتے نظر نہیں آتے۔ آئے دنوں مختلف گروہوں میں تقسیم ہونے کی عادت اب بھی ان کی پختہ ہوتی نظر آتی ہے۔

کشمیر فریڈم مومنٹ:۔

سیاسی آلائشوں سے بچتے ہوئے اسے تحریکی انداز سے منظم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس کی بنیاد یکم اگست ۱۹۷۸ء کو میرپور میں کشمیر سٹوڈنٹس فریڈم مومنٹ کے نام سے رکھی گئی اور ۱۹۸۶ء میں اسے اگلے مرحلے کے طور پر سامنے لایا گیا۔ کشمیر میں آزاد اسلامی ریاست یا دوسرے لفظوں میں دور جدید کی مکمل فلاحی ریاست کا قیام اس تنظیم کی بنیاد ہے۔ آزادی کشمیر کی جدوجہد میں یہ نظریہ پہلی بار باقاعدہ سامنے لایا گیا۔ اس تنظیم کا کام سنجیدہ ہے۔ حلقہ اثر ابھی محدود ہے۔

گلگت بلتستان

(تاریخی اور آئینی پوزیشن)

گلگت بلتستان کی تاریخ بیان کرنے کے لئے الگ عنوان قائم کرنا اس لئے ضروری ہو گیا ہے کہ بعض حلقے اسے مسئلہ کشمیر کی عام نوعیت سے الگ کر کے دیکھنے لگے ہیں۔ ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء کو پاکستان کے فوجی صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اس مسئلہ پر ایک پالیسی انٹرویو ایک بھارتی صحافی کلدیپ نیر کو دیا۔ اس کی تفصیلات ملک کے تمام اخبارات میں شائع کی گئیں۔ عملی لحاظ سے تو بہت پہلے اس علاقے کے بارے میں چند فیصلے کر لئے گئے تھے، مگر علانیہ یہ مؤقف پہلی دفعہ اختیار کیا گیا ہے کہ:۔

- گلگت، بلتستان، ہنزہ وغیرہ ریاست جموں و کشمیر کا حصہ نہیں ہیں۔ یہ علاقے متنازعہ نہیں، بلکہ یہ پاکستان کا حصہ ہیں۔۔

اس کے بعد ۹ مئی ۱۹۸۲ء کو کوئٹہ میں اخباری نمائندوں کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہ:

- کشمیر ایک متنازعہ معاملہ رہا ہے اور ہے، لیکن جہاں تک شمالی علاقہ کا تعلق ہے، ہم اسے متنازعہ تسلیم نہیں کرتے۔۔

جب کہ اس سے قبل صدر پاکستان اس علاقے کو پاکستان میں ضم کرنے، نقشہ کشمیر سے حذف کرنے اور مقامی لوگوں کو پاکستان کا حصہ باور کرانے کی خاطر کئی عملی اقدامات کر چکے ہیں۔ ان میں دو پہلو نمایاں ہیں:۔

۱۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء سے پہلے پاکستان میں تین مارشل لاء لگے۔ مگر آزاد کشمیر بشمول گلگت بلتستان میں مارشل لاء نہیں لگایا جا سکا، کیونکہ آئین پاکستان کے تحت بھی یہ علاقے پاکستان کا آئینی حصہ نہیں تھے۔ مگر ۱۹۷۷ء کا مارشل لاء گلگت بلتستان میں بھی لگا دیا گیا۔

۳۔ اس علاقے کے لوگوں کو آزاد کشمیر اسمبلی میں نمائندگی دینے کے بجائے پہلی بار وفاقی مجلس شوریٰ میں مبصر کی حیثیت سے نمائندگی دی گئی، جو سراسر غیر آئینی اور غیر اخلاقی اقدام تھا۔

اس لئے گلگت بلتستان پر بات کرنے کے لئے ان تبدیلیوں کو بھی مدنظر رکھنا ہو گا اور ان تبدیلیوں کے تناظر میں اس مسئلہ پر بات ہو گی۔ ویسے اگر پچھلے چند برسوں کا ہم بغور جائزہ لیں تو حکومت پاکستان کی طرف سے یہ اعلان کوئی غیر متوقع بھی نہیں تھا، جب قومیں اپنی قومی تشخص کو زندہ رکھنے کا ارادہ ترک کر دیتی ہیں، غلامی اور آزادی کے فرق کو نظر انداز کر دیتی ہیں تو اسی طرح ان کی مملکت کے حصے بخرے کر دیئے جاتے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے اس غیر حقیقت پسندانہ پالیسی کی بنیاد تو یکم نومبر ۱۹۴۷ء میں رکھ دی گئی تھی، جب پاکستان کی طرف سے ان علاقوں کے غیور عوام کو بہادری اور پاکستان کی حمایت کا صلہ یہ ملا کہ انگریزوں کی طرز پر وہاں اپنا ایک پولیٹکل ایجنٹ بھیج دیا۔ حالانکہ ان علاقوں کو کشمیر کی باغی حکومت کی تحویل میں دے دینا چاہیئے تھا، جو ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائم ہو چکی تھی۔ مگر ایسا نہ کیا گیا اور پھر بدلتے ہوئے حالات نے جس طرح مسئلہ کشمیر کو سردخانے میں ڈال دیا، اسی طرح پاکستان کے ارادے بھی ٹھنڈے پڑنے شروع ہو گئے۔ ۱۹۷۱ء کی عبرتناک شکست کے بعد پاکستان کے نظریات میں نمایاں تبدیلی واقع ہو گئی۔ پاکستان کے حکمرانوں نے اپنی نالائقی اور کوتاہ اندیشی سے جو ہزیمت اٹھائی، اس کا تجزیہ یہ کیا گیا کہ یہ مسئلہ کشمیر سے جذباتی وابستگی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اسی کیفیت میں "شملہ معاہدہ" طے پایا جس میں "کشمیر" کی مستقل حیثیت کا تعین کرنے کی کوشش کی گئی، جس کے رازوں سے اب پردہ اٹھ چکا ہے۔

جغرافیائی حیثیت!

یہ علاقہ اپنی مخصوص جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے ہمیشہ سے ایشیا کا ایک انتہائی اہم علاقہ تصور کیا جاتا رہا ہے۔ افغانستان میں روسی مداخلت کے بعد چین اور پاکستان کے لئے اس علاقے کی اہمیت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ اس علاقے کے مشرق میں تبت، شمال مشرق میں چینی ترکستان

شمال میں روس مغرب میں افغانستان اور پاکستان کا شمال مغربی سرحدی صوبہ ہے۔ اس کے جنوب میں صوبہ کشمیر واقع ہے۔ مگر صوبہ کشمیر اور لداخ کا علاقہ بھارت کے قبضے میں ہے، اس لئے بھارت کی افواج بھی اس اہم مقام پر ڈیرہ جمائے ہوئے ہیں۔

قدیم تعلق:۔ قدیم دور کی مملکتوں کو آج کی مملکتوں سے مماثل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ آج کی مملکتیں یا ریاستیں کچھ اور معنوں میں لی جاتی ہیں اور ان کی نوعیت ماضی کی مملکتوں یا ریاستوں سے قطعی مختلف ہے۔ اس دور میں حکمرانی کے ڈھنگ بھی مختلف تھے۔ عموماً جاگیرداری اور سرداری قسم کا نظام ہوتا تھا اور کئی علاقوں کا کوئی سربراہ مرکزی حکومت کو صرف معمولی خراج ادا کر کے اپنے معاملات میں آزاد و خود مختار ہوتا تھا۔ مگر وہ علاقہ قانوناً مرکزی ریاست کا ہی ایک حصہ متصور ہوتا تھا۔ بعینہ گلگت بلتستان کا مملکت کشمیر سے قدیم تعلق کچھ انہی اصولوں پر تھا۔ کشمیر کی تاریخ بحیثیت ایک مملکت کے چار ہزار قبل مسیح سے محفوظ ہے۔ اس دوران کشمیر کئی بار انقلاب سے گزرا۔ اس کی سرحدیں روس اور کابل تک پھیلتی اور وادی کشمیر تک سکڑتی بھی رہیں، مگر یہ علاقے زیادہ تر کشمیر کا حصہ رہے۔

(۱) چار ہزار قبل مسیح سے لے کر ۱۳۲۴ء تک ہندو حکمرانوں نے کشمیر پر حکومت کی ہے اور اس عرصے میں یہاں اسلام نہیں پھیلا تھا۔ اس تمام عرصے میں کم و بیش یہ علاقے مملکت کشمیر کا ایک حصہ رہے ہیں۔ (۱)

(۲) زمانہ قبل مسیح میں راجہ وزیانند نے ختن اور کاشغر کو فتح کیا تھا۔ گلگت و بلتستان ان دنوں والی کاشغر کے ماتحت تھے۔ (۲)

(۳) راجہ سندیمان نے گلگت کے راستے کابل اور قندھار فتح کئے تھے۔ (۳)

(۴) ۷۱۵ء میں راجہ للتادت جو کشمیر کا ایک معروف فاتح حکمران گزرا ہے، اپنی سرحدوں کو کابل۔ بخارا۔ سمرقند۔ تاشقند۔ کاشغر۔ ختن اور خراساں تک لے گیا۔ (۴)

---

(۱)۔(۲)۔(۳)۔(۴) محمد دین فوق " تاریخ کشمیر۔ جلد اول ص ۵۲، ص ۵۶ ص ۱۹۵

(۵) ۱۳۲۴ء کے بعد یہاں اسلام پھیلا اور مسلمان حکومت کرنے لگے۔ سلطان شہاب الدین راجہ للتادت کے بعد دوسرا کشمیری حکمران تھا، جو دنیا فتح کرنے کے ارادے سے نکلا۔ اس کا زمانہ اقتدار ۱۳۶۰ء سے ۱۳۸۷ء تک ہے یہ حکمران دوبارہ ان تمام علاقوں کو مملکت کشمیر میں شامل کرنے میں کامیاب ہوگیا، جو راجہ للتادت نے شامل کئے تھے۔ گلگت، بلتستان اور تبت کو یہ حکمران کوہ ہندوکش کے راستے واپسی پر مملکت کشمیر میں شامل کرتا آیا۔(۱)

(۶) مسلمان حکمرانوں کے شاہ میری خاندان اور پھر چک خاندان، جنہوں نے ڈھائی سو سال سے زائد عرصہ کشمیر پر آزاد، خود مختار حکمرانوں کی حیثیت سے حکومت کی ہے۔ ان کے سارے دور اقتدار میں یہ علاقے مسلسل مملکت کشمیر میں شامل رہے۔(۲)

(۷) ۱۵۸۶ء سے مغلیہ دور حکومت میں اور ۱۷۵۷ء سے افغانوں کے دور حکومت میں گلگت بلتستان اور لداخ کے علاقے گورنر کشمیر ہی کے ماتحت تھے۔(۳)

(۸) ۱۸۱۹ء سے ۱۸۴۲ء کے دوران مملکت کشمیر کے کمزور ہو جانے کے باعث اندرونی طور پر معرکہ آرائی اور انقلابات کا شکار رہی۔ مگر ۱۸۴۲ء میں ان علاقوں کو سکھوں نے پھر کشمیر کی مملکت میں شامل کر لیا۔(۴)

(۹) ۱۸۴۶ء میں کشمیر کو مہاراجہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا۔ اس وقت جو معاہدہ طے ہوا تھا، اس میں یہ علاقے کشمیر میں شامل تھے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

---

(۱) (۲)(۳) ممتاز احمد ہاشمی ۔ گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں ؟ ص (۷)۔
(۴) یوسف صراف

ڈوگرہ عہد میں گلگت بلتستان کی پوزیشن

۱۸۴۶ء میں انگریزوں نے
ریاست جموں و کشمیر کو سکھوں سے چھین کر جموں کے ڈوگرہ گلاب سنگھ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خرید و فروخت کا یہ عہدنامہ امرت سر میں ہوا۔ اس سلسلے میں جو معاہدہ طے ہوا۔ اس میں یہ علاقے ریاست جموں و کشمیر کے ساتھ گلاب سنگھ کے اقتدار میں دے دیئے گئے۔ اس معاہدے میں کل ۱۰ دفعات ہیں دفعہ نمبر ۱ میں سرحدوں کا سرسری تعین کیا گیا اور دفعہ نمبر ۲ میں مستقل سرحدوں کے تعین کے لئے ایک کمیشن مقرر کیے جانے کا فیصلہ ہوا۔

دفعہ ۱ برطانوی حکومت وہ تمام علاقے، جو ۹ مارچ ۱۸۴۶ء کے صلح نامے لاہور کی دفعہ ۴ کی رو سے برطانوی حکومت کے حوالے کئے گئے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ اور اس کی اولاد نرینہ کے آزاد و خود مختار قبضے میں دینے کا اعلان کرتی ہے۔

دفعہ ۲ خطہ زمین کی مشرقی سرحد، جو کہ مندرجہ بالا دفعہ کے تحت مہاراجہ گلاب سنگھ کے نام منتقل کی گئی ہے، اس مقصد کے لئے برطانوی حکومت اور مہاراجہ گلاب سنگھ کی طرف سے مقرر کئے جانے والے کمشنر طے کریں گے اور سروے کے بعد ایک الگ انتظام کے تحت اس کا تعین کیا جائے گا۔

---

(۱) ممتاز احمد " مسئلہ کشمیر۔ ص ۳۵۶

گلگت چونکہ دریائے سندھ کے جنوب کی طرف واقع ہے ۔ اس لئے وہ دفعہ ۱۴ کے تحت نہیں آیا تھا ۔ مگر دوسری دفعہ ، جس کے تحت سرحدوں کا تعین کیا گیا ریاست کے وہ تمام علاقے ، جو سکھوں کے قبضے میں تھے ، مہاراجہ کے حوالے کر دیئے گئے ۔ ان میں گلگت بلتستان بھی شامل تھے (۱) اس سرحدی کمیشن میں برطانیہ کی طرف سے Vansagne اور Ityoumg شامل تھے ۔ یہ دونوں بنگال کے انجنیئر تھے ۔ اس کمیشن نے گلگت و لداخ کو مہاراجہ کی حکومت کا تسلیم شدہ حصہ قرار دیا (۲) اور لارڈ ہارڈنگ نے اس کی توثیق کر دی (۳) اس کے علاوہ ڈوگرہ عہد میں ، جن علاقوں پر حکومت کی گئی ، ان میں گلگت ، بلتستان و لداخ شامل ہیں ۔ اس کا اندازہ ان حکم ناموں سے لگایا جا سکتا ہے ، جو ڈوگرہ عہد میں مختلف اوقات میں جاری کئے گئے ۔ ان میں سے چند حکم نامے درج ذیل ہیں ، جو ممتاز ہاشمی کی کتاب " گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں " سے لئے گئے ہیں ۔

(۱) جموں و کشمیر سٹیٹ گزٹ ۱۹ مئی ۱۸۹۰ء (دوسرا حصہ ملٹری ڈیپارٹمنٹ) ص ۶۰

جنرل سٹاف جموں	جنرل سٹاف سرینگر	جنرل سٹاف گلگت
مہان سنگھ کمیدان کمانڈنگ	شنگر سنگھ میاں پٹھانیہ جنرل کمانڈنگ	پنجاب سنگھ میاں جموں جنرل کمانڈگ
برگیڈ میجر	بھاگ سنگھ میاں دلپتیہ (بریگیڈ میجر)	صفا چند دت برہم (بریگیڈ میجر)
کالو مل اجیٹن (مصاحب)	چھجا پہلوال لیس کمیدان (مصاحب)	ریجھا میاں چناسیہ (مصاحب)
پنجاب سنگھ صوبہ دار انسٹریکٹر	کوڈو برہمن صوبہ دار (ڈرل انسٹریکٹر)	جگد ہبر برہمن صوبہ دار (ڈرل انسٹریکٹر)

---

(۱) جسٹس محمد یوسف صراف Kashmir is Fight for freedom ۔ جلد اول ص ۲۳۰

(۲) The Kashmir Territories F. Drew ص ۴۴۰

(۳) Lord bird wood " Two nation and Kashmir ۔ ص ۱۲۹

- جموں اینڈ کشمیر کوڈ آف سنسز پروبجر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۵ ضمیمہ نمبر ۶

فہرست ڈسٹرکٹ سنسز (مردم شماری) آفیسر

نمبر شمار	وزارت		ڈسٹرکٹ
۱۵	وزیر وزارت لداخ	برائے	لداخ ڈسٹرکٹ
۱۶	وزیر وزارت گلگت	برائے	گلگت ڈسٹرکٹ
۱۷	پولیٹکل ایجنٹ گلگت	برائے	پولٹیکل علاقہ جات

یہ ثابت کرنے کیلئے کہ علاقہ ہائے گلگت بلتستان و لداخ جموں کشمیر حکومت کی آئینی اور قانونی عملداری میں چلے آتے تھے ، جموں کشمیر ہائیکورٹ کے ایک حکم کا متن درج ذیل ہے :-

جموں و کشمیر گورنمنٹ گزٹ ، ماگھ ۱۹۸۹ء بکری پارٹ ۱-۱-اے

ہزہائینس گور نمنٹ جموں و کشمیر .... آرڈر

ہائیکورٹ آف جوڈیکچر نوٹیفیکیشنز ۱۱ جنوری ۱۹۳۳ء

نمبر ۲۲ آنریبل چیف جسٹس اور جج صاحبان جموں اینڈ کشمیر ہائی کورٹ آف جوڈیکچر نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ صرف مندرجہ ذیل تحصیلداروں کو اب مجسٹریٹ درجہ اول کے اختیارات حاصل ہوں گے ۔

(۱) تحصیل میرپور (۲) کوٹلی (۳) بھمبر (۴) راجوری (۵) نائب تحصیلدار نوشہرہ (۶) کشتواڑ (۷) کرگل (۸) لداخ (۹) گلگت ۔ دوسرے تمام تحصیلداروں کو بلحاظ عہدہ بحیثیت مجسٹریٹ درجہ دوم اختیارات حاصل ہوں گے ۔

دستخط رام ناتھ شرما رجسٹرار ہائیکورٹ آف جوڈیکچر ۔ (۱)

مہاراجہ نے جب یہ علاقے انگریزوں کو پٹے پر دیئے ۔

روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد برطانیہ کو ان علاقوں کی اہمیت کا احساس ہوا ۔ اسے یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں کمیونزم اس راستے برصغیر میں داخل نہ ہو جائے

---

(۱) ممتاز ہاشمی ۔ گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں ؟ ۔ ۳ ، ۸ ۔ ۹ ، ۱۰

- فوجی ماہرین کی رائے کے مطابق یہاں ایک مضبوط فوج رکھنے کا فیصلہ کیا گا۔ چنانچہ اس صورت حال سے مہاراجہ کشمیر کو آگاہ کیا گیا۔ روس کی سرحد کے ساتھ ایک پٹی ۶۰ سالہ پٹے پر حاصل کرنے کے لئے مہاراجہ کشمیر کو راضی کیا گیا۔ چنانچہ ۲۹ مارچ ۱۹۳۵ء کو گلگت ایجنسی کا مختصر سا علاقہ انگریزوں کو ۶۰ سالہ پٹے پر دے دیا گیا۔ اس معاہدے پر برطانیہ کی طرف سے کرنل L.E.Lang نے اور کشمیر کی طرف سے مہاراجہ نے دستخط کئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انگریزوں کو کتنا علاقہ پٹے پر دیا گیا اور جو پٹے پر دیا گیا، کیا اس علاقے پر سے مہاراجہ کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو گیا تھا؟۔

قارئین کی معلومات کی خاطر متذکرہ معاہدے کا اصل متن آئندہ سطور میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ حقیقت حال پورے طور پر واضح ہو سکے اور ہمارا مؤقف سمجھنے میں آسانی ہو:۔

علاقہ، جو پٹے پر دیا گیا:۔

یہ ایک بڑی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ گلگت بلتستان شاید سارا انگریزوں کو دیا گیا تھا۔ سرحدی صوبہ، جس میں گلگت بلتستان و لداخ شامل ہیں، ۶۳۵۵۴ مربع میل پر مشتمل ہے، جس میں سے گلگت ایجنسی ان علاقوں پر مشتمل ہے:۔

۱۔ گلگت وزارت جس میں تحصیل گلگت و بونجی کا علاقہ شامل ہے۔

۲۔ ہنزہ اور نگر کی ریاستیں۔

۳۔ چیلاس کا ضلع (۴) پونیال (۵) یاسین (۶) کوہ و غذر (۷) اشکومن (۱)

گلگت کا ۱۴۸۰ مربع میل علاقہ انگریزوں کو پٹے پر دیا گیا۔ (اس کے لئے ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی لسٹ دیکھی جا سکتی ہے) جبکہ اس میں نہ لداخ شامل تھا، جس کا رقبہ ۴۵۷۶۲ مربع میل ہے اور جس میں بلتستان اور کرگل شامل ہیں۔ اس سودے میں ساری گلگت ایجنسی بھی شامل نہیں، جس کا رقبہ ۱۴۶۸۰ مربع میل ہے

---

(۱) Essential dacuments on Kashmir. dispute ص ۲۶

اور نہ استور جس کا رقبہ ۶۳۲، ۱۰ مربع میل ہے۔(۱)
ممتاز ہاشمی لکھتے ہیں:۔

"برطانوی حکومت نے گلگت کے شمال اور شمال مغرب میں چیلاس گوپس یسین - اشکومن - اور داریل و تانگیر کے بالکل آخر میں سرحد کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی پٹی کا صرف ۱۴۸۵ مربع میل علاقہ ۶۰ سالہ پٹے پر ۱۹۳۵ء میں مہاراجہ سے لے لیا۔(۲)

اقتدار اعلیٰ ختم نہیں ہوا:

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ علاقے کشمیر سے خارج ہو گئے تھے، غلط ہے۔ پٹے پر کسی علاقے کو دے دینے سے اس پر حق ملکیت ختم نہیں ہو سکتا اور تاریخ کی روشنی میں یہ عیاں ہے کہ یہ علاقے مہارا کشمیر ہی کے اقتدار اعلیٰ میں رہے۔ برطانوی حکومت اور مہاراجہ کے درمیان ہونے والے معاہدے میں صاف طور پر درج ہے کہ:۔

(۱) یہ علاقے مہاراجہ کی حکومت میں ہی تصور کئے جائیں گے۔
(۲) ایجنسی ہیڈکوارٹر پر ریاست کا پرچم برقرار رہے گا۔
(۳) تہواروں کے موقع پر حسب سابق سلامی دی جایا کرے گی
(۴) کان کنی کے حقوق بھی مہاراجہ کی حکومت کے پاس رہیں گے۔(۳)

پٹے پر دیئے جانے کے بعد مہاراجہ کشمیر کی جانب سے مختلف وقتوں میں جاری کئے جانے والے حکم ناموں اور اسمبلی میں ان علاقوں کی نمائندگی سے ثابت ہوتا ہے کہ پٹے پر دیئے جانے والے علاقوں پر سے بھی ریاست کا اقتدار اعلیٰ ختم نہیں ہوا تھا۔

۱۹۳۴ء میں کشمیر اسمبلی کے پہلی بار عوامی نمائندگان کو نمائندگی دی گئی، ان میں ان علاقوں کے درج ذیل افراد شامل تھے۔

---

(۱) An Introduction to Kashmir (۲) ممتاز ہاشمی ص ۱۱ (۳) جسٹس صراف ۵۱۳ جلد ۱

نمبر شمار	نام اشخاص	مذہب	علاقہ
۱	من تھونٹ شاہ	بدھ	لداخ
۲	کالن زانگو	بدھ	لداخ
۳	افتخار علی خان آف خپلو	مسلم	اسکردو
۴	سید وجاہت علی شاہ	مسلم	کرگل
۵	وزیر محمد خان	مسلم	استور (گلگت) (۱)

دوسری بار ۱۹۳۷ء میں دوبارہ ریاست کی قانون ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا۔ اس میں بھی ان علاقوں کے لوگوں کو نمائندگی ملی۔

نمبر شمار	نام اشخاص	مذہب	علاقہ
۱	جگمت دادول	بدھ	لداخ
۲	کاہلون لابزنگ چیوانگ	بدھ	لداخ
۳	محمد علی شاہ	مسلم	اسکردو
۴	وجاہت علی شاہ	مسلم	کرگل
۵	راجہ حسین خان (استور)	مسلم	استور (گلگت) (۲)

۱۹۴۱ء میں منتخب ہونے والی اسمبلی میں ان علاقوں کے نمائندے درج ذیل تھے۔

نمبر شمار	نام	مذہب	وزارت \ تحصیل	مقام
۵۱	مسٹر جگمت دادول	بدھ	لداخ وزارت	راجہ آف لیہ
۵۲	نونو چیونگ رنچن	بدھ	لداخ وزارت	لیہ
۵۳	مسٹر فتح علی خان	مسلم	اسکردو تحصیل	اسکردو
۵۴	مسٹر احمد علی خان	مسلم	کرگل تحصیل	اسکردو
۵۵	راجہ غلام رضا خان	مسلم	گلگت تحصیل	استور (۳)

اس کے علاوہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی لسٹ دیکھئے، جس میں کل آبادی ۴۰،۳۴،۹۸۰

---

(۱) ہفت روزہ "کشیر۔ راولپنڈی جون ۱۹۸۲ء (۲) جسٹس صراف محمد یوسف صراف "kashmir .
Fight for freedom ص ۵۱۹ جلد اول اور ہفت روزہ "کشیر۔ جون ۱۹۸۲ء (۳) ممتاز احمد

ہے ، جس میں سے ۳۳۰ ، ۱۱ ، ۳ نفوس پر مشتمل آبادی سرحدی صوبے کی ہے اور پٹے پر دینے جانے والے علاقے کی آبادی ۵۹۵ ، ۲۲ نفوس پر مشتمل تھی اور یہ آبادی بھی ریاست کشمیر ہی میں دکھائی گئی ۔ (۱)

مہاراجہ کشمیر نے بعض معاملات پر اسمبلی میں بحث کی اجازت نہیں دی تھی اور آئین کی سیکشن ۲۲ میں ان معاملات کی وضاحت کر دی گئی تھی ۔ ان معاملات میں صرف مہاراجہ کو اختیارات حاصل تھے ۔ اس سیکشن کی دس دفعات تھیں ۔ دفعہ (سی) میں گلگت ایجنسی کے معاملات کے اختیارات مہاراجہ کو حاصل تھے ۔ (۲)

اس بارے میں شیخ محمد عبداللہ کہتے ہیں ۔

ان تینوں علاقہ جات کے حکمران مہاراجہ کشمیر کے حلقہ بگوش تھے اور اس کو باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے ۔ اس صدی کی چوتھی دہائی میں مہاراجہ نے گلگت انگریزوں کو پٹے پر دیا ، جو اس پر اس لئے تسلط چاہتے تھے تاکہ برصغیر کو سوویت یونین کی کسی امکانی پیش قدمی سے بچائے رکھیں ۔ اس وقت اور ان حالات میں سول ایڈمنسٹریشن گلگت میں بھی اسی طرح مہاراجہ کے ہاتھ میں رہی جس طرح ہنزہ اور سکردو میں تھی ۔ ۔ (۳)

کے ۔ ایچ خورشید لکھتے ہیں ۔

> " ۱۹۳۵ء میں بعض سرحدی معاملات اور دفاعی اخراجات کے پیش نظر گلگت ایجنسی کا علاقہ ساٹھ سال کے لئے حکومت ہند کو مہاراجہ کشمیر کی طرف سے پٹے پر دیا گیا تھا اور اسی دور میں انگریز ریذیڈنٹ کا تقرر عمل میں آیا ۔ ظاہر ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے پٹے پر دینے سے اپنے علاقے کی حاکمیت اعلیٰ سے کوئی حکومت

---

(۱) PATHIAWALA ص ۷۷ (۲) جسٹس محمد یوسف صراف ص ۵۹۸ جلد اول (۳) ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی ۳۱ مئی ۱۹۸۲ء

دستبردار نہیں ہو جاتی "۔ (۱)
ممتاز ہاشمی مزید تفصیلات بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ۱۹۴۷ء تک ان علاقوں پر بھی جموں و کشمیر کا جھنڈا لہراتا رہا تھا۔ اقتدار اعلیٰ اور انتظامیہ جموں و کشمیر حکومت کے ہاتھ میں تھی۔ ریاستی حکومت نے ضلع، سب ڈویژن اور تحصیلوں کی صورت میں اس علاقے میں انتظام کر رکھا تھا۔ ایجنسی کے سرحدی علاقوں میں سیاسی انتظام وزیر وزارت گلگت کے سپرد تھا، جو ملکی انتظام۔ فوج۔ مالیہ وغیرہ کے معاملے میں کلی مختار تھا۔ چیلاس۔ گوپس۔ یاسین اور اشکومن پولٹیکل علاقہ جات تھے۔ ان کے حاکم گورنر کہلاتے تھے جنہیں ریاستی حکومت مقرر کرتی اور انہیں ان کے سپاہیوں سمیت تنخواہ بھی ریاستی حکومت ادا کرتی تھی۔ کوہ و غذر کے علاقے گوپس کی گورنری میں شامل تھے جبکہ داریل و تانگر میں ایک اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ کام کرتا تھا۔ ہنزہ نگر۔ پنیال کے جاگیرداران خاص برطانوی مقاصد کے لئے پولٹیکل ایجنٹ کے ماتحت تھے لیکن انتظامی و سیاسی امور میں جموں کشمیر کی مکمل عملداری تھی "۔ (۲)

ہنزہ۔ نگر اور پنیال کی جاگیریں گلگت ایجنسی میں شامل تھیں۔ مگر انتظامی تقسیم ان کی مختلف تھی۔ ان میں بعض پر مہاراجہ کے گورنر مقرر تھے اور بعض میں مقامی راجے ہی حکومت کرتے تھے مگر سب مہاراجہ کے وفادار تھے۔
ممتاز ہاشمی لکھتے ہیں:

" یہ میر۔ ریاست جموں و کشمیر کو سالانہ نذرانہ دیا کرتے تھے۔ برڈنے میمورنڈا آف انڈین سٹیٹس ۱۹۳۷ء ص ۱۴۷، میر آف ہنزہ ۱۶ تولے اور ۵ ماشے سونا اور میر آف نگر ۱۷ تولے ایک ماشہ سونا اپنی طرف سے جموں و کشمیر حکومت کو بطور اظہار و وفاداری دیا کرتے تھے "۔ (۳)

تقسیم ہند کے وقت ان علاقوں کی واپسی:۔

اس کے باوجود کہ ۱۴۸۰ مربع

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید ص ۲۳ (۲)۔ (۳) ممتاز ہاشمی ص ۱۲

میل کی مختصر پٹی برطانیہ کو دی گئی تھی ، یہ مختصر پٹی بھی تقسیم ہند سے پہلے مہاراجہ کشمیر کو واپس کر دی گئی تھی۔ یکم اگست ، ۱۹۴۷ء کو یہ علاقے مہاراجہ کشمیر کو واپس کر دیئے گئے اور مہاراجہ نے حکم جاری کیا۔ کہ :-

۱۔ اس روز عام تعطیل ہو گی۔ (۲) سرینگر جموں اور گلگت میں سلامی کی توپیں داغی جائیں گی۔ (۳) ان علاقوں میں ۲۰ ہزار روپے خیرات کئے جائیں۔ (۴) ساری ریاست میں چراغاں کیا جائے۔ (۱)

" ۱۸ جون ، ۱۹۴۷ء کو اچانک بھمبر ریسٹ ہاؤس میں وزیر اعظم (کشمیر) پنڈت رام چند کاک وارد ہوئے اور ریاست کی خود مختاری بحال رکھنے کے ساتھ یہ خوشخبری بھی سنائی کہ عنقریب گلگت بلتستان کا سارا علاقہ ریاست کشمیر کو واپس کر دیا جائے گا۔ (۲)

کے۔ ایچ۔ خورشید لکھتے ہیں :-

۱۹۴۷ء میں حکومت برطانیہ نے جب ہندوستان کی دیسی ریاستوں سے اپنے سارے معاہدے منسوخ کئے تو یہ پٹہ بھی منسوخ کر دیا گیا اور گلگت ایجنسی کا کنٹرول کشمیری مہاراجہ کو واپس لوٹا دیا گیا۔ (۳)

جسٹس محمد یوسف صراف لکھتے ہیں :-

" N.W.F.P میں الحاق پاکستان یا بھارت کے سوال پر ریفرنڈم ہونے لگا ، تو یہ علاقے حکومت کشمیر کو واپس کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ چنانچہ یکم اگست ، ۱۹۴۷ء کو گلگت کے ایک اجتماع میں ، جس میں برطانیہ کی طرف سے میجر جنرل ایچ ایل سکاٹ اور مہاراجہ کی طرف سے بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ نے شرکت کی ، یہ علاقے مہاراجہ کے حوالے کئے گئے اور بھمبر کے راجہ نور علی خان کو ایجنسی کا وزیر وزارت مقرر کیا گیا۔ (۴)

اس سلسلے میں حکومت کشمیر کی طرف سے اس گورنمنٹ آرڈر کا حوالہ دینا

---

(۱) جی۔ ایم میر گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت ص ۲۳ (۲) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ مارچ ۱۹۸۳ء ص ۷ (۳) کے۔ ایچ خورشید۔ ص ۲۳ (۴) جسٹس محمد یوسف صراف ص

ضروری معلوم ہوتا ہے، جس میں ان علاقوں کا انتظام سنبھالا گیا۔ اس آرڈر کا انگریزی متن اور اس کا ترجمہ ممتاز ہاشمی نے "گلگت و بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں؟" میں دیا ہے۔ اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ جموں اینڈ کشمیر گورنمنٹ گزٹ

۱۶ ساون ۲۰۰۴ بکرمی نمبر ۱۶

پارٹ ۱۔اے

ہزہائینس گورنمنٹ جموں و کشمیر (حکم)

چیف سیکرٹریٹ۔ پولٹیکل

آرڈر نمبر پی ۴۸۰/۴۷ پی پی

۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء

۱۔ تمام علاقہ گلگت کا، یعنی دریائے سندھ کے شمال میں سابق گلگت وزارت اور تمام سیاسی اضلاع کا انتظام یکم اگست کو لیا جائے۔

۲۔ بونجی سمیت متذکرہ تمام علاقوں کو گلگت سرحدی صوبہ کہا جائے گا۔

۳۔ گورنر کا عہدہ ۷۰۰۔۴۰۔۹۰۰ کے گریڈ میں معہ دو صدر روپیہ ماہانہ بطور سرحدی الاؤنس منظور کیا جاتا ہے۔

۴۔ بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی تنخواہ مبلغ ۱۰۰۰۔۱۰ روپیہ بمعہ سرحدی الاؤنس بھتہ الاؤنس وصول کریں گے۔

۵۔ محکمہ مال اور تمام انتظامی امور کے لئے تین افسران۔ ایک ریونیو اسسٹنٹ اور دو نائب تحصیلداران کی منظوری دی جاتی ہے۔ یہ افسران تحت قواعد سرحدی الاؤنس بھی وصول کریں گے۔ بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ ذاتی طور پر متذکرہ افسران کا انتخاب کریں گے۔

۶۔ دو برطانوی افسران۔ ایک بطور اسسٹنٹ گورنر چیلاس اور دوسرا بطور کمانڈنٹ گلگت سکاؤٹس ہر ایک کی خدمات برائے ایک سال مستعار لی جائیں۔ ان افسران کی تنخواہیں، ان کی کلاس کا علم ہونے پر منظور کی جائیں گی۔

۷۔ بونجی میں متعینہ کمپنی کے علاوہ مزید ایک کمپنی وہاں بھیج دی جائے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے، جس میں ان علاقوں کا انتظام سنبھالا گیا۔ اس آرڈر کا انگریزی متن اور اس کا ترجمہ ممتاز ہاشمی نے "گلگت و بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں؟" میں دیا ہے۔ اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔ جموں اینڈ کشمیر گورنمنٹ گزٹ

۱۶ ساون ۲۰۰۴ بکرمی نمبر ۱۶

پارٹ ۱۔ اے

ہزہائینس گورنمنٹ جموں و کشمیر (حکم)

چیف سیکرٹریٹ۔ پولیٹیکل

آرڈر نمبر پی ۴۸۰/۴۷ پی پی

۱۷ جولائی ۱۹۴۷ء

۱۔ تمام علاقہ گلگت کا، یعنی دریائے سندھ کے شمال میں سابق گلگت وزارت اور تمام سیاسی اضلاع کا انتظام یکم اگست کو لیا جائے۔

۲۔ بونجی سمیت متذکرہ تمام علاقوں کو گلگت سرحدی صوبہ کہا جائے گا۔

۳۔ گورنر کا عہدہ ۷۰۰۔ ۴۰۔ ۹۰۰ کے گریڈ میں معہ دو صدر روپیہ ماہانہ بطور سرحدی الاؤنس منظور کیا جاتا ہے۔

۴۔ بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو گورنر مقرر کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی تنخواہ مبلغ ۱۰۰۰/ روپیہ بمعہ سرحدی الاؤنس بحتہ الاؤنس وصول کریں گے۔

۵۔ محکمہ مال اور تمام انتظامی امور کے لئے تین افسران۔ ایک ریونیو اسسٹنٹ اور دو نائب تحصیلداران کی منظوری دی جاتی ہے۔ یہ افسران تحت قواعد سرحدی الاؤنس بھی وصول کریں گے۔ بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ ذاتی طور پر متذکرہ افسران کا انتخاب کریں گے۔

۶۔ دو برطانوی افسران۔ ایک بطور اسسٹنٹ گورنر چیلاس اور دوسرا بطور کمانڈنٹ گلگت سکاؤٹس ہر ایک کی خدمات برائے ایک سال مستعار لی جائیں۔ ان افسران کی تنخواہیں، ان کی کلاس کا علم ہونے پر منظور کی جائیں گی۔

۷۔ بونجی میں متعینہ کمپنی کے علاوہ مزید ایک کمپنی وہاں بھیج دی جائے۔

۸۔ گلگت سرحدی صوبہ کا بجٹ مکمل تفصیلات مہیا ہونے اور جانچ پڑتال کے بعد منظور کیا جائے گا۔

تحت حکم (د) آر۔ سی۔ کاک (وزیر اعظم)

(د) ایس۔ ایل۔ ذار ڈپٹی چیف سیکرٹری (پولٹیکل) اے (۱)

اس کے علاوہ جب یہ علاقے مہاراجہ کشمیر کو واپس کئے گئے، تو پنڈت نہرو (۲) اور پاکستان نے اس پر احتجاج بھی کیا کہ یہ علاقہ پاکستان (۳) یا بھارت میں تقسیم ہونہ کہ ریاست کے پاس واپس چلا جائے۔

---

(۱) * ممتاز ہاشمی۔ ص ۱۳

(۲) میجر جنرل ایس خالد حمید (ریٹائرڈ) ۔۔۔۔ قراقرم ہمزہ (انگریزی) ص ۳۹

(۳) لارڈ برڈوڈ ص ۱۲۹

گلگت بلتستان، پاکستان کا علاقہ نہیں ہے!

تاریخ کی روشنی میں وضاحت کے بعد اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے سابقہ کردار، اقوام متحدہ، کشمیری لیڈروں اور مسئلہ کشمیر پر لکھنے والوں کے حوالے سے یہ ثابت کیا جائے کہ ان علاقوں کا پاکستان سے ہرگز تعلق نہیں۔ بلکہ یہ علاقے مملکت کشمیر کا اسی طرح ایک حصہ ہیں، جس طرح سرینگر یا جموں وغیرہ۔

پاکستان کے سابقہ کردار کی روشنی میں:

۱۔ گلگت بلتستان کا علاقہ

۱۹۴۷ء میں ہی آزاد کرا لیا گیا تھا۔ آزادی کی یہ کامیاب جنگ زیادہ تر وہاں کے مقامی لوگوں اور جو مسلمان فوج تعینات تھی، نے لڑی۔ تقریباً دو سال یہ علاقہ مقامی انتظامیہ کے تحت رہا۔ معاہدہ کراچی ۱۹۴۹ء کی رو سے انتظامی کنٹرول حکومت پاکستان کو دیا گیا اور معاہدے میں کہا گیا۔

"گلگت و لداخ کے تمام معاملات، جو پولیٹیکل ایجنٹ کے کنٹرول میں ہیں۔ حکومت پاکستان کے دائرہ کار میں رہیں گے: (۱)

۲۔ اس کے بعد ۱۹۵۸ء میں ایوب خان نے مارشل لاء لگایا مگر صرف پاکستان کے علاقوں پر، ان میں گلگت بلتستان و آزاد کشمیر شامل نہ تھے۔

۳۔ پاک چین سرحدی تنازعہ:

۱۹۶۱ء میں پاکستان اور چین کے درمیان سرحدی سمجھوتہ ہوا۔ جس میں چین اس علاقے کو کشمیر کا حصہ سمجھ کر پہلے پہل حکومت پاکستان سے مذاکرات پر راضی نہ ہوا، بعد میں پاکستان کی طرف سے اس یقین دہانی پر کہ کشمیر کے تصفیے کے بعد جموں و کشمیر کی جائز قانونی حکومت اس معاملے کا دوبارہ فیصلہ کرنے کی مجاز ہوگی۔ اس معاہدے کی دفعہ ۶ میں درج ہے:۔

---

(۱) ہفت روزہ "کشمیر۔ راولپنڈی ۱۸ تا ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء

"فریقین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ پاکستان اور بھارت کے مابین مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے بعد متعلقہ مقتدر اعلیٰ اتھارٹی عوامی جمہوریہ چین کی حکومت کے ساتھ دوبارہ مذاکرات کرے گی تاکہ چین اور کشمیر کے مابین سرحدوں کے تعین کے لئے موجودہ سمجھوتے (Agreement) کی جگہ مستقل سرحدی معاہدہ (Treaty) عمل میں لایا جائے۔(۱)

۴۔ایوب خان کا مؤقف:

اس معاملے میں ایوب خان کی حکومت کے دوران روایتی پالیسی جاری رہی۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

ہمارے وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر نے یہ معاملہ چینی سفیر کے سامنے اٹھایا اور اس سے پوچھا کہ ان کی حکومت کشمیر کی متنازعہ حیثیت کی وجہ سے سرحدوں کی نشاندہی کے معاملے پر بات چیت کرنے سے گریز کر رہی ہے ---- بہرحال ہم چینی حکومت کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ دونوں کے درمیان واضح حد بندی پر اتفاق ہو جائے۔ اس کے بعد متعلقہ لائن کے شمال کا علاقہ چین کا علاقہ کہلائے گا جبکہ اس لائن سے جنوب کی طرف علاقے کے تعین کی ابھی ضرورت نہیں۔ البتہ اس علاقے کے دفاع کی ذمہ داری حکومت پاکستان نے سنبھال رکھی ہے اور شمالی علاقے کا دفاع چین کی ذمہ داری ہوگی۔ اس کے بعد چین نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ تیار ہیں۔ (۲)

۱۹۶۸ء میں ایوب خان کی حکومت نے "عشرہ ترقی" کے عنوان سے دس سال کی کارکردگی اور ترقیات کے جائزے پیش کئے۔ آزاد کشمیر گلگت بلتستان کے بارے میں الگ الگ کتابچے شائع کئے۔ اس رپورٹ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

یکم اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی پولیٹیکل ریذیڈنٹ نے گلگت ایجنسی کا چارج

---

(۱) جی۔ ایم میر ص ۳۶

(۲) محمد ایوب خان "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" ص ۱۲۳

کشمیر دربار کے حوالے کیا اور مہاراجہ نے اس علاقے کا انتظام سنبھالنے کے لئے برگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو گورنر مقرر کیا۔ مقامی آبادی میں بے چینی پیدا ہو گئی اور جب مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تو حالات اور خراب ہو گئے۔ کشمیر اسٹیٹ انفنٹری گلگت سے تیس میل جنوب مشرق "بونجی" کے مقام پر متعین تھی۔ گلگت بلتستان میں پاکستانی پرچم لہرایا گیا اور ایک انقلابی کونسل قائم کی گئی جس نے حکومت پاکستان سے اس علاقہ کے تحفظ و سلامتی کی خاطر انتظامی ذمہ داریاں سنبھالنے کی درخواست کی یہ درخواست قبول کی گئی اور ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کے بارے میں آخری فیصلہ ہونے تک حکومت پاکستان نے یہ ذمہ داریاں سنبھال لیں (۱)۔

۵۔ دساتیر پاکستان

اس وقت تک پاکستان میں تین آئین ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۷۳ء تشکیل پذیر ہو چکے ہیں۔ ان تینوں دساتیر کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے، کہ ریاست کے عوام کے لئے مستقبل کی حیثیت کی مکمل ضمانت دی گئی ہے اور دساتیر میں وفاق پاکستان کے جن علاقوں کی نشاندہی کی گئی ہے، ان میں گلگت بلتستان شامل نہیں ہے، بلکہ انہیں کشمیر کا حصہ ہی سمجھا گیا۔ گنگا ہائی جیکنگ کیس کی سماعت کے دوران اس علاقے کی آئینی حیثیت زیر بحث آئی، جس پر پاکستان کے اٹارنی جنرل یحیے بختیار نے آئینی نکات واضح کرتے ہوئے کہا:۔

"انہوں نے تسلیم کیا کہ ۱۹۴۹ء میں گورنر جنرل نے حکم نمبر ۵ جاری کیا تھا، جس کی رو سے قبائلی علاقوں کو پاکستان کا حصہ قرار دیا گیا۔ لیکن اس حکم میں گلگت بلتستان کا کوئی ذکر نہیں۔ انہوں نے اسے بھی درست قرار دیا کہ جس علاقے کو پاکستان میں مدغم یا اس کا حصہ قرار دیا گیا۔ اس کے لئے باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری ہوا۔ لیکن گلگت بلتستان

---

(۱) بحوالہ جی ایم میر "گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت" ص ۳۲،۳۷

کے بارے میں ایسا کوئی نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا۔(۱)

۶۔ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ

۱۹۸۱ء میں گلگت بلتستان کے ۱۷ افراد کی رٹ درخواست لاہور ہائیکورٹ نے اس بنا پر خارج کر دی کہ یہ علاقے پاکستان کے دائرہ قانون میں نہیں آتے۔ ملاحظہ ہو:-

"لاہور ہائی کورٹ کے ایک ڈویژن بنچ نے اپنے ایک حکم کے تحت گلگت سے تعلق رکھنے والے ۱۷ افراد کی رٹ درخواست اس مؤقف کے تحت خارج کر دی ہے کہ پاکستان کے قوانین گلگت میں لاگو نہیں ہوتے، کیونکہ گلگت قانونی طور پر پاکستان کا حصہ نہیں ہے۔"(۲)

۷۔ اقوام متحدہ کے حوالے سے

مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں یکم جنوری ۱۹۴۸ء کو چارٹر کی دفعہ ۳۵ کے تحت بھارت نے پیش کیا۔ بھارت نے اپنی شکایت کے آغاز میں یہ الفاظ درج کئے:-

"۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ کشمیر نے ریاست جموں و کشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ کیا ہے (۳) یعنی اقوام متحدہ کے چارٹر پر "ریاست جموں و کشمیر" کی جغرافیائی پوزیشن وہ ہے جو ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو تھی اور جسے اقوام متحدہ میں بھارت و پاکستان کی دونوں حکومتوں نے تسلیم کر رکھا ہے اور فوجوں کے انخلاء کی تجویز میں یہ علاقے بھی شامل کئے گئے تھے۔ جنرل میکناٹن نے جو تجاویز اس سلسلے میں پیش کیں، ان میں کہا گیا تھا:-

شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کو بھی فوجوں کے انخلاء کے پروگرام

---

(۱) روزنامہ امروز لاہور شمارہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۲ء

(۲) "روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۹ مئی ۱۹۸۱ء

(۳) ممتاز احمد مسئلہ کشمیر ص ۱۶۳

پروگرام میں شامل کیا جائے اور اس کا نظم و نسق اقوام متحدہ کی نگرانی میں موجودہ مقامی حکومت "آزاد کشمیر۔ ہی کے ہاتھ میں رہے۔۔(۱)

کشمیر پر لکھنے والے کہتے ہیں "گلگت بلتستان۔ کشمیر کا حصہ ہیں

کشمیر پر بے شمار مصنفین نے کتب تحریر کی ہیں، ان میں کشمیری۔ پاکستانی۔ بھارتی اور یورپ کے مصنفین شامل ہیں۔ مصنف کے لئے جہاں تک ممکن ہو سکا کشمیر پر کتابیں مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ایسی کوئی کتاب دستیاب نہ ہو سکی، جس میں گلگت و بلتستان یا صرف گلگت ایجنسی کا ذکر کشمیر سے الگ کیا گیا ہو یا اس بارے میں شبہ ظاہر کیا گیا ہو۔

چند اہم مصنفین کی کتابوں کا حوالہ یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ان سٹیفنز۔ اپنی کتاب .Horned moon میں کشمیر میں اپنی سیاحت کے بارے میں کشمیر کے متعلق وضاحت کرتے ہوئے اسے بھارتی مقبوضہ کشمیر اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں تقسیم کرتے ہیں۔ آزاد کشمیر کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" پاکستانی مقبوضہ کشمیر کا ایک بڑا حصہ جو ارد گرد پھیلا ہوا ہے، مظفر آباد کے بجائے براہ راست راولپنڈی یا کراچی سے حکومت کی جاتی ہے مگر یہ پاکستان کا حصہ نہیں ہے۔۔(۲)

فریڈرک ڈریو اپنی کتاب دی کشمیر ٹیریٹریز Kashmir Teritories میں گلگت بلتستان کی سابقہ تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

۱۸۴۲ء کے بعد اس علاقے کی تاریخ کشمیر کے ساتھ وابستہ ہو جاتی ہے۔۔(۳)

لارڈ برڈروڈ اپنی کتاب " نوئیشن اینڈ کشمیر۔ میں رقمطراز ہے:۔

" ۱۹۴۷ء سے پہلے ریاست جموں و کشمیر ان علاقوں پر مشتمل تھی۔ صوبہ کشمیر صوبہ جموں، پونچھ کی منی ریاست۔ گلگت ایجنسی جس میں ہنزہ اور نگر شامل تھے

۱۔ آزاد کشمیر کے تیس سال " ادارہ مطبوعات آزاد کشمیر۔ ص ۷۰

۲۔ An Stephens. ص ۱۱۷

۳۔ فریڈرک ڈریو ص ۱۸۱

اور بلتستان اور لداخ کا پہاڑی علاقہ ۔(۱)

ای ۔ ایف ناٹ اپنی کتاب " وئیر دی تھری امپائرز میٹ ۔ میں ان علاقوں کی تاریخ ریاست جموں و کشمیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں ۔ Essential dacuments on Kashmir. جسے انٹر نیشنل بکس دہلی سے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا گیا کشمیر کے اضلاع کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

" ۱۹۱۱ء میں ریاست جموں و کشمیر ۱۳ اضلاع میں منقسم تھی ۔ ریاست کا رقبہ ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے تحت ۸۴۴۳۲ مربع میل ہے ۔ کشمیر کے شمالی حصے میں بارہ مولا ضلع ۵۵۳، ۳ مربع میل، جنوبی حصے میں ضلع انت ناگ ۲۸۰۹ مربع میل ، ضلع مظفر آباد ۰۷۴ ، ۲ مربع میل سرحدی علاقے میں گلگت ضلع ۱۱۸ ، ۳ مربع میل ، ضلع لداخ ۶۹۲ ، ۴۵ مربع میل ، قبائلی علاقہ ۱۴۶۸۰ جموں ۱۴۷ء ۱ ضلع جسر وٹہ ۹۸۱ مربع میل ، ضلع ریاسی ۸۷۵، ۱ مربع میل، ضلع اودھم پور ۳۹۹ ، ۴ مربع میل ضلع میرپور ۵۴۷ ،۱ مربع میل ، پونچھ جاگیر ۶۳۸ ، ۱ مربع میل اور بھدرواہ جاگیر ۶۰۷ مربع میل تھی ۔ ۱۹۳۱" تا ۱۹۴۱ء ان ضلعوں کی تعداد ۱۴ ہو گئی ....

یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جب سیز فائر لائن مقرر کی گئی تو آزاد کشمیر ان علاقوں پر مشتمل تھا۔ ضلع استور اور گلگت کا پٹے پر دیا ہوا علاقہ اور گلگت ایجنسی اور ۵ مکمل تحصیلیں ، مظفر آباد ۔ اسکردو ۔ میرپور ۔ باغ ۔ اور سدھنوتی اور کچھ تحصیلوں کے گاؤں ۔(۲)

گورو راج راؤ اپنی کتاب " Legale aspects of Kashmir problem. میں ان علاقوں کی تاریخ ، کشمیر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :۔ (۳)

کراچی یونیورسٹی میں شعبہ جغرافیہ کے ایک سابق چیئرمین M.B Pathawala اپنی

---

(۱) لارڈ برڈوڈ ص ۱۱

(۲) انٹر نیشنل بکس ص ۹ ، ۱۰

(۳) گورو راج راؤ ص ۹

کتاب " این انٹروڈکشن ٹو کشمیر " جو ۱۹۵۳ء میں مظفر آباد سے شائع ٹی، کشمیر کی سیاسی تقسیم اس طرح کرتے ہیں۔

(۱) سرحدی صوبہ جس میں ضلع لداخ۔ گلگت (جو پٹے پر تھا) اور گلگت ایجنسی

(۲) صوبہ کشمیر، جس میں انت ناگ (اسلام آباد) بارہ مولا۔ استور اور مظفر آباد کے اضلاع شامل ہیں۔

(۳) صوبہ جموں، جس میں میرپور۔ ریاسی۔ جموں۔ اودھم پور اور کھٹوعہ کے اضلاع شامل ہیں۔

(۴) پونچھ جاگیر(۱)

مہاراجہ گلاب سنگھ کی سوانح عمری " The Founding of Kashmir State.

میں ان علاقوں کے بارے میں کشمیر کے حوالے سے تفصیلات موجود ہیں (۲)

جسٹس یوسف صراف لکھتے ہیں:۔

" اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقے ریاست کشمیر کا ایک حصہ ہیں اور ایک معاہدے کے تحت حکومت پاکستان کے پاس ہیں۔ (۳)

اس کے علاوہ تمام کشمیری مصنفین نے ان علاقوں کو ریاست جموں و کشمیر کا ایک حصہ ہی لکھا ہے۔ کسی ایک بھی مصنف نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ ان میں مشہور کشمیری مصنف پنڈت پریم ناتھ بزاز بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ سردار محمد ابراہیم نے متاع زندگی " میں، کے ایچ خورشید نے " مسئلہ کشمیر اور پاکستان " میں امان اللہ خان نے " فری کشمیر " میں، ممتاز ہاشمی نے " گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں؟ " میں اور جی ایم میر نے گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت " میں اس موضوع پر تفصیلاً لکھا ہے اور ان تمام کتابوں میں جو نقشے دیئے

---

(۱) M.B.Pathawala. ص ۶۵۔

(۲) کے۔ایم پانیکر ص ۲۷

(۳) جسٹس یوسف صراف ص ۱۳۶۳ جلد دوم

گئے ہیں، ان سب میں یہ علاقے کشمیر کے حصے دکھائے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں تین نقشے بڑے سائز میں اور تفصیلاً ڈاکٹر صوفی کتاب "کشمیر" میں، جو ۱۹۴۹ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے شائع ہوئی) ریاست جموں و کشمیر کی انتظامی رپورٹ (جو ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئی) ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۴۸ء میں حکومت پاکستان نے جغرافیائی نقشوں پر مشتمل ایک کتابچہ "بیسک انفارمیشن ان میپس" شائع کیا، جس میں ریاست کے تینوں صوبوں کشمیر، جموں اور سرحدی صوبے کا الگ الگ نقشہ دیا گیا ہے۔

آخر میں فاتح گلگت کرنل مرزا حسن، جو اس علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور مہاراجہ کشمیر کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، درج ذیل حوالہ کافی ہوگا:-

"۱۸۴۶ء ہی سے گلگت بلتستان اور لداخ کے وسیع و عریض علاقے مہاراجہ کشمیر کے زیر نگین تھے۔ وہ کہیں براہ راست اور کہیں بالواسطہ حکومت کرتا تھا۔ ان کی تسخیر کے وقت چونکہ انگریز افسروں نے بھی ڈوگرہ جرنیلوں کے ساتھ بطور مشیر حصہ لیا تھا، نگر۔ ہنزہ۔ یاسین۔ گوپس۔ پنیال۔ اشکومن اور چلاس۔ داریل اور تانگیر پولیٹیکل ایجنٹوں کے ماتحت تھے، جبکہ بلتستان، لداخ اور سب ڈویژن استور اور گلگت پر وزیر وزارتوں کی حکمرانی تھی۔ مقامی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کا عروج و زوال مہاراجہ کی مرضی پر منحصر تھا اور یہ تمام علاقے اس کی عدالتوں کے دائرہ کار میں تھے۔" (۱)

کشمیر کے لیڈر کیا کہتے ہیں؟

کشمیر کے لیڈر ہمیشہ اقتدار کے لیے محو رقص رہتے ہیں اور انہیں بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کے سامنے سچ کہنے کی توفیق کم ہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود کچھ لیڈروں نے تاریخ کی حفاظت کی ہے اور کچھ صرف پالیسی بیانوں پر اکتفا کرتے رہے۔ اس سلسلے میں کے۔ ایچ۔ خورشید نے "مسئلہ کشمیر اور پاکستان" میں بڑی فکر انگیز بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

گلگت بلتستان کا علاقہ تقسیم سے قبل ریاست جموں و کشمیر کا حصہ تھا اور

---

(۱) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ شمارہ مارچ ۸۳ء ص ۱۰۸

۱۹۴۸ء میں کشمیر میں جنگ بندی کے بعد سیز فائر لائن کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس میں گلگت ایجنسی جس میں پونیال۔ کوہ وغذر۔ یاسین۔ اشکومن۔ چیلاس کے علاقے ہنزہ، نگر کی ریاستیں اور بونجی اور استوار کا علاقہ شامل ہے۔ ان کے علاوہ ریاست کشمیر کے ضلع لداخ کی تحصیل اسکردو اور تحصیل کرگل کا بیشتر علاقہ جو کہ حد بندی لائن کے شمال میں واقع ہے۔ سارے کا سارا ریاست کشمیر میں آتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کی تاریخ سے واقفیت نہ رکھنے یا محض سطحی معلومات رکھنے والے لوگ اس قسم کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ اصل واقعات کچھ اور ہیں۔ گلگت بلتستان کا سارا علاقہ مہاراجہ گلاب سنگھ کے زمانے سے ریاست کی جموں و کشمیر کا ایک مستقل حصہ رہا ہے اور یہی وہ زمانہ ہے، جسے جدید ریاست کی ابتداء کہنا چاہیئے۔(۱)

اس کے علاوہ آزاد کشمیر کے چار دوسرے معروف لیڈروں نے ۳ مئی ۱۹۸۲ء کو ایک مشترکہ خط جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان کو لکھا، جس کے ۱۲ نکات ہیں۔ نمبر ۷، ۸ خصوصاً اس موضوع پر ہیں۔ ملاحظہ کیجئے!

۷۔ من جملہ ان امور کے اس عریضہ کا فوری سبب ایک اور اہم سوال ہے، جس کا مسئلہ کشمیر سے گہرا تعلق ہے اور کشمیر کے بارے میں آپ کے حالیہ بیانات اور اقدامات سے پیدا ہوا ہے۔ یقیناً اس کے دور رس نتائج نکلیں گے، اس سے ہر محب وطن کشمیری کے جذبات اور احساسات مجروح ہوئے ہیں۔ ہمیں گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ ۱۳ اپریل ۱۹۸۲ء کے روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی میں یہ بیان آپ سے منسوب ہوا ہے۔ "گلگت۔ ہنزہ اور اسکردو دو متنازعہ علاقے نہیں ہیں، یہ پاکستان کا حصہ ہیں۔"

مزید برآں پاکستان کی "مجلس شوریٰ" میں شمالی علاقہ جات سے ممبران بھی لئے گئے ہیں، جس سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق طے شدہ استصواب رائے کے بغیر یہ علاقہ پاکستان کے وفاق میں شامل کر

---

(۱) کے۔ ایچ خورشید ص ۲۱، ۲۳

لیا گیا ہے۔ یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ۸۔ گلگت۔ ہنزہ۔ اسکردو وغیرہ یہ علاقہ جات ہماری ریاست جموں و کشمیر کے جزو لاینفک ہیں اور ہمیشہ سے رہے ہیں۔ جو ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں جب مہاراجہ ہری سنگھ کی حکومت کے خلاف عوام نے بغاوت کی تو اس علاقہ کا گورنر گھنسارا سنگھ نامی ایک ریاستی تھا، جو مہاراجہ ہری سنگھ کا نامزد کردہ تھا۔ اس وقت انگریزوں کا تسلط ختم ہو چکا تھا جنہوں نے گلگت ایجنسی کو ساٹھ سال (مؤلف) کے لئے مہاراجہ سے پٹے پر لیا تھا ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں کے انخلاء کے بعد یہ گلگت ایجنسی کشمیر کا حصہ بن گئی جس کی جائز وارث آزاد جموں و کشمیر کی حکومت ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ علاقہ جات ہماری ریاست کا حصہ ہیں اور ان علاقہ جات کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ابھی تک اسی طرح باقی ہے، جس طرح کہ باقی ریاست جموں و کشمیر کا۔

یو۔ این۔ او کی دستاویزات اس بات کا بین ثبوت ہیں۔ تمام سابقہ حکومتوں کا بھی یہی مؤقف رہا ہے۔ سابقہ پاکستانی حکومتوں کا موقف یہ تھا کہ ان شمالی علاقہ جات کو پاکستان کا حصہ ظاہر کرنا ریاست جموں و کشمیر کو بھارت کی دیرینہ خواہش کے مطابق کشمیر تقسیم کرنے کے مترادف ہے۔ ہمیں شدید دکھ اور افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ موجودہ حکومت کیجانب سے اس قسم کے اقدام سے بھارت کی پراپیگنڈہ مشینری کو فائدہ پہنچا ہے۔ جو کشمیر میں سامراجی عزائم کی آئینہ دار ہے۔"(۱)

شیخ عبداللہ نے اس دوران ایک بیان اخباری نمائندوں کے سامنے دیا تھا کہ "پاکستان کی نامزد مجلس شوریٰ میں گلگت، ہنزہ اور اسکردو سے آنے ہوئے ممبرین شامل کئے گئے ہیں، جو کچھ پاکستان نے کیا، وہ غیر اخلاقی اور غیر آئینی ہے اور اس میں وہ کسی طرح حق بجانب نہیں۔ گلگت، ہنزہ اور اسکردو کشمیر کا حصہ ہیں۔ انہیں جبری طور پر ہڑپ کیا جا رہا ہے اور ہم اس اقدام سے قطعاً اتفاق نہیں کرتے۔"(۲)

---

(۱) ہفت روزہ "کشمیر" ۲۲ جون ۸۲ء (۲) ایم میر ص ۴۳

اسی دوران مقبوضہ کشمیر کی حکومت نے اس مسئلے پر ایک قرطاس ابیض شائع کیا ہے جس کا حوالہ نوائے وقت راولپنڈی نے یوں دیا ہے ۔

"سری نگر ۳ مئی (ریڈیو رپورٹ) مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے آج یہاں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے قرطاس ابیض پیش کیا، جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ گلگت، ہنزہ، نگر، پنیال، چترال، اسکردو ریاست جموں و کشمیر کے حصے ہیں۔ پاکستان کے صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے گذشتہ دنوں ایک بیان کے ذریعے واضح کیا تھا کہ متذکرہ علاقے ریاست جموں و کشمیر کا حصہ نہیں

تھے، بلکہ یہ علاقے براہ راست برطانوی حکومت کے زیر نگین تھے۔ شیخ محمد عبداللہ نے کہا۔ ۱۸۷۹ء میں گلگت ایجنسی قائم ہوئی، لیکن یہ ایک انتظامی فیصلہ تھا اور اس پر کنٹرول مہاراجہ جموں و کشمیر کا تھا۔ ۲۶ مارچ ۱۹۳۵ء کو برطانوی حکومت نے یہ علاقہ پٹے پر حاصل کر لیا، لیکن اس معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ اس پر اقتدار اعلیٰ مہاراجہ کشمیر کا ہو گا۔ ۱۹۴۷ء میں جب انگریز اس علاقہ سے رخصت ہوئے تو یہ پٹہ ختم ہو گیا اور پھر یہ علاقہ جموں و کشمیر کا حصہ بن گیا۔ چنانچہ ۱۷ جولائی (مولف) ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ جموں و کشمیر نے اس علاقے کے لئے الگ گورنر کا تقرر کیا، جس نے چارج بھی سنبھالا۔ قرطاس ابیض میں یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ گلگت کا علاقہ زمانہ قدیم سے کشمیر کا حصہ چلا آرہا ہے۔ جب روس میں زاروں کی حکومت تھی۔ اس علاقے میں کچھ انتظامی تبدیلیاں کی گئیں۔ لیکن اقتدار اعلیٰ مہاراجہ کشمیر کا رہا۔ اس طرح یہ پورا علاقہ ہمیشہ سے ریاست جموں و کشمیر کا حصہ رہا ہے ۔"(۱)

اس کے علاوہ محاذ رائے شماری نے دسمبر ۱۹۷۰ء میں اسلامی وزرائے خارجہ

---

(۱) جون ۸۲ء "کشمیر" راولپنڈی جی ایم میر ص ۴۲

دوسری کانفرنس منعقدہ کراچی کے موقعہ پر " جموں و کشمیر بلیلز۔ کے نام سے ایک یادداشت پیش کی تھی، جس میں ایک تجویز یہ بھی شامل تھی:۔

" ایک خود مختار وفاقی جمہوری حکومت کا قیام عمل میں لایا جانے گا، جس کے مندرجہ ذیل پانچ یونٹ ہوں گے، جنہیں اندرونی خود مختاری حاصل ہو گی۔ (۱) جموں شرقی (۲) جموں غربی (۳) کشمیر (۴) بلتستان (جس میں کرگل۔ اسکردو۔ گلگت۔ استور۔ واریل۔ تانگیر۔ چلاس۔ ہنزہ۔ نگر اشکومن یاسین وغیرہ شامل ہیں۔ (۵) لداخ ۔(۲)

الحاق کی کہانی، ایک مذاق

گلگت ایجنسی اور اس کے ملحقہ دوسرے علاقوں کو وہاں کے عوام نے بغیر کسی کی مدد کے اپنے طور پر آزاد کرا لیا تھا۔ مگر اب ایک نیا شوشہ یہ چھوڑا گیا ہے کہ ان علاقوں کا پاکستان سے الحاق ہو گیا تھا۔

---

(۱) روزنامہ نوائے وقت راولپنڈی ۲۳ مئی ۱۹۸۲ء (۲) جی۔ ایم۔ میر ص ۳۹

ان علاقوں کے بارے میں "الحق" کا موقف انتہائی طفلانہ محسوس ہوتا ہے۔

جن لوگوں نے ان علاقوں کو مہاراجہ کی فوجوں سے خالی کرایا اور اس کے مقرر کردہ گورنر بریگیڈیئر گھنسارا سنگھ کو گرفتار کیا، ان کی کمان کرنل (ریٹائرڈ) مرزا حسن خان مرحوم کے ہاتھ میں تھی اور وہی فاتح گلگت بھی کہلائے۔ انہوں نے گلگت کا علاقہ آزاد کرانے کے بعد وہاں ایک فوجی کونسل قائم کی تھی۔ کیپٹن سعید خان ان کے نائب تھے اور گلگت کا انتظام چلانے کے لئے راجہ شاہ رئیس کو سربراہ مقرر کیا تھا۔ کرنل مرزا حسن خان کے مطابق نہ تو فوجی کونسل اور نہ ہی کسی دوسری جانب سے الحق کی کوئی درخواست پیش کی گئی۔ البتہ علاقے کے انتظام و انصرام کے لئے حکومت پاکستان سے رابطہ قائم کیا گیا تھا، جسے الحق کی درخواست نہیں کہا جا سکتا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"پولو گراؤنڈ کے خیمے سے نکلے تو سکاؤٹس پریڈ گراؤنڈ جانا پڑا، جہاں ایک اور بڑے اجتماع کا اہتمام تھا۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مجلس شوریٰ کی ہنگامی میٹنگ ہے، جس میں علاقائی حکومت کی تشکیل کا فیصلہ ہو گا۔ سکاؤٹس کے دونوں انگریز افسر نگر اور ہنزہ کے جے سی او اور سول انتظامیہ کے بعض مخصوص افسر بھی مدعو تھے۔ ہم حیران تھے کہ اس سے پہلے جو انقلابی حکومت تشکیل پائی تھی، جس میں راقم چیئرمین اور کیپٹن سعید درانی ڈپٹی تھے، اسے کیا ہوا۔

گو اجلاس میری صدارت میں تھا، لیکن میجر براؤن بڑھ چڑھ کر بول رہے تھے سکاؤٹس جونیئر آفیسرز اپنے آفیسر کمانڈنگ کی ہاں میں ہاں ملانے جا رہے تھے۔ لمبی چوڑی تمہید کے بعد براؤن نے میر آف ہنزہ کا نام انقلابی حکومت کی صدارت کے لئے تجویز کیا۔ اگر یہ کسی انگریز کی تجویز نہ ہوتی تو راقم کا ردعمل منفی نہ ہوتا۔

عین اس وقت جب میجر براؤن اپنی قرارداد مجلس شوریٰ میں پڑھ رہے تھے، راقم کا ہاتھ اپنے پستول کے قبضے تک پہنچا اور اپنے فیصلے سنانے شروع کر دیئے

۱۔ راجہ شاہ رئیس خان گلگت کے ایک رئیس اور سابق فوجی، جمہوری حکومت کے صدر ہوں گے۔

۲۔ انقلاب کی مجموعی راہنمائی اور فوجی کمان راقم کے ہاتھ میں رہے گی۔

۳۔ کیپٹن سعید درانی تحریک کے ڈپٹی لیڈر، لیفٹیننٹ حیدر پولٹیکل ایجنٹ، میجر بابر کوارٹر ماسٹر اور راجہ سلطان حمید پولیس کے اعلیٰ افسر ہوں گے۔

ہم نے وہیں میجر براؤن کو ڈکٹیشن دی کہ بذریعہ وائرلیس ایک پیغام حکومت پاکستان کو ارسال کرے تاکہ وہ عبوری حکومت کی مدد کے لئے ایک سول ایڈمنسٹریٹر بھیج دے۔۔(۱)

کرنل مرزا حسن خان کی اس بات کی تصدیق ۱۹۷۲ء میں گنگاپانی جیکنگ کیس میں اٹارنی جنرل پاکستان یحییٰ بختیار نے حکومت پاکستان کی طرف سے ان الفاظ میں کر دی تھی:-

• گلگت بلتستان کو پاکستان میں مدغم کرنے کے بارے میں کوئی نوٹیفکیشن یا الحاق کی دستاویز نہیں ہے۔ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ ۱۹۴۹ء میں گورنر جنرل نے حکم نمبر ۵ جاری کیا تھا، جس کی رو سے قبائلی علاقوں کو پاکستان کا حصہ قرار دیا گیا تھا۔ لیکن اس حکم میں گلگت بلتستان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ انہوں نے اسے بھی درست قرار دیا کہ جس علاقے کو مدغم یا اس کا حصہ قرار دیا گیا، اس کے لئے باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری ہوا۔ لیکن گلگت بلتستان کے بارے میں کوئی نوٹیفکیشن جاری نہیں ہوا۔۔(۲)

اس کے باوجود حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر میں معاہدہ ۱۹۴۹ء ہوا، جس میں دونوں حکومتوں کے تعلقات اور اختیارات کو عارضی طور پر اس معاہدے کے ذریعے پابند کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت گلگت و بلتستان وغیرہ کے وہ معاملات، جو پولٹیکل ایجنٹ کے تحت تھے، عارضی طور پر حکومت پاکستان کے سپرد کئے گئے۔ معاہدہ حسب ذیل ہے:-

---

(۱) کرنل مرزا حسن خان کی خودنوشت بحوالہ اردو ڈائجسٹ مارچ ۱۹۸۳ء

(۲) روزنامہ امروز لاہور ۳۰ نومبر ۱۹۷۲ء

معاہدہ ۱۹۴۹ء (مابین)

آزاد کشمیر ---- اور ---- پاکستان

حکومت آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کے درمیان باہمی تعلقات کے سلسلے میں اولین باقاعدہ تحریری معاہدہ ۱۹۴۹ء میں (جنگ بندی کے فوراً بعد ہوا تھا۔ اس معاہدہ پر حکومت پاکستان کی طرف سے نواب مشتاق احمد گورمانی، جو اس وقت پاکستان کی مرکزی کابینہ میں وزیر بے محکمہ تھے اور امور کشمیر کی دیکھ بھال کر رہے تھے ۔) آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی طرف سے اس معاہدے پر چوہدری غلام عباس مرحوم نے صدر مسلم کانفرنس کی حیثیت سے اور حکومت آزاد جموں و کشمیر کی طرف سے سردار محمد ابراہیم خان نے صدر حکومت کی حیثیت سے دستخط کئے۔

حکومت پاکستان کا دائرہ کار

دفاع۔

۱:-

۲:- آزاد کشمیر کی خارجہ پالیسی۔

۳:- بیرون پاکستان اور پاکستان میں پبلسٹی۔

۴:- مہاجرین کی امداد اور آباد کاری کے انتظامات کی ترتیب۔

۵:- رائے شماری کے سلسلے میں پبلسٹی کی ترتیب۔

۶:- کشمیر کے سلسلے میں پاکستان میں تمام سرگرمیاں۔

۷:- مثلاً غلہ حاصل کرنا، سول سپلائز، ٹرانسپورٹ، مہاجرین کے کیمپوں کو چلانا اور طبی امداد۔

۸:- گلگت و لداخ کے تمام معاملات، جو پولیٹیکل ایجنٹ کے کنٹرول میں ہیں

حکومت آزاد کشمیر کا دائرہ کار

۱:۔ آزاد کشمیر کے علاقے کے نظم و نسق کی پالیسی۔
۲:۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں نظم و نسق کی دیکھ بھال۔
۳:۔ آزاد کشمیر حکومت اور انتظامیہ کے سلسلے میں پالیسی۔
۴:۔ وزیر بے محکمہ کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہند و پاک کے سلسلے میں مشورہ دینا۔
۵:۔ آزاد کشمیر کے علاقے کے اقتصادی ذرائع کی ترقی۔

مسلم کانفرنس کا دائرہ کار

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں پبلسٹی۔ (۲) مقبوضہ کشمیر کے بارے میں فیلڈ پبلسٹی ۳:۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں سیاسی سرگرمیاں۔ (۴) رائے شماری میں ابتدائی انتظامات (۵):۔ رائے شماری کے لئے تنظیم۔ (۶) پاکستان میں کشمیری مہاجرین میں سیاسی کام اور پبلسٹی ۷:۔ وزیر بے محکمہ کو کمیشن برائے ہند و پاک سے بات چیت کے سلسلے میں مشورہ دینا۔

(۱) دستخط:۔ ایم۔ اے گورمانی۔ وزیر بے محکمہ حکومت پاکستان۔
۲ (نوٹ: میں اس معاہدہ کے بارے میں ان باتوں سے اتفاق کرتا ہوں جو مسلم کانفرنس کے متعلق ہیں) دستخط:۔ غلام عباس صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس) ۳:۔ دستخط:۔ محمد ابراہیم۔ صدر حکومت آزاد جموں و کشمیر۔

اتنے کھلے حقائق کے باوجود بے :۔ بھارت الحاق اور پھر مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی سے توثیق کرا لینے کے باوجود عوام پر اپنے اثرات نہیں ڈال سکا۔ حکومت پاکستان کے پاس تو اس طرح کے ثبوت بھی نہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت "بھی رائے شماری تک علاقے کی ہیت تبدیل نہیں کی جا سکتی۔

تاریخ جدوجہد آزادی کشمیر

تاریخ جدوجہد "آزادی" کشمیر

جہاں تک آزادی کی عام تاریخ کا تعلق ہے، یہ تاریخ سے بھی پرانی بات ہے۔ جب سے انسان نے اپنے ہی ہم جنس دوسرے لوگوں کو اپنا غلام و مطیع بنانے کا سلسلہ شروع کیا، تو اسی وقت سے مظلوم و محکوم انسانوں نے اپنے ہم جنس ظالم انسانوں کے خلاف جدوجہد شروع کر دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ لکھنے کے رواج سے بہت پہلے آقا و غلام، ظالم و مظلوم اور حق و باطل کی جنگ شروع ہو چکی تھی اور یہ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کی شدت میں اور اضافہ ہوا ہے جہاں ظلم میں اضافہ ہوا ہے، وہاں اس کی تکنیک میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اب مظلوم نے ظالم کے مقابلے میں زیادہ پیش رفت کی ہے۔ آج اگر ظالم نے ظلم کے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں، تو مظلوم نے ظلم کے خلاف جدوجہد میں نئے ریکارڈ قائم کئے ہیں۔ یہ بہت پرانی حقیقت ہے کہ جہاں ظلم ہوتا ہے، وہاں مزاحمت بھی ہوتی ہے۔ ظلم جس قدر بڑھتا ہے، مزاحمت بھی اسی قدر بڑھتی ہے۔ آج ظالم اگر جدید سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کے سہارے چلتا ہے، تو آج کا مظلوم بھی گرینڈ اور دستی بم کی زبان میں بات کرتا ہے۔ جس طرح سائنسی ترقی اس صدی میں عروج پر ہے، اسی طرح غلام قوموں کی جدوجہد آزادی بھی عروج پر ہے اس صدی کے آغاز ہی کی بات ہے کہ دنیا کے بیشتر حصے میں بسنے والی قومیں انگریزوں کی غلام تھیں۔ لیکن آج انگریزوں کے لئے برطانیہ بھی تنگ ہو رہا ہے۔

مغرب کا نظام سرمایہ داری جو سامراج بن کر ساری دنیا پر چھا گیا تھا، اب روبہ زوال ہے۔ اس صدی کے آغاز میں ہی برطانوی تسلط دم توڑنے لگا تھا۔ بیسویں صدی میں بعض غلاموں نے جدوجہد آزادی میں وہ استقامت و ہمت دکھائی ہے کہ ساری دنیا میں سامراجیت لرز اٹھی ہے۔ ظلم کے قلعے مسمار ہونے شروع ہو گئے۔ غلامی کا کاروبار ٹھپ ہونے لگا۔ ایسا کیوں ہونے لگا؟ سامراج پسپا کیوں ہونے لگا؟ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ ظالم اور مظلوم کی جنگ ازل سے جاری ہے اور ظلم جوں جوں بڑھتا ہے، مزاحمت اور تیز ہو جاتی ہے۔ ظالم چونکہ حق پر نہیں ہوتا ہے اور مظلوم ہمیشہ چونکہ حق پر ہوتا ہے، اس لئے جیت ہمیشہ حق کی ہوا کرتی ہے کہ نتیجہ ہمیشہ مظلوم کے حق میں رہا ہے۔ یہی وجہ تھی، جب انگریز سامراج محکوم علاقوں کو جنگ عظیم کے اخراجات پورے کرنے کے لئے لوٹنے لگا، تو محکوم علاقوں میں پہلے سے کہیں زیادہ محرومیوں اور تضادات نے جنم لیا۔ لوٹ کھسوٹ مزید بڑھی۔ انگریز حاکم ہی رہنا چاہتا تھا، سارے عالم کا شہنشاہ ہی رہنا چاہتا تھا۔ مگر دوسری جنگ عظیم نے اس کا یہ طلسم توڑ دیا۔ جنگ عظیم دوم کی لہروں میں غلامی اور محکومی کی زنجیریں بھی ٹوٹنے لگیں اور قوموں نے آزادی کی دہلیز پر قدم رکھنے شروع کر دیئے۔ عوام آزادی چاہنے لگے۔ انگریز پریشان ہو گیا۔ جدوجہد شروع ہو گئی اور انگریز واپس برطانیہ میں سمٹنے لگا۔ سامراجیت کی کمزوری کی دوسری وجہ ایک سے زائد سامراج پیدا ہو جانا بھی تھی۔ مختلف سامراجوں کی آپس میں کھینچا تانی نے بھی بے شمار تضادات کو ابھارا اور یوں سامراج مشکلات میں پھنسنے لگے۔

اس صدی کی وہ قومیں، جنہوں نے سامراجیت کے تابوت میں سب سے زیادہ کیل ٹھونکے، وہ مسلمانوں کی عظیم قوم ہے۔ بیسویں صدی سے قبل کی صدیوں سے مسلمان ابتلاء میں چلے آرہے تھے۔ مسلسل غلامی نے ان کے قوائے عمل شل کر دیئے تھے اور وہ غلامی اور آزادی، اسلام اور لادینیت کے مفہوم سے قطعی ناآشنا ہو گئے تھے۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز میں ہی مسلمانوں نے انگڑائی لے کر سامراجیت کے خلاف مزاحمت شروع کر دی تھی۔ دوسری طرف چند غیر مسلم اقوام نے بھی وطن کی محبت میں وہ استقامت دکھائی کہ انسان کی عظمت کو اجاگر کر دیا۔

مسلمانوں میں سب سے پہلے انڈونیشیا کے عظیم مسلمانوں کا ذکر آتا ہے۔ گو اس سے پہلے انیسویں صدی میں برصغیر کے مسلمان انگریز تسلط کے خلاف نفرت کا اظہار کئی بار مختلف طریقوں سے کر چکے تھے۔ اور بیسویں صدی کے اوائل میں یہ جدوجہد زیادہ تر آئینی شکل اختیار کر گئی، جس میں برصغیر کی تمام اقوام نے ایک ساتھ حصہ لیا۔ مگر سامراجیت کے رونگٹے کھڑے کر دینے والی پہلی جدوجہد انڈونیشیا کے مسلمانوں کی تھی۔ احمد سوئیکارنو مرحوم کی قیادت میں انڈونیشی مسلمانوں نے جذبہ جہاد اور جذبہ حب الوطنی کی وہ مثالیں پیش کیں کہ سامراجیت کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ اس صدی کی یہ پہلی کامیاب گوریلا جنگ تھی، جس نے آخر سامراجیوں کو ملک سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد الجزائری اور دوسرے افریقی مسلمانوں کا ذکر آتا ہے۔ الجزائریوں پر فرانس نے وہ ظلم ڈھائے، جس سے انسانیت کانپ اٹھی۔ مگر الجزائری مسلمانوں نے فرانس کو قبول نہ کیا اور آزاد ہو گئے۔ افریقی ممالک سے حبشیوں کی تجارت کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ انہیں دو ٹانگوں والا جانور سمجھ کر اتنا ہی کام لیا جاتا تھا۔ مگر "ماؤ ماؤ" نامی افریقیوں کی وہ پہلی تنظیم تھی، جس نے افریقہ میں سامراجیت کے مستقبل کو تاریک کر دیا۔ اس کا سربراہ جومو کنیاٹا تھا۔ مسلمانوں کے علاوہ ویت نامیوں کی جدوجہد بڑی طویل مگر بڑی اثر انگیز ہے، جس کی نظیر شاید کرہ ارض کا کوئی بھی خطہ پیش نہ کر سکے۔ جبکہ موجودہ وقت میں فلسطینیوں کی گوریلا جنگ نے محکوم قوموں کو جدوجہد کا ایک نیا پیغام دیا ہے اور اب سامراجیت فلسطینیوں کے ہر وار پر تڑپ تڑپ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی جہاں کوئی قوم غلام ہے، آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ خطہ کشمیر کی یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے کہ یہ ابھی تک مسلسل غلامی تلے کراہ رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری جدوجہد آزادی نے ابھی تک بیسویں صدی کی مروج جدوجہد کا انداز اختیار نہیں کیا۔ اب ایسے محسوس ہوتا ہے کہ رات کے تاریک پردوں سے سحر کی سپیدی کا ظہور ہو رہا ہے اور حالات بتا رہے ہیں کہ اب پو پھٹنے گی جس کے ساتھ ہی سامراجیت دفن ہو کر رہ جائے گی۔ بھارتی سامراج ظلم کے نت نئے طریقے ایجاد کر رہا ہے۔ کشمیریوں کو دوامی محکومی میں جکڑنے کے لئے بھارت ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ پاکستان کے دولخت ہونے کے بعد بھارت کو

یہ امید بندھ گئی ہے کہ اب پاکستان کشمیر کے معاملے میں بات نہیں کرے گا۔ یہ سوچ سامراج کی سوچ ہے، مگر محکوم کشمیریوں کی بھی ایک نئی سوچ ابھر رہی ہے، جو پہلے ناپید تھی۔ یہ عوام کی سوچ ہے۔ سامراج کی سوچ یہ ہے کہ کشمیریاں کو محکوم رکھو اور کشمیری عوام کی اب یہ سوچ ہے کہ جنت ارضی کو محکومی سے چھڑاؤ۔ اس میں جیت اور ہار کس کی ہوگی؟ اس کا فیصلہ تاریخ کرے گی۔ تاریخ کی متحرک قوت عوام ہوتے ہیں، سامراج نہیں۔ سامراج ظلم و استحصال کرتا ہے اور عوام مزاحمت کرتے ہیں۔ چنانچہ عوام مزاحمت کرتے کرتے تاریخ کی محرک قوت بن جاتے ہیں۔ عوام جدوجہد میں مسلسل مصروف رہتے ہیں اور چونکہ ان کی یہ جدوجہد مبنی برحق ہوتی ہے، اس لئے جیت حق ہی کی ہوا کرتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں باطل مٹنے کے لئے ہے اور باطل مٹ کر رہے گا۔ بھارتی سامراج کی سوچ کچھ ہی کیوں نہ ہو، کشمیر کے مظلوم عوام کی سوچ کے مقابلے میں پائیدار نہیں ہو سکے گی۔ تاریخ کا فیصلہ ہمیشہ عوام کے حق میں ہوتا ہے

بالکل ایسا بھی نہیں کہ کشمیریوں نے دنیا سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ کشمیریوں کی جدوجہد کی بھی ایک تاریخ ہے۔ الجزائریوں، ویت نامیوں، افریقیوں اور فلسطینیوں جیسی روشن نہ سہی مگر حوصلہ افزا تو ضرور ہے۔ یہ جدوجہد بتا رہی ہے کہ مستقبل قریب میں کشمیری گوریلوں کی بھی دنیا پر اتنی ہی دہشت ہوگی جتنی آج فلسطینیوں کی ہے۔ بدقسمتی سے کشمیریوں کو ابھی وہ مخصوص عوامل میسر نہ آسکے جو گوریلا جنگ کو استوار کرنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ تمام ہمسایہ ممالک کشمیر کو اپنے ہی تسلط میں لانے کے خواہشمند ہیں، جس کی وجہ سے ہماری جدوجہد کوئی اثر پیدا نہ کر سکی۔ آئندہ کے لئے ہم اپنی جدوجہد کو کیسے استوار کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی سابقہ جدوجہد کے خدوخال کو ذہن میں رکھیں اس لئے یہاں سابقہ جدوجہد کو مختصراً بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کچھ کشمیری مورخین، جن میں منشی محمد دین فوق اور ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی مصنف "کشیر" شامل ہیں، کشمیر کی غلامی کا آغاز مغل بادشاہ اکبر کے کشمیر پر قبضے سے کرتے ہیں جبکہ بعض مصنفین مغل دور اور افغانی دور کو اس وجہ سے غلامی کا دور تصور نہیں کرتے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔ غلامی اور آزادی کے متعلق

یہ امید بندھ گئی ہے کہ اب پاکستان کشمیر کے معاملے میں بات نہیں کرے گا۔ یہ سوچ سامراج کی سوچ ہے۔ مگر محکوم کشمیریوں کی بھی ایک نئی سوچ ابھر رہی ہے، جو پہلے نلاپید تھی۔ یہ عوام کی سوچ ہے۔ سامراج کی سوچ یہ ہے کہ کشمیریوں کو محکوم رکھو اور کشمیری عوام کی اب یہ سوچ ہے کہ جنت ارضی کو محکومی سے چھڑاؤ۔ اس میں جیت اور ہار کس کی ہوگی؟ اس کا فیصلہ تاریخ کرے گی۔ تاریخ کی متحرک قوت عوام ہوتے ہیں، سامراج نہیں۔ سامراج ظلم و استحصال کرتا ہے اور عوام مزاحمت کرتے ہیں۔ چنانچہ عوام مزاحمت کرتے کرتے تاریخ کی محرک قوت بن جاتے ہیں۔ عوام جدوجہد میں مسلسل مصروف رہتے ہیں اور چونکہ ان کی یہ جدوجہد مبنی برحق ہوتی ہے، اس لئے جیت حق ہی کی ہوا کرتی ہے۔ قرآن کے الفاظ میں باطل مٹنے کے لئے ہے اور باطل مٹ کر رہے گا۔ بھارتی سامراج کی سوچ کچھ ہی کیوں نہ ہو، کشمیر کے مظلوم عوام کی سوچ کے مقابلے میں پائیدار نہیں ہو سکے گی۔ تاریخ کا فیصلہ ہمیشہ عوام کے حق میں ہوتا ہے

بالکل ایسا بھی نہیں کہ کشمیریوں نے دنیا سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ کشمیریوں کی جدوجہد کی بھی ایک تاریخ ہے۔ الجزائریوں، ویت نامیوں، افریقیوں اور فلسطینیوں جیسی روشن نہ سہی مگر حوصلہ افزا تو ضرور ہے۔ یہ جدوجہد بتا رہی ہے کہ مستقبل قریب میں کشمیری گوریلوں کی بھی دنیا پر اتنی ہی دہشت ہوگی جتنی آج فلسطینیوں کی ہے۔ بد قسمتی سے کشمیریوں کو ابھی وہ مخصوص عوامل میسر نہ آ سکے جو گوریلا جنگ کو استوار کرنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ تمام ہمسایہ ممالک کشمیر کو اپنے ہی تسلط میں لانے کے خواہشمند ہیں، جس کی وجہ سے ہماری جدوجہد کوئی اثر پیدا نہ کر سکی۔ آئندہ کے لئے ہم اپنی جدوجہد کو کیسے استوار کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی سابقہ جدوجہد کے خدوخال کو ذہن میں رکھیں اس لئے یہاں سابقہ جدوجہد کو مختصراً بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

کچھ کشمیری مورخین، جن میں منشی محمد دین فوق اور ڈاکٹر غلام محی الدین صوفی مصنف "کشیر" شامل ہیں، کشمیر کی غلامی کا آغاز مغل بادشاہ اکبر کے کشمیر پر قبضے سے کرتے ہیں جبکہ بعض مصنفین مغل دور اور افغانی دور کو اس وجہ سے غلامی کا دور تصور نہیں کرتے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔ غلامی اور آزادی کے متعلق

بحث سے قطع نظر ہمیں مقامی لوگوں کی حالت کے پیش نظر کوئی رائے قائم کرنی چاہیئے۔ یہ درست ہے کہ کشمیر پر قبضہ کرنے والے مسلمان تھے۔ مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا انہوں نے اسلامی اصولوں کے تحت کشمیر پر قبضہ کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اکبر نے جب کشمیر پر قبضہ کیا تو کشمیر کے حکمران مسلمان تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ فرقہ پرستی کی لہر کی وجہ سے مقامی حکمرانوں کا، جو شیعہ تھے، سنی مسلمانوں سے اختلاف تھا۔ چنانچہ سنی مسلمانوں نے اکبر کو حملے پر اکسایا۔ کشمیر کی خود مختاری کو ختم کرنے کے لئے صرف یہ جواز کافی نہیں ہے۔ پھر اکبر بادشاہ کے متعلق تو کسی کو بھی حسن ظن نہیں ہے۔ اس کے اپنے نئے دین کی وجہ سے وہ پہلے ہی ہندی مسلمانوں میں شک کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ہندی مسلمانوں نے اس نئے فتنہ کے خلاف بھرپور جدوجہد بھی کی، جن میں مجدد الف ثانی بہت مشہور ہیں۔ اصل بات یہ تھی کہ اکبر کے قبضے کے بعد مغل دربار کی طرز پر جوڑ توڑ کا سلسلہ یہاں بھی روا رکھا گیا، تو ترقی کا عمل متاثر ہونے لگا۔ دوسری طرف افغانوں کا جہاں تک تعلق ہے، ان کی طرف سے بھی کشمیر پر حملے کا قطعی کوئی جواز نہیں ہے۔

دہلی اور کابل کے حکمرانوں نے اپنے طرز پر اور اپنی حکومت کو مستحکم رکھنے کے لئے جوڑ توڑ کو ہوا دی۔ جب حکمران جوڑ توڑ میں مصروف ہو جائیں تو قوم کی ترقی کی رفتار نہ صرف رک جاتی ہے بلکہ تباہی و بربادی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔ مغل صوبیدار کشمیر آتے ہی سازشوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ اس سلسلے میں قابل غور بات یہ ہے کہ آخری چار مغل بادشاہوں یعنی شاجہان۔ جہانگیر۔ اورنگزیب اور محمد شاہ کے عہد حکومت میں ۵۹ صوبیدار کشمیر میں یکے بعد دیگرے بھیجے گئے، جبکہ ۲۸ افغان صوبیداروں نے باری باری کشمیر پر حکومت کی۔

طویل غلامی کے بعد کشمیری انگڑائی لیتے ہیں،

قومیں جب طاقت کے گھمنڈ میں ظلم پر اتر آئیں یا دولت کی فراوانی پر عیاشی و فاشی کی طرف مائل ہو جائیں، مذہبی اور اخلاقی اقدار کو بوجھ محسوس کرنے لگیں تو قوم بہت جلد غلامی کے گڑھے میں گر جاتی ہے۔ غلامی میں جب اسے ایک طویل عرصہ گزر جانے، ظلم و ناانصافیاں ناقابل برداشت ہو جائیں، تو ان قوموں کو آزادی کی قدر و قیمت کا احساس ہوتا ہے اور قوم دوبارہ آزادی کے سفر پر رواں ہو جاتی ہے۔

کشمیر کی تاریخ آزادی و غلامی بھی ان خطوط پر استوار نظر آتی ہے۔ سکھوں اور پھر ڈوگرہ حکمرانوں کے بے پناہ مظالم نے کشمیری مسلمانوں کا جینا دو بھر کر دیا تھا۔ کشمیری مسلمانوں کو انسان کے بجائے دو ٹانگوں والا جانور سمجھا جانے لگے۔ ان شدید ناانصافیوں نے مسلمانوں کو ایک نئی سوچ دی۔ چونکہ ہندوستان میں بھی سیاسی جدوجہد جاری تھی۔ اسی جدوجہد سے متاثر ہو کر کشمیری مسلمانوں نے بھی سیاسی جدوجہد شروع کر دی۔ ۱۸۴۶ سے پہلے معروف سطح پر سیاسی جدوجہد نہ سہی مگر کسی نہ کسی سطح پر یہ مزاحمت جاری رہی۔ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر سے کشمیریوں کو اپنی ناقدری اور بے بسی کا شدید احساس ضرور ہوا لیکن وہ اس واقعے کے خلاف کوئی اجتماعی سیاسی جدوجہد نہ کر سکے۔ اس کے باوجود بعض محب وطن عناصر نے ڈوگرہ راج اور انگریزی تسلط کے خلاف مسلح مزاحمت کی قابل فخر مثالیں قائم کیں۔ یہ مسلح مزاحمتیں قومی نوعیت اختیار کرنے سے پہلے ہی علاقائی اور مقامی بغاوتیں مشہور کر کے کچل دی جاتی رہیں۔ وادی کرناہ (صوبہ کشمیر) کے نامور سپوت راجہ شیر احمد خان کی مسلح مزاحمت اور اسی دوران اپنی جان قربان کر دینے جیسی کئی مثالیں موجود ہیں۔

جسٹس یوسف صراف کے مطابق ۱۸۷۷ء میں کشمیریوں کی طرف سے ایک یادداشت وائسرائے ہند کو بھیجی گئی اور یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ کس نے بھیجی تھی(۱)

---

(۱) جسٹس یوسف صراف۔ ص ۲۳۳ / ۱

مگر اس سے ایک بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے آخری نصف میں مسلمانوں کے ذہنوں میں ناانصافیوں کے خلاف رجحان پیدا ہو چکا تھا اور مسلمان اس کے اظہار کا کوئی راستہ تلاش کر رہے تھے۔ پروفیسر سرور عباسی (۱) کے مطابق ۱۹۰۹ء میں جموں میں کچھ نوجوانوں نے ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن۔ کے نام سے ایک انجمن قائم کی، جن کے مقاصد میں چند اصلاحی کام تھے۔ تحریک خلافت کے دوران اس انجمن نے کچھ کام کیا۔ جب اس کے ایک رکن شیخ محمد سعید کو کشمیر سے جلاوطن کر دیا گیا تو انجمن کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ پھر ۱۹۲۳ء میں چند نوجوانوں نے دوبارہ اس کا احیاء کیا۔ ۱۷-۱۹۱۶ء (۲) میں جنرل سمندر خان نے ایک مسلم ایسوسی ایشن بنانے کی مہاراجہ سے درخواست کی۔ ۱۹۲۱ء میں اس کی اجازت ملی۔ ایک تنظیم انجمن اسلامیہ کے نام سے بنائی گئی۔ اس انجمن نے مسلمانوں کے عملی و سماجی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۲۴ء میں ایک اور واقعہ نے مسلمانوں میں ناانصافی کے خلاف جذبات اور بیداری کی لہر میں اضافہ کیا۔ وہ ریشم خانہ کے مزدوروں کے ساتھ ہندو آفیسروں کی ناانصافی کے خلاف ردعمل تھا۔ مسلمان مزدوروں نے احتجاج کیا۔ یادداشت پیش کی انکوائری ہوئی۔ مسلمانوں کی شکایات درست ثابت ہوئیں مگر تنخواہ چوری کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرنے کے بجائے ہندو آفیسروں نے مسلمان مزدوروں کو فیکٹری کے دوسرے حصوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اس سے مسلمان مزدوروں نے ہڑتال کر دی، جسے ہری سنگھ، جو اس وقت کمانڈر انچیف تھا، انتہائی تشدد آمیز طریقے سے دبا دیا۔ مزدوروں کو مختلف میعاد کی سزائیں سنا دیں۔ اسی دوران لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند نے کشمیر کا دورہ کیا۔ مسلمانوں کی طرف سے سعیدالدین شال نے مسلمانوں کے ساتھ ڈوگرہ حکومت کی ناانصافیوں کے خلاف ایک یادداشت پیش کی۔

یادداشت کی شنوائی کیا ہونی تھی۔ لارڈ ریڈنگ کے بعد سعیدالدین شال کو ریاست بدر اور ان کے ساتھیوں خواجہ حسن شاہ نقشبندی کو ان کی جاگیر سے بے دخل اور

---

(۱) پروفیسر سرور عباسی۔ نوائے وقت ۵ اگست ۷۶ء (۲) جینفر صراف ص ۵۲ ۳ جلد ۱

حسن شاہ جلالی کو ذیلداری سے ہٹا دیا گیا۔

۱۹۳۶ء میں لاہور میں قائم کشمیریوں کی تنظیم "کشمیر کمیٹی" نے مسلمانوں کی زبوں حالی پر ایک یادداشت مہاراجہ کو پیش کرنے کی کوشش کی، مگر مہاراجہ نے یہ یادداشت لینے سے انکار کر دیا کہ یہ غیر ریاستی تنظیم ہے۔ ۱۹۲۷ء میں مہاراجہ نے ایک نئی پالیسی وضع کی، جس کے تحت ریاست سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو ریاست میں غیر منقولہ جائیداد کی خرید و فروخت سے اور ملازمت سے محروم کر دیا ۱۹۲۸ء میں مہاراجہ ولایت چلے گئے اور حکومت کا نظم و نسق چلانے کے لئے ایک کابینہ بنائی، جس میں کسی مسلمان کو بطور ممبر نامزد نہ کیا۔ اس سے مسلمانوں میں مزید بے چینی پیدا ہوئی۔ اسی سال ۶ مارچ کو ریاست کے وزیر اعظم بینر جی نے اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کیا اور کہا جموں و کشمیر میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے، جو ناخواندگی کا شکار ہیں۔ ان کی سماجی حالت مویشیوں سے بدتر ہے۔ حکومت اور عوام میں کوئی رابطہ نہیں۔ اسی زمانے میں مہاراجہ حکومت کے دو ملازموں جنرل سکندر خان اور شیخ عبدالعزیز نے ہمت کرتے ہوئے متواتر دس برس تک مسلمانوں کے لئے ۵۰% ملازمتوں کے لئے یادداشت پیش کی، مگر ڈوگرہ حکومت پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔(۱)

ڈوگرہ حکومت کے خلاف مسلمانوں کی جدوجہد میں اس وقت نیا موڑ آیا، جب ریاست کے کچھ نوجوان تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاست میں واپس آ گئے۔ اس بات کی پنڈت پریم ناتھ بزاز(۲) اور Joseet Korbel (۳) نے بھی نشاندہی کی ہے۔ یہ بات اس لئے بھی درست معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت ہندوستان میں سیاسی جدوجہد شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ کانگریس کے علاوہ مسلم تشخص کی حفاظت کے لئے "مسلم لیگ" بھی سرگرم عمل تھی۔ انگریز کے خلاف ہندوستانیوں کی جدوجہد نے وہاں زیر تعلیم کشمیری مسلمانوں کو بھی متاثر کیا، جنہوں نے ریاست واپس آکر اسی نہج پر ڈوگرہ

---

(۱) ہفت روزہ لیل و نہار ۱۳ جولائی ۱۹۵۸ء (۲) پریم ناتھ بزاز ، ۱۴ (۳) Kashmir in Danger

حکمرانوں کے خلاف اپنی سوچ و فکر کو ترتیب دینا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۸ء تک ایسے مسلمانوں کی تعداد ۸۷ تک پہنچ چکی تھی۔

۱۹۲۷ء میں شیخ محمد عبداللہ، محمد رجب اور چند اور کشمیری طالب علم تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد واپس کشمیر آنے تو محمد رجب نے سرینگر میں ریڈنگ روم پارٹی کی بنیاد رکھی۔ جلد ہی اس نے ایک مقبول تنظیم کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے زیراہتمام کشمیری نوجوانوں کی مختلف نشستیں ہوتیں، جہاں مسلمانوں کے حقوق کی بحالی اور ڈوگرہ حکومت سے نجات حاصل کرنے پر بحث ہوتی۔ اس اثنا میں ریاست میں نئے قوانین کا نفاذ کیا گیا، جس سے مسلمانوں کا سرکاری ملازمت میں بھرتی ہونا نا ممکن ہو گیا۔ حالانکہ مسلم تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود سروس میں نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب جب کچھ لوگوں نے تعلیم حاصل کی تو ان پر دروازے بند کر دیئے گئے۔ اس بات پر ریڈنگ روم میں بحث ہوئی اور ایک یادداشت مہاراجہ کو پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ مہاراجہ نے اس معاملے پر کمیٹی بنائی،

جس نے ان لوگوں کو بلا کر ڈرایا دھمکایا اور واپس بھیج دیا۔ اس کے ساتھ ان لوگوں نے بیرون ریاست مسلم اخبارات سے رابطہ قائم کیا اور ڈوگرہ حکومت کی ناانصافیوں پر مراسلے لکھنے شروع کئے۔

ادھر جموں میں ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن نے چوہدری غلام عباس، مستری یعقوب علی اور چند دوسرے لوگوں کی سرکردگی میں اچھی شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر جدوجہد کے عزم کے اظہار کے طور پر ایک پمفلٹ نکالا۔ اس پمفلٹ کے مندرجات بھی بیرون ملک اخباروں میں چھپے اس سے سرینگر اور جموں کی دونوں تنظیموں میں یک جہتی کا احساس پیدا ہوا اور انہوں نے ایک دوسرے کے قریب آنا شروع کر دیا۔ ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن نے کچھ اشتہار چھاپے اور انہیں سرینگر میں تقسیم کرنے کے لئے شیخ عبداللہ کو بھیجے، جنہیں اسمعیل نامی ایک شخص دیواروں پر چسپاں کرتے ہوئے گرفتار ہو گیا۔ لوگ جیل کے باہر پہنچ گئے۔ پولیس نے لوگوں کو منتشر کر دیا۔

شام کو جامع مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں ۳۰ ہزار افراد نے شرکت کی۔ غالباً ریاست میں یہ پہلا سب سے بڑا اجماع تھا۔ گورنر نے معززین کو طلب کیا اور صورت حال پر تبادلہ خیال کیا۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے واقعات کا پس منظر

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے

واقعات کا پس منظر کوئی فوری رد عمل نہیں تھا، بلکہ ساڑھے تین سو سال سے کچلے ہوئے انسانوں کی ایک چیخ تھی، جس نے عوام کا خون چوسنے والے ڈوگرہ کے ایوان اقتدار کی دیواریں ہلا دیں تھیں۔ ظلم تلے کچلے ہوئے انسانوں کی ایک آواز تھی جو ڈوگرہ حکمرانوں کے اقتدار کے لئے خطرے کی گھنٹی بن گئی۔ اگر ساڑھے تین سو سالوں کے دوران مسلمانان کشمیر پر ہونے والے جبر و ستم کا اندازہ کریں تو یہ واقعات ان کا ایک ناگزیر رد عمل نظر آتے ہیں۔ پھر ڈوگرہ حکومت نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ ۱۹۳۱ء تک مسلمانوں کے ساتھ سلوک کی حالت یہ تھی کہ (۱) مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمت کے تمام دروازے بند تھے۔ (۲) تجارت

پر غیر مسلم چھائے ہوئے تھے، کیونکہ انہیں حکومت کی حمایت حاصل تھی۔ (۳) مسلمان کسانوں اور کاشت کاروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ مسلمان محنت کرتے اور جب فصل پکتی تو مہاراجہ کے کارندے اٹھا کر لے جاتے۔ (۴) بیگار عام تھی اور اس کا زیادہ شکار مسلمان ہوتے تھے۔ (۵) ریشم۔ کاغذ۔ تمباکو۔ نمک۔ اناج وزعفران کی خرید و فروخت سرکاری تحویل میں تھی۔ (۶) مسلمان ہتھیار نہیں رکھ سکتے تھے، مگر ہندوؤں کو اجازت تھی (۷) گائے ذبح کرنے والوں کو جان سے ہاتھ دھونے پڑتے تھے۔ (۸) فوج میں تیرہ بٹالین میں صرف ایک ایسی تھی جس میں کچھ مسلمان تھے (۹) ۱۸۴۶ء سے ۱۹۴۶ء تک آٹھ وزیراعظم بنے، مگر مسلمان ایک بھی نہ تھا (۱۰) تعلیم میں مسلمان پسماندہ تھے۔ صرف ایک فیصد پڑھے لکھے تھے۔ (۱۱) مسلمانوں کو بھیڑ بکریوں پر ٹیکس دینا پڑتا۔ (۱۲) چولہوں پر بھی ٹیکس لیا جاتا (۱۳) اگر کوئی ہندو مسلمان ہوتا تو تمام جائیداد سے محروم ہو جاتا اور اگر مسلمان ہندو ہوتا تو جائیداد محفوظ رہتی۔ ۱۴۔ جلسے کرنا یا شکایات کرنا سخت جرم تھا۔(۱)

یہ وہ مجموعی صورتحال تھی، جس سے مسلمان گزر رہے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۳۱ء میں پانچ ایسے واقعات رونما ہوئے، جس سے مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ ان پانچ واقعات (۲) میں مسلمانوں کے عظیم دین اسلام کی توہین کی گئی تھی ان میں پہلا واقعہ اودھم پور میں ایک ہندو جاگیردار کا قبول اسلام تھا، وہاں کے ہندو تحصیلدار نے زمین اس کے بھائی کے نام کر دی اور کہا گیا کہ جب تک یہ دوبارہ ہندو نہیں بنے گا، زمین اس کو نہیں مل سکتی۔ دوسرا واقعہ جموں کے ایک گاؤں میں پیش آیا، جب ایک پولیس آفیسر نے مسلمانوں کو عیدگاہ میں نماز پڑھنے سے روک دیا اور یہ بات سارے جموں میں پھیل گئی۔ تیسرا واقعہ بھی جموں کا ہی ہے، جہاں ایک مسجد میں پیش امام کو خطبہ عید پڑھنے سے ایک ہندو آفیسر نے روک دیا۔ چوتھا واقعہ جموں پولیس لائن کا ہے، جہاں میرپور کے ایک کانسٹیبل فضل داد کا پانچسورہ ایک ہندو کانسٹیبل نے زمین پر پٹخ دیا اور مسلمان کانسٹیبل نے اس مسئلے کو ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن۔ جموں میں پیش

---

(۱) عبداللہ قریشی آئینہ کشمیر ص ۱۷۳، (۲) جنس صرف ۳۶۱ جلد اول ص ۱۵۲

کر دیا۔ پانچواں واقعہ جو انتہائی دل آزاری کا موجب بنا، سرینگر کے ایک پبلک غسلخانہ سے قرآن کے اوراق پائے گئے، جس سے مسلمانوں میں زبردست اشتعال پیدا ہوا۔ یہ سب واقعات ۱۹۳۱ء کے دوران ہی پیش آئے۔ یوں مسلمانوں کے جذبات میں سختی آتی گئی۔ پھر تاریخی طور پر اگر ہم مسلمانوں کی غلامی اور پھر ان کی آزادی کی تحریک پر نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جتنا مذہب کے بارے میں حساس واقع ہوا ہے، کسی اور کے بارے میں نہیں ہے۔ جسمانی مشقتیں اور ناانصافیاں ہمیشہ برداشت کر لیتا ہے، مگر جب اس کے مذہب کی توہین کی جائے یا اسے مذہب کے معاملات میں روکا جائے تو پھر مسلمان کو دنیا کی کوئی طاقت زیر نہیں کر سکتی۔ ۱۹۳۱ء کے واقعات میں سب سے زیادہ دخل انہی مذہبی ناانصافیوں کا ہے۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے بعد کے واقعات

غلام قوم پر جب تک جبر و تشدد کے پہاڑ نہ ٹوٹیں، اس وقت تک نہ تو غلام قوم کے افراد میں غلامی کا احساس پیدا ہوتا ہے اور نہ آزادی کی تڑپ پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے حقوق حاصل کرنے کی طرف توجہ بھی نہیں دیتے۔ یہ درست ہے کہ سامراج کی طرف سے جبر و تشدد جوں بڑھتا ہے، محکوم قوم میں مزاحمت کا جذبہ اسی شدت سے ابھرتا چلا جاتا ہے۔ غلام قوموں کی زندگی میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ جب وہ کسی معمولی مطالبے کو سامراج کے حضور پیش کرتے ہیں تو سامراج اس پر بھی بپھر جاتا ہے۔ کیونکہ اسے غلام قوم کے ہر مطالبے کے پردے میں آزادی کی شعلہ بداماں دیوی نظر آتی ہے۔ اس لئے سامراج غلام قوم کی اس معمولی جرأت کو بغاوت خیال کرتا ہے اور اپنی بے پناہ قوت کے ساتھ محکوم افراد پر چڑھ دوڑتا ہے۔ اپنے خیال کے مطابق وہ کامیاب ہو جاتا ہے، مگر یقیناً ایسا نہیں ہوتا۔ سامراج کے وحشیانہ جبر و تشدد سے محکوم وقتی طور پر سہم جاتا ہے، مگر اس کے سینے میں ایک خوفناک طوفان برپا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ سینے میں اس کی گنجائش نہیں رہتی تو باہر آ جاتا ہے۔ جب طوفان باہر آ جاتا ہے تو سامراجیت اس طوفان میں خس و خوشاک کی طرح بہہ

جاتی ہے۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو ڈوگرہ فوج کی وحشیانہ کارروائی نے جس طرح معصوم لوگوں کی زندگی کے چراغ گل کئے، جس طرح باعصمت عورتوں کو سڑکوں پر گھسیٹا بچوں کو جس طرح گولیوں کا نشانہ بنایا، مسلمانوں کے سینوں میں طوفان برپا کرنے کے لئے کافی تھا۔

اسمٰعیل نامی شخص کی گرفتاری اور اس پر مسلمانوں کے احتجاج کی شدت نے ڈوگرہ حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی بات سنے۔ چنانچہ اس سلسلے میں نمائندوں کو بلایا گیا۔ جموں کی ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن نے اپنے چار نمائندے جن میں مستری یعقوب علی۔ سردار گوہر رحمان۔ چوہدری غلام عباس اور شیخ عبدالحمید شامل تھے، منتخب کئے۔ ریڈنگ روم پارٹی والوں نے خانقاہ معلی سرینگر میں اپنے نمائندوں کا انتخاب کیا۔ عوام کی حاضری (۱) ۵۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ یہاں سات نمائندے منتخب کئے گئے، جن میں خواجہ سعیدالدین شال، میرواعظ محمد یوسف شاہ، میرواعظ احمداللہ ہمدانی، آغا سید حسین جلالی، خواجہ غلام احمد عشائی، منشی شہاب الدین اور شیخ محمد عبداللہ شامل تھے۔ جونہی یہ میٹنگ ختم ہوئی اور لوگ مسجد سے باہر نکلے، باہر ایک نوجوان عبدالقدیر نے لوگوں کو مجمع لگا کر ایک پرجوش تقریر کر ڈالی۔ (۲) جسٹس یوسف صراف کے مطابق یہ شخص ایک انگریز افسر میجر بٹ کا ملازم تھا، جو یارک شائر رجمنٹ کا تھا۔ وہ پشاور میں سروس کر رہا تھا اور عبدالقدیر اس افسر کے ساتھ کشمیر آیا تھا۔ مصنف مذکور کے مطابق یہ شخص امروہا (Amoroha) یو۔پی کا رہنے والا تھا۔ شیخ عبدالکریم سابق افسر سی آئی ڈی کشمیر کے مطابق عبدالقدیر بہاولپور کا باشندہ تھا اور سیاحوں کی رہنمائی کے لئے کراچی، یوپی، پشاور اور کشمیر جایا کرتا تھا اور کشمیر میں ایک انگریز سیاح کے ساتھ رہا کرتا تھا

(۳) سردار ابراہیم نے اسے شمال مغربی سرحدی صوبے کا پٹھان قرار دیا ہے۔ (۴) پروفیسر سرور عباسی نے بھی اسے صوبہ سرحد کا رہنے والا لکھا ہے اور انگریز کا

---

(۱) (۲) جسٹس صراف ص ۳۰۳، جلد اول

(۳) آئینہ کشمیر ص ۵، (۴) سردار محمد ابراہیم "جنگ آزادی" ص ۲۲

خانساماں بتایا ہے۔(۱)

عبدالقدیر نے تقریر کی تھی یا نہیں، یا کس مقام پر کی تھی، اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہفت روزہ "لیل و نہار" کے مضمون نگار کے مطابق ۲۱ جون کو جامع مسجد خانقاہ معلی میں ہونے والے جلسوں میں اس نے ایک پرجوش تقریر کی اس پر اس کو ۲۵ جون کو گرفتار کر لیا گیا(۲) کلیم اختر نے بھی جامع مسجد میں اس تقریر کا حوالہ دیا ہے اور چند الفاظ بھی عبدالقدیر کی تقریر کے درج کئے ہیں:۔

"مسلمانوں کو دنیا و جہاں کی بادشاہی سے زیادہ مذہب، قرآن کریم و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت عزیز ہے۔ مسلمان مداخلت فی الدین اور اس کی توہین کبھی برداشت نہیں کرتا۔"(۳)

عبداللہ قریشی نے لکھا ہے کہ:۔

"یہ نگیں باغ سرینگر میں مقیم تھا۔ اس نے کشمیری نمائندوں کو کہا کہ اگر مہاراجہ مطالبات نہ مانے تو اسے سنگ و خشت سے منا لو۔" یہ الفاظ کسی سی آئی ڈی والے نے سن لئے۔ اس کی رپورٹ پر اسے گرفتار کیا گیا۔(۴)

"مسلمانوں کے ایک نمائندہ وفد نے مہاراجہ کو اپنے مطالبات پیش کئے چنانچہ ملاقات کے بعد یہ وفد جب محل سے باہر نکل رہا تھا تو عین اس موقع پر عبدالقدیر نام کے ایک پست قد پٹھان نے وہاں پہنچ کر ایک اشتعال انگیز تقریر شروع کر دی اور نہ صرف ریاست کے ہندو باشندوں بلکہ مہاراجہ کو بھی سخت سست کہا اور اس کے رویے کی سخت مذمت کی۔"(۵)

عبدالقدیر کو اس تقریر کی پاداش میں ۲۵ جون کی صبح کو اس کی رہائش گاہ (ایک ہاؤس بوٹ) سے گرفتار کر لیا گیا، جہاں وہ اپنے انگریز افسر کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا عبدالقدیر کی گرفتاری کی خبر فوراً شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں نے اس پر سخت غصہ کا اظہار کیا اور چند دن بعد جب اسے مقدمہ کی خاطر جیل سے عدالت لایا جا رہا تھا تو مسلمانوں کا ایک ہجوم اس کے پیچھے تھا۔ دوسری پیشی پر مقدمہ جیل کے اندر ہی

---

(۱) نوائے وقت راولپنڈی ۱۲ جولائی ۱۹۷۸ء (۲) ہفت روزہ "لیل و نہار" ۱۳ جولائی ۱۹۸۵ء (۳) کلیم اختر "شیخ عبداللہ" فیر کشمیر ص ۱۲۰ (۵) آلہادر کشمیر ص ۱۷۳ (۶) سردار محمد ابراہیم ص ۴۰

چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ مسلمان جیل کے باہر جمع ہو گئے اور جیل جانے پر اصرار کرنے لگے۔ مگر اپنے وکیل مولوی عبداللہ کے کہنے پر خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد گورنر جیل آ پہنچا اور اس نے چند گرفتاریاں کر کے صورت حال کو بگاڑ دیا۔ عوام میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ انہوں نے حکومت کے خلاف نعرے لگانا اور اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ شروع کر دیا۔ جیل کے دروازے پر لوگ جمع ہو گئے اس صورتحال کو دیکھ کر وحشی گورنر نے فائرنگ کا حکم دے دیا۔ اس وحشیانہ فائرنگ سے ۲۱ مسلمان شہید ہو گئے اور چالیس زخمی ہوئے۔ اس واقعے سے سراسیمگی، خوف اور نفرت ہر طرف پھیل گئی۔ مشتعل ہجوم نے جیل کو آگ لگا دی اور شہدا کے جنازے اٹھا کر جامع مسجد کو چل دیئے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے اجتماع کی جگہ تھی۔ راستے میں مہارج گنج میں یہ واقع پیش آیا کہ ہندوؤں کو دکانیں بند کرنے کے لئے کہا گیا مگر انہوں نے شہداء کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں کی دکانوں کو برباد کر دیا گیا اور کچھ کو آگ لگا دی گئی۔ شہداء کو جامع مسجد میں رکھا گیا۔ زخمیوں کو سرکاری ہسپتال میں جگہ نہ دی گی تو ایک مشنری ہسپتال کے ایک ڈاکٹر نے انہیں داخل کر لیا۔

جنس صراف لکھتے ہیں

" یہ ایسی رات تھی، جب کسی گھر میں نہ کھانا پکا اور نہ کسی نے کچھ کھایا۔ سارا شہر مغموم تھا۔ اسی اثنا میں کرفیو لگا دیا گیا۔ شہر فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ شہداء کو دفنانے کے لئے صرف ۲۶ افراد کو اجازت دی گئی، مگر اس موقع پر خواتین باہر آگئیں اور ایک جلوس کی شکل میں شہداء کے جسد خاکی کو دفنا دیا گیا۔ آج وہ جگہ مزار شہداء کہلاتی ہے۔ اسی رات جموں سے آنے ہوئے نمائندوں غلام عباس، گوہر رحمان دار مستری یعقوب علی کو گرفتار کر لیا گیا جبکہ دوسرے دن سرینگر کے چیدہ چیدہ افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ جن میں شیخ عبداللہ کے علاوہ ۳۳۶ افراد گرفتار کئے گئے اور پنڈت پریم ناتھ بزاز کے مطابق جس ہندو کو کسی مسلمان سے ذرا بھر بھی پرخاش تھی، اسے گرفتار کرا دیا۔ (۱)

---

(۱) بزاز ص ۵۴، جنس صراف ۲، ۳ جلد اول

جذبات ذرا تھمے تو لیڈروں کو رہا کر دیا گیا، مگر تحریک جاری رہی۔ لوگ جامع مسجد میں جمع ہوتے اور گرفتاریاں پیش کرتے۔ خواتین نے بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ شیخ عبداللہ اب کافی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ جب دوسری بار گرفتار ہوئے تو جامع مسجد میں لوگوں پر پھر فائرنگ کی گئی، جس میں دو افراد شہید اور ۳ زخمی ہو گئے۔ اسلام آباد، جو وادی کا ایک اور قصبہ ہے، وہاں فوج نے ایک ہجوم پر اندھا دھند فائرنگ کر کے ۲۵ افراد کو شہید اور ۱۵۰ کو زخمی کر دیا۔ شوپیاں میں ۵ افراد کو شہید کر دیا گیا اور ہندوؤں نے شہر کو لوٹ لیا۔ بلکہ مسلمان عورتوں کی عزتوں کو بھی لوٹا گیا۔ احتجاج و ہڑتالیں وادی کے علاوہ جموں میں بھی پھیل چکی تھیں۔ مہاراجہ نے شیخ عبداللہ کو رام کرنے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔

ادھر جموں میں، جب اس واقعہ کی اطلاع پہنچی، تو لوگوں نے اس کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ غلام حیدر، غلام پہلوان اور بہت سے دوسروں نے راہنمائی کی۔ مسلمانوں کے جذبات سخت مشتعل تھے۔ اس واقعہ کی خبر سارے جموں میں پھیل گئی۔ یہاں کے اہم واقعات کی اطلاع بڑی جلدی ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھی۔ اس کے لئے ہر گاؤں والے اکٹھے مل کر اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعرے لگاتے۔ ایسا ہی عمل دوسرے گاؤں والے کرتے اور یوں بات سارے علاقے میں پھیل جاتی۔ اس طریقے پر میرپور میں زیادہ عمل کیا گیا۔ اس اثنا میں یہ واقعہ جموں میں ہندو مسلم فسادات کی شکل اختیار کر گیا، جس میں دونوں طرف سے جانی نقصان ہوا۔ حالات اتنے بے قابو ہو گئے کہ شہر کو فوج کے حوالے کرنا پڑا فوج نے شہر میں کرفیو لگا دیا۔ دوسری طرف جموں ہی کے ایک ضلع میرپور میں تحریک زور پکڑ گئی۔ یہاں زمینوں پر ٹیکس کا معاملہ تھا، جس پر لوگوں نے احتجاج کیا۔ سردار گوہر رحمان جموں سے ٹیکس کے خلاف مہم چلانے کے لئے میرپور پہنچ گئے تھے۔ جموں و وادی کے عوام پر ظلم و ستم کی داستان بھی پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ لوگوں نے جلوس نکالنے شروع کئے۔ یہ تحریک میرپور کے نواحی قصبوں اور کوٹلی میں بھی جلد ہی پھیل گئی۔

۲۱ جنوری ۱۹۳۲ء کو لوگ میرپور میں عید گاہ میں نماز جمعہ کے لئے جمع ہونے حکومت نے منع کیا مگر لوگوں نے نماز پڑھی اور اس کے بعد وہاں ہی جلسے کی

شکل اختیار کر لی۔ ایک ڈوگرہ رسالے نے عید گاہ کو گھیر لیا اور لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ۲۵ افراد موقع پر شہید ہو گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ کوٹلی میں ہڑتال کے نتیجے میں چار افراد شہید ہوئے۔ مگر اس تشدد کے باوجود میرپور میں تحریک دب نہ سکی۔ ڈوگرہ پولیس اور فوج حالات پر قابو پانے میں ناکام رہی اور برطانوی فوج کی مدد حاصل کی گئی، جو جالندھر سے منگوا کر جموں اور میر پور میں تعینات کر دی گئی اور ایئر فورس کی مدد بھی حاصل کر لی گئی۔ انتظامیہ تبدیل کر دی گئی اور انگریز آفیسر مقرر کر دیئے گئے۔ اس دوران مہاراجہ سارے قیدیوں کی رہائی اور آرڈیننس واپس لینے کا اعلان کر چکا تھا۔ یہ اعلان اس نے اپنی سالگرہ کے موقع پر کیا اور مسلمان نمائندوں کو کہا کہ وہ اپنی شکایات پیش کر دیں۔ ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ مسلمانوں کا لہو پھر بہنے لگا۔ پونچھ کے مفتی ضیاء الدین کو ریاست بدر کر دیا گیا، جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ شیخ عبداللہ کو اس احتجاج کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا۔ چنانچہ احتجاج شدت اختیار کر گیا۔ بارہ مولا میں فوج نے فائرنگ کر کے ۳ افراد کو شہید کر دیا، جن میں ایک عورت شامل تھی۔ عورت کی شہادت پر مزید اشتعال پھیل گیا۔ سوپور میں مظاہرین پر فائرنگ سے ۱۴ افراد، اوڑی میں ۹ افراد اور ہند واڑے میں ۲۲ افراد شہید کر دیئے گئے۔ صورت حال اب پھر مہاراجہ کے قابو سے باہر ہو گئی اور اس نے باقاعدہ وائسرائے ہند سے امداد طلب کر لی۔ اس کی درخواست پر انگریز فوج کشمیر میں داخل ہو گئی اور اس کے بعد ۱۲ نومبر کو ایک کمیشن قائم ہوا۔ یہ کمیشن گلینسی کمیشن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے اس کے سامنے ایک مکمل آئینی حکومت کا مطالبہ پیش کیا۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے واقعات کے نتائج اور اثرات

کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی تاریخ میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس روز طویل غلامی کے بعد ڈوگرہ آمریت اور جبر و استبداد کے خلاف نفرت کا دھارا امڈ پڑا اور یہی آزادی کے طویل سفر کا پہلا قدم بھی تھا۔ ۱۳ جولائی کشمیر کی تاریخ میں وہ دن تھا، جب ظلم اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ مگر یہی وہ بھی

دن تھا، جب محکوموں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو ظلم نے اپنی انتہا کر دی، مگر لہو بہانے والوں نے بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ وحشی ڈوگرہ فوجیوں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی، مگر سینے تان کر کھڑے ہونے والوں نے بھی شجاعت کی نئی تاریخ رقم کی۔ غلامی و ظلم کے خلاف بپھرے ہوئے جذبات کی انتہا دیکھئے کہ ظالموں کی گولیوں سے ۲۱ افراد موقع پر شہید ہوئے اور بے شمار زخمی۔ مگر مجمع پھر بھی منتشر نہ ہوا۔ عوام سینے تان کر آگے ہی بڑھتے رہے سرفروشوں نے سر کٹانے میں ذرا تامل یا خوف محسوس نہ کیا۔ وہ یہ جان گئے تھے کہ دھرتی لہو مانگتی ہے۔ آزادی قربانی مانگتی ہے۔ اس لئے برستی گولیوں میں بھی شجاعت کے یہ پیکر تاریخ آزادی کا اولیں باب شہادت کے سرخ خون سے رقم کرتے ہوئے استقامت کے ساتھ کھڑے رہے۔ ان جانثاروں نے شجاعت کے وہ انمٹ نقوش چھوڑے، جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ رہیں گے۔ انکوائری کرنے والا ایک انگریز افسر لکھتا ہے کہ گولیاں سب کے سینوں میں لگی تھیں۔ ایک بھی ایسا نہ تھا، جس کی پشت پر گولی لگی ہو۔ ایک شہید جامع مسجد سرینگر میں شہادت سے چند لمحے قبل شیخ محمد عبداللہ سے کہتا ہے۔ "عبداللہ ہم نے اپنا کام کر دیا، اب آپ کا کام باقی ہے"۔ مگر کس نے کیا کیا۔ شہیدوں کے لہو سے کس نے بیوپار کیا، کوئی بھی بری الذمہ نہیں۔

۱۳ جولائی کے بعد جو تحریک چلی، اس نے سارے کشمیر میں آزادی کی ایک لہر برپا کر دی اور ریاست کے ہر مشہور قصبے کے لوگوں نے قربانیاں دیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ڈوگرہ فوج کی گولیوں سے اس احتجاجی تحریک میں، جو حقیقتاً آزادی کی تحریک تھی، تقریباً ۱۵۰ اشخاص شہید ہوئے اور زخمی ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

جدوجہد جاری رہتی ہے۔ مارچ ۱۹۳۲ء میں گلینسی کمیشن نے اپنی سفارشات مہاراجہ کو پیش کر دیں۔ مسلمانوں کی شکایات کا کافی حد تک ازالہ کیا گیا اور ایک ایسی حکومت کی طرف قدم اٹھایا گیا، جس میں عوام کے نمائندے بھی شامل ہو سکیں۔ اس کے فوری بعد جون ۱۹۳۲ء میں مسلمانوں کی جدوجہد خالصتاً آئینی شکل اختیار کر گئی۔ مسلمانوں نے مل کر ایک سیاسی جماعت کی داغ بیل ڈالی، جس کا

نام " مسلم کانفرنس " تجویز ہوا ۔ شیخ محمد عبداللہ صدر اور جنرل سیکرٹری چوہدری غلام عباس منتخب ہوئے ۔ اس کے بعد مسلمانوں کی سرگرمیاں پرامن طریقے پر جاری رہیں ۔ مگر جنوری ۱۹۳۴ء میں اسلام آباد ضلع میں زمین کے ایک تنازعے پر ہندو مسلم ٹکراؤ ہو گیا ۔ انتظامیہ ہندوؤں کی حمایتی تھی ۔ مسلمانوں کے احتجاج پر فائرنگ کر کے ۱۲ افراد شہید اور کئی زخمی کر دیئے گئے ۔ ایک دوسری جگہ ۳ افراد شہید کر دیئے گئے ۔ اس احتجاج میں ایک بار پھر تمام کشمیری رہنماؤں نے حصہ لیا اور جیل بھیج دیئے گئے ۔ اس دوران گلینسی کمیشن کی سفارشات پر جو کمیٹی مقرر کی گئی تھی ، اس نے الیکشن کا اعلان کیا ۔ مسلمان رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا ۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۴ء کو الیکشن ہوئے ۔ مسلمانوں کے لئے جتنی سیٹیں مختص ہوئی تھیں ، وہ سب مسلم کانفرنس نے بلا مقابلہ جیت لیں ۔

۱۹۳۵ء میں شیخ محمد عبداللہ کی فکر تبدیل ہونی شروع ہو گئی ۔ ان کے ساتھ پنڈت پریم ناتھ بزاز تھے ، جو مشہور کشمیری مصنف ہیں اور آزادی کشمیر کے پرجوش حامی ہونے کی وجہ سے کشمیر کے سارے مسلمان آج بھی ان کا بے حد احترام کرتے ہیں ۔ شیخ محمد عبداللہ نے پنڈت بزاز کے ساتھ مل کر نیشنل ازم کے تحت تحریک چلانے کا منصوبہ بنایا ۔ اس پر کام شروع کیا اور مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کرنے کی مہم شروع کی ۔ ابتدا میں کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی مگر جون ۱۹۳۹ء میں اس کا نام تبدیل کر کے نیشنل کانفرنس رکھا گیا اور اس کے بعد متحدہ طور پر حکومت کو مزید مطالبات پیش کئے گئے ۔ اس کے جواب میں ۱۹۳۹ء میں ایک نیا آئینی ڈھانچہ بنا ، جس میں منتخب اشخاص کو زیادہ نمائندگی دی گی ۔ ۱۹۴۰ء میں مسلم کانفرنس کا دوبارہ احیا ہوا اور اس طرح کشمیر کے مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ۔ اس دوران ۱۹۴۱ء میں ہندی کو کشمیر میں اردو کی جگہ لانے کی کوششوں کے سلسلے میں احتجاج ہوا اور نیشنل کانفرنس کے ممبروں نے اسمبلی سے استعفے دے دیئے ۔ ۱۹۴۳ء میں جموں میں خوراک کا معاملہ سنگین ہو گیا ۔ مسلمانوں پر گولیاں برسائی گئیں ۔ ۹ افراد شہید اور ۳ زخمی ہوئے ۔

۱۹۴۴ء میں قائداعظم کشمیر کے دورے پر تشریف لائے ۔ دونوں پارٹیوں نے دعوتیں دیں ۔ قائداعظم نے اتحاد کی کوشش کی ، جو ناکام رہی ۔ ۱۹۴۵ء میں پریس

پر پابندی لگی۔ ۱۹۴۶ء میں صحافیوں نے ایک انجمن بنا ڈالی۔

"کشمیر چھوڑ دو" تحریک

کابینہ مشن کے ہندوستان آنے اور آزادی ہند کے فارمولے کے بعد نیشنل کانفرنس نے اس مشن کو ایک یادداشت پیش کی، جس میں کشمیریوں کو مکمل آزادی دینے کی مانگ کی گئی۔ اس یادداشت کے اقتباسات جسٹس صراف نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ ۱۵ مئی ۱۹۴۶ء کو شیخ عبداللہ نے ایک زبردست تقریر سے اس تحریک کا آغاز کیا۔ یہ تحریک جلد ہی سارے علاقوں میں پھیل گئی۔ مسلم کانفرنس نے اس میں شمولیت اختیار نہ کی تھی۔ صرف نیشنل کانفرنس اس کی محرک تھی۔ اس تحریک میں تقریباً ۲۲ افراد شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے شیخ محمد عبداللہ کو جیل بھیج دیا گیا۔

جہاد آزادی ۱۹۴۷ء کا پس منظر

تحریک آزادی کشمیر میں ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے عظیم واقعے کے بعد کشمیریوں کی طرف سے یہ دوسری بڑی کوشش تھی، جس میں انہوں نے غلامی کا جواء اتار پھینکنے کی بھرپور جدوجہد کی۔ حالات کی تبدیلیوں کو گہری نظر سے دیکھا جائے تو ایسا ہونا ناگزیر ہو چکا تھا۔ مگر تقسیم نے یہ صورت حال جلد برپا کر دی۔ محکوم پہلے ظلم کے خلاف صرف آواز بلند کرتے ہیں اور سامراج جب اس آواز کو دبانے کے لئے جبر و تشدد کا سلسلہ مزید دراز کرتا ہے تو محکوم کی فکر جبر و تشدد کے مقابلے کی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ جبر و تشدد کا توڑ صرف اس بات میں ہے کہ جس زبان میں سامراج بات کرتا ہے، اسی زبان میں اس سے نمٹا جائے۔ ۱۹۳۱ء اور اس کے بعد عوام نہتے تھے، چنانچہ ڈوگرہ فوجیوں نے انہیں گولیوں سے چھلنی کرنے میں ذرا دریغ نہ کیا۔ یہ دور کشمیری عوام نے نہتے ہی ظلم کا مقابلہ کرتے ہوئے گذار دیا۔ اس کا ناگزیر نتیجہ ہتھیاروں کی شکل میں نکلنا تھا، جو ۱۹۴۷ء میں سامنے آیا اور محکوم کشمیریوں نے ڈوگرہ ظلم کے خلاف بندوق تھام لی۔ غلامی کی چکی میں پسے ہوئے کشمیریوں نے انتہائی بہادری سے مہاراجہ کی فوجوں سے مقابلہ کیا اور انہیں

شکست فاش دی۔

جہاد آزادی ۱۹۴۷ء کے واقعات

جوں ہی تقسیم ہند کا اعلان ہوا ، بھارت و پاکستان معرض وجود میں آگئے ۔ دونوں ملکوں سے آبادی نے نقل مکانی کرنی شروع کر دی ۔ بھارت کے علاقوں سے جن مسلمانوں نے ہجرت شروع کی ، بہت کم پاکستان پہنچ سکے ۔ کیونکہ سکھ اور ہندو مسلمانوں کے ان قافلوں پر حملہ کر کے لوٹ لیتے ۔ بہت سے لوگوں کو قتل کر دیتے اور عورتوں کو اغوا کر لیتے ۔ تقسیم کا یہ سب سے زیادہ خوفناک اور دردناک پہلو تھا ۔ خصوصاً مسلمان قافلوں کی تباہی ایک ایسا حادثہ تھا ، جس کے زخم آج تک مٹائے نہ مٹ سکے ۔ زیادہ نقصان مسلمانوں کو اٹھانا پڑا ۔ ہندوؤں کو صرف وہاں نقصان اٹھانا پڑا ، جہاں کہیں انہوں نے مزاحمت کی ۔ ہندوستان کے یہ اثرات ریاست کشمیر پر بھی پڑے ۔ مگر اس سلسلہ میں جموں میں مسلمانوں کو ختم کرنے کی مکمل کوشش کی گئی اور لاتعداد مسلمانوں کو شہید اور بے شمار عورتوں کو اغوا کر لیا گیا ۔ تعداد کا تعین ممکن نہیں ۔ کشمیر ٹائمز کے ایڈیٹر مسٹر جے ۔ کے ریڈی بیان کرتے ہیں ۔

"گذشتہ دس دنوں میں ریاست کشمیر کے صوبہ جموں میں بیس ہزار سے زائد بے گناہ مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ۔ جموں کے تمام دیہات سے مسلمانوں کو بے دخل اور فنا کرنے کے لئے ایک باقاعدہ پروگرام بنایا گیا ۔ (۱) ایک محتاط اندازے کے مطابق جموں کے ان فسادات کے دوران (۲) ۲۵ ہزار سے زائد مسلمان لڑکیوں کو اغوا کیا گیا ۔ جسٹس صراف (۳) نے اغواء ہونے والی ایک لڑکی کی روئیداد اس کے حوالے سے بیان کی ہے ، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کشمیر کی ان بیٹیوں کے ساتھ کیسا وحشیانہ سلوک کیا گیا ۔ ان میں سے کچھ کو زبردستی ہندو بنا لیا گیا ۔ کچھ کو بھارتی حسن کے بازاروں میں بیچ دیا گیا اور کچھ کو قتل کر دیا گیا غیرت مسلم کی یہ ارزانی بڑی عبرت انگیز ہے ۔

جموں میں مسلمانوں کی تباہی کی خبر نے حالات کو سنگین تر بنا دیا۔ مگر اس سے پہلے پونچھ کے مسلمانوں نے ڈوگرہ فوج کے خلاف ہتھیار سنبھال لئے تھے۔ کیونکہ پونچھ میں سابقہ فوجی خاصی تعداد میں تھے اور ان کے پاس ہتھیار بھی تھے۔ چنانچہ مجاہدین کشمیر نے جلد ہی باغ۔ راولا کوٹ اور پلندری وغیرہ کو آزاد کرا لیا۔ جب کہ مظفرآباد میں قبائلی داخل ہونے اور ڈوگرہ فوج کو مار بھگایا اور اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ ۲۵ اکتوبر کو قبائلی بارہ مولا میں داخل ہو گئے۔ جموں کے ضلع میرپور میں بھی مجاہدین نے آغاز اکتوبر سے ہی کارروائی شروع کر دی تھی۔ مختلف قصبوں میں مزاحمت کی گئی۔ میرپور میں مزاحمت زیادہ سخت تھی۔ مگر مجاہدین نے اسے آزاد کرا لیا۔ اسی طرح کوٹلی، جو اس وقت میرپور کی ایک تحصیل تھی، کی طرف مجاہدین نے آزاد پتن پر قبضہ کرنے کے بعد پیش قدمی شروع کر دی اور جلد ہی کوٹلی میں داخل ہو گئے۔ ان مجاہدین کی قیادت کوٹلی کے ہنجیرہ گاؤں کے کپتان دلیر خان کر رہے تھے۔ ان مجاہدین نے کوٹلی میں مزاحمت کو کچل ڈالا اور اسے فتح کر لیا۔ اسی طرح ان مجاہدین نے کھوئی رٹہ اور سیری پر بھی قبضہ کر لیا۔

مجاہدین کے داخل ہونے کے بعد ریاست کی صورت حال بہت پیچیدہ ہو گئی۔ مہاراجہ جموں سے بھاگ گیا اور قبائلیوں کے داخل ہونے کے چار دن بعد بھارت سے الحاق کر لیا، جس کی آڑ لے کر بھارتی فوج حرکت میں آ گئی۔ جب مجاہدین نے بارہ مولا سے سرینگر کی طرف پیش قدمی کی تو بھارتی فوج سرینگر میں مورچہ بندی کر چکی تھی۔ مجاہدین نے سرینگر پر حملے کی دو بار کوشش کی مگر انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ جنرل اکبر خان نے، جو جنرل طارق کی حیثیت سے کشمیر کی جنگ آزادی کی نگرانی کر رہے تھے، سرینگر پر حملے کے لئے پاکستان سے دو بکتر بند گاڑیاں مانگیں جو نہ دی گئیں (۱) نتیجہ یہ ہوا کہ قبائلیوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا اور ۲۵ نومبر ۱۹۴۷ء تک سرینگر سے ۶۵ میل پیچھے اوڑی تک ہٹ آئے۔ اس وقت تک پاکستان کی ساری حکومت کشمیر میں مداخلت کے خلاف تھی اسی لئے قبائلیوں کو اور نہ مقامی مجاہدین کو کسی قسم کی مدد دی گئی۔ حالانکہ اسلحہ کی ان مجاہدین کو سخت

---

(۱) ملاحظہ ہو۔ کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس، ترجمہ عنایت اللہ

ضرورت تھی۔ مگر اس موقع پر مصلحت، بزدلی اور منافقت کا مظاہرہ کیا گیا۔ جس کی تفصیل جنرل اکبر خان کی کتاب "Raiders in Kashmir" ۔ جس کا ترجمہ "مدیر حکایت ۔ عنایت اللہ نے "کشمیر کے حملہ آور اور" پنڈی سازش کیس ۔ کے زیر عنوان کیا ہے ، میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جب بھارتی فوجوں نے تیزی سے پیش قدمی کی تو پاکستان کو اپنی سلامتی کی فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ ۳۰ اپریل ۱۹۴۸ء کو پاکستان فوج کے کمانڈ انچیف جنرل گریسی نے حکومت پاکستان کو تجویز پیش کی کہ وہ اپنی سرحد کو محفوظ کرنے کے لئے دشمن کو اوڑی۔ پونچھ۔ نوشہرہ لائن پر روکے چنانچہ اس کے بعد پاکستان کی فوج نے مداخلت کی اور بھارت مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں لے گیا۔ فائر بندی کے نتیجے میں چار ہزار مربع میل علاقہ، جسے آزاد کشمیر کہتے ہیں، آزاد ہوا اور ۲۹ ہزار مربع میل کا سرحدی صوبہ، جس میں گلگت بلتستان شامل ہے، (جسے پاکستان نے اپنے کنٹرول میں لے لیا) ڈوگرہ اور بھارتی تسلط سے آزاد کرا لیا گیا۔

جہاد آزادی ۱۹۴۷ء کے نتائج

جہاد آزادی ۱۹۴۷ء ایک عمدہ کوشش تھی مگر اس کے نتائج مثبت برآمد نہ ہو سکے۔ ان نتائج کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) کشمیر کو تین ٹکڑوں میں منقسم کر کے قوت کو کمزور کر دیا گیا، جو حصہ بھارت کے حصے میں آیا، اس میں بھارت نے کٹھ پتلی سجا دی۔ جو پاکستان کے حصہ میں آیا، اس کے ایک حصہ پر کٹھ پتلی سجانا ضروری سمجھا گیا۔ جبکہ گلگت بلتستان کے لئے اسے بھی ضروری نہ سمجھا گیا۔

(۲) جموں اور وادی سے بہت سے لوگ ہجرت کر کے آزاد کشمیر میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں کو آزاد کشمیر میں بسانے کے بجائے گوجرانوالہ اور جھنگ کے دور دراز علاقوں میں بسایا گیا، جس سے ان لوگوں کے دلوں سے آزادی کے جذبے کو مٹا دیا گیا اور آزادی کی جدوجہد میں ہم ایک بڑی قوت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔

(۳) جموں کے مسلم اکثریت کے علاقوں سے مسلمانوں کا انتہائی کسمپرسی کی حالت میں اخراج اس لحاظ سے انتہائی خطرناک ثابت ہوا کہ اس صوبے میں غیر مسلموں کو اجارہ داری حاصل ہو گئی اور مسلمانوں کی قوت کمزور ہو گئی۔

(۴) ہر دو حصوں میں کٹھ پتلی سجا کر کرسی اقتدار کو سیاستدانوں کی توجہ کا مرکز بنا دیا گیا۔ سیاستدان ان کٹھ پتلی حکومتوں کے لئے محو رقص ہو گئے اور قوم آزادی کی جدوجہد کی ذمہ داری سے عاری ہو گئی۔

۱۹۴۷ء کی جنگ آزادی کشمیریوں کی طرف سے پہلی عوامی مسلح جنگ تھی۔ کشمیریوں نے یہ جنگ ایک زبردست قوت مدافعت سے لڑی۔ مگر ہزاروں جانوں، ہزاروں بیٹوں کی عصمتوں اور ہزاروں بچوں کی قربانیوں کے باوجود کشمیریوں کی غلامی کی زنجیریں نہ ٹوٹ سکیں اور کشمیری ایک نئی مگر پہلے سے بدتر غلامی میں چلے گئے۔

کشمیر لبریشن موومنٹ:۔

کشمیری لیڈروں کی طرف سے بظاہر یہ ایسی کارروائی تھی، جس کا مقصد کشمیر کا اتحاد اور آزادی تھا۔ اس تحریک کے قائد چوہدری غلام عباس مرحوم تھے۔ تحریک کا فوری محرک اپریل ۱۹۵۸ء میں صرف ۳ ماہ پہلے شیخ عبداللہ مرحوم کی گرفتاری تھی۔ اس میں آزاد کشمیر کے تقریباً تمام چیدہ چیدہ سیاسی رہنماؤں نے شرکت کی تھی، جن میں چوہدری غلام عباس، کے ایچ خورشید اور سردار عبدالقیوم شامل تھے۔ تحریک کا آغاز مئی میں کیا گیا۔ اس کے صدر چوہدری غلام عباس اور جنرل سیکرٹری خواجہ محمد یوسف صراف تھے۔ تحریک کی وہ قرارداد قابل غور ہے، جو ۱۵ جون ۱۹۵۸ء کو راولپنڈی میں تحریک آزادی کشمیر کی لبریشن کمیٹی نے منظور کی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

"۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی ریاست جموں و کشمیر کی خود مختاری ریاستی عوام کو منتقل ہو گئی تھی اور انہیں اپنے مستقبل کے فیصلہ کا ناقابل انتقال اور ناقابل شکست حق حاصل ہو گیا تھا۔ ریاست کے عوام نے ڈوگرہ شاہی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، لیکن حکومت ہند نے نام نہاد الحاق

کا بہانہ بنا کر یہ مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش کر دیا۔ کشمیری عوام کو حق خود اختیاری دلانے میں اقوام متحدہ اور پاکستان کی ناکامی کے بعد اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا کہ امید و بیم کی یہ کیفیت جو دس برس سے قائم ہے، ختم کی جانے اور عوام اپنے مقدس حق کو حاصل کرنے کے لئے میدان میں نکلیں۔ اس لئے اب ۲۷ جون کو تحریک آزادی کشمیر کے رضاکار حد متارکہ عبور کریں گے اور اس طرف جدوجہد آزادی میں مصروف اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچیں گے۔(۱)

حکومت پاکستان نے دو ٹوک اعلان کر دیا تھا کہ حد متارکہ عبور کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ مگر K.L.M کی قیادت اپنے پروگرام پر عمل کرتی رہی۔ فیصلہ یہ ہوا تھا کہ ۲۷ جون کو چناری سے حد متارکہ عبور کی جائے گی۔ چنانچہ ۲۴ جون کو گوجرانوالہ سے ۳۰ کشمیری رضاکاروں نے مظفر آباد کی طرف مارچ کیا۔ حکومت نے سیالکوٹ اور راولپنڈی میں دفعہ ۱۴۴ لگا دی اور آزاد کشمیر جانے والی سڑکوں کی نگرانی شروع کر دی گئی۔ گوجرانوالہ کے رضاکاروں کو ایبٹ آباد میں گرفتار کر لیا گیا۔ چوہدری غلام عباس مظفر آباد جانے کے لئے کوہالہ پہنچے تو انہیں واپس کر دیا گیا۔ دوبارہ انہوں نے کے۔ ایچ۔ خورشید کے ساتھ کوہالہ پل عبور کرنے کی کوشش کی اور گرفتار ہو گئے۔ اسی اثنا میں کرنل شیر احمد نے قیادت سنبھالی۔ مظفر آباد میں سابق وزیر دفاع آزاد کشمیر راجہ حیدر خان کو ۵ ہزار رضاکاروں کی تیاری کے سلسلہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ ۲۷ جون کو رضاکاروں نے حد متارکہ عبور کرنے کے لئے مارچ شروع کر دیا۔ مگر پولیس نے چناری میں زبردست لاٹھی چارج کیا۔ لوگوں کو ٹرکوں میں بٹھا کر آزاد کشمیر سے باہر نکال دیا۔ رضاکاروں نے مختلف جگہ سے کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ۳ جولائی کو ۱۰ رضاکاروں کا ایک گروہ صوبہ جموں میں داخل ہو گیا۔ (۲) جسٹس یوسف صراف کے مطابق میرپور سے دس رضاکاروں کے ایک گروہ نے سالار محمد لطیف کی قیادت میں سیری کوٹلی سے سیز فائر لائن عبور کی اور بھارتیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی مختلف جگہوں سے کوشش کی گئی مگر اکثر لوگ گرفتار ہو گئے۔ جبکہ تحریک کی سندی قیادت پہلے ہی جیلوں میں بند تھی۔

---

(۱) ہفت روزہ لیل و نہار ۱۳ جولائی ۱۹۵۸ء

جسٹس صراف (۱) کے مطابق حکومت نے اقتدار کا لالچ دے کر تحریک ختم کرنے
کی اپیل کی تھی مگر سب نے انکار کر دیا۔ اس اثنا میں مارشل لاء کا نفاذ ہو گیا اور سارے رہنماؤں کی رہائی کا حکم دے دیا گیا۔

کشمیر میں ایک بار پھر لوگوں کو مادر وطن کی آزادی کی قیمت کا احساس دلایا گیا کیونکہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے تحریک آزادی پر ایک جمود ساطاری تھا۔ پاکستان کو بھی اس مسئلہ کا پھر احساس ہوا کہ سیاست بازی اس کا حل نہیں ہے۔ بھارت کی حکومت پریشان ہو گئی بلکہ نہرو نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر کو بتایا کہ ۱۹۴۸ء کے بعد پہلی بار وہ کشمیر کے بارے میں چوہدری غلام عباس مرحوم کی تحریک کے باعث پریشان کن حالات میں مبتلا ہوئے ہیں۔

جنگ ۱۹۶۵ء

تحریک آزادی کشمیر کی تاریخ میں یہ بھی ایک اہم موڑ تھا۔ بادی النظر میں پاکستان کی طرف سے یہ پہلی اور آخری دلیرانہ کارروائی تھی۔ کیونکہ اس کا منصوبہ حکومت پاکستان نے بنایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا منصوبہ میجر جنرل اختر حسین ملک نے بعض وزیروں کے مشورے سے بنایا تھا۔ (اس موضوع پر الگ بات ہو گی کہ کیا یہ جنگ واقعی کشمیر کی آزادی کے لئے تھی۔ کیونکہ بعد میں بے شمار متضاد انکشافات ہوئے ہیں) وادی اور جموں کے علاقے میں ہزاروں مجاہدین گھس گئے۔ ان مجاہدین میں آزاد کشمیر کی فوج کے جوان تھے اور کچھ معمولی تربیت یافتہ مجاہدین۔ یہ جنگ اس لحاظ سے یادگار ہے کہ اس میں کشمیر کے دونوں اطراف سے زبردست طریقے سے حصہ لیا گیا۔ ان مجاہدین کے گروپوں کو الگ الگ ٹارگٹ دیئے گئے، مگر شاید ہی کوئی ایسا ٹارگٹ ہو جو مجاہدین نے پورا نہ کیا ہو۔ بھارت کی پوزیشنوں کے درمیان ایسے ایسے مشکل ٹارگٹ مجاہدین نے جذبہ آزادی کے تحت پورے کئے کہ بھارتی حکومت بوکھلا گئی۔ مجاہدین کشمیر نے اپنی

---

(۱) جسٹس صراف ص ۳۲۲ جلد ۲

جانوں کی پروانہ کرتے ہوئے بھارتی فوجوں کی صفوں میں کھلبلی مچا دی۔ مگر ناقص منصوبہ بندی کی وجہ سے مقصد حاصل نہ کیا جا سکا۔ منصوبہ بندی کرنے والے جنرل اختر حسین ملک کا کمان سے ہٹا دیا جانا، مقصد کے حصول میں ناکامی کا سبب بنا۔ مگر اس کے باوجود منصوبہ ناقص تھا، پاکستان نے منصوبہ بنانے کے باوجود اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ منصوبہ ناکام ہوا، بے شمار کشمیریوں پر مقبوضہ علاقے میں جبر و تشدد کے پہاڑ ٹوٹے۔ بے شمار مجاہدین شہید ہوئے اور مستقبل کے لئے اس کے نتائج انتہائی حوصلہ شکن ثابت ہوئے۔ مقبوضہ علاقے میں بے شمار لوگوں نے مجاہدین کی مدد کی۔ مگر مجاہدین کی واپسی کے بعد ان کو ان کے گھروں سمیت جلا دیا گیا اور یہ بات دوسروں کے لئے عبرت بن گئی۔

جدید طرز پر آزادی کا آغاز

کشمیر میں جنگ گو ابھی وہ انداز اختیار نہیں کر سکی ہے، جو جدید دور میں محکوم قوموں نے اختیار کر رکھا ہے۔ مگر اس کا آغاز ہو چکا ہے۔ اقوام متحدہ کے رویے اور پاکستان کے کردار کے کھل کر سامنے آجانے کے بعد کشمیری حلقوں میں اس احساس نے کروٹ لینی شروع کر دی تھی کہ اب کشمیر کی آزادی کی جنگ صرف کشمیریوں کو لڑنی ہو گی اور وہ بھی مسلح جدوجہد کے ذریعے۔

چنانچہ ۱۹۶۵ء کے اواخر میں مقبول بٹ نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک گوریلا تنظیم "قومی محاذ آزادی" کی بنیاد رکھی اور پھر اس کو محاذ رائے شماری کا عسکری بازو قرار دیا۔ محاذ رائے شماری اپریل ۱۹۶۵ء میں سیالکوٹ میں تشکیل پا چکا تھا۔ اس لحاظ سے مقبول احمد بٹ عوام میں سے وہ پہلا شخص تھا، جس نے کشمیر میں گوریلا جنگ کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۶ء میں مقبول احمد بٹ اور میجر امان اللہ خان کی سرکردگی میں دو گروپ مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئے۔ چار ماہ تک یہ لوگ اپنی کارروائیوں میں مصروف رہے۔ مگر اس کے بعد ایک جھڑپ میں مقبول احمد بٹ اپنے ساتھیوں سمیت گرفتار ہو گئے، جبکہ اورنگزیب شہید ہو گئے

اور میجر امان اللہ واپس آ گئے ۔ حکومت پاکستان نے انہیں گرفتار کر لیا ۔ مقبول احمد بٹ اور ان کے ساتھ میر احمد کو ۱۸ اگست ۱۹۶۸ء کو حکومت ہندوستان نے سزائے موت اور ان کے ساتھی صوبیدار کالا خان کو عمر قید کی سزا سنائی لیکن ۹ دسمبر ۱۹۶۸ء کو مقبول احمد بٹ اپنے ساتھی میر احمد اور یسین کے ساتھ سرینگر جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور دشوار گزار برف پوش پہاڑ عبور کرنے کے بعد بمشکل آزاد کشمیر میں داخل ہو کر پاکستان کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ۔ ۳ ماہ بعد رہا ہوئے ، جبکہ میجر امان اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پاکستانی تفتیش کے بعد وہ سرگرم نہ رہے ۔ ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو بھارت کا ایک طیارہ "گنگا" سرینگر ایئر پورٹ سے اغوا کیا گیا اور اسے لاہور (پاکستان) ایئر پورٹ پر اتار دیا گیا ۔ ہائی جیکروں ہاشم قریشی اور اشرف قریشی نے اپنا تعلق قومی محاذ آزادی سے بتایا ۔ طیارے میں ۲۶ مسافر سوار تھے ۔ طیارہ جلا دیا گیا مگر مسافر حکومت پاکستان نے بچا کر واپس کر دیئے اور تھوڑے عرصہ بعد ہائی جیکروں اور قومی محاذ آزادی اور محاذ رائے شماری کے سارے کارکنوں کو آزاد کشمیر اور پاکستان کے مختلف شہروں سے گرفتار کر لیا گیا ۔ ان میں سے چھ افراد مقبول احمد بٹ ، میر عبدالقیوم ، جی ایم لون ، میر عبدالمنان ، ہاشم قریشی اور اشرف قریشی پر ایک سپیشل عدالت میں مقدمہ چلایا گیا جبکہ شاہی قلعہ لاہور اور دلائی جیل مظفر آباد میں ان لوگوں کو ایسی ایسی اذیتیں دی گئیں ، جن کا اس دور میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ۔ اذیت کا ہر وہ طریقہ ، جو دنیا میں ایجاد ہو چکا تھا ۔ ان لوگوں پر آزمایا گیا ۔ کشمیری مجاہدین کے ساتھ یہ اذیت ناک سلوک اور وہ بھی پاکستان کی سرزمین پر ایک ایسا واقعہ ہے ، جس نے تحریک آزادی کو ایک نیا رخ دیا ، کشمیری جو پاکستان کے لئے جیتے اور قربان ہوتے رہے ، ان کے ساتھ ایسا بہیمانہ سلوک بڑا اذیت ناک تھا سپیشل عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور سب کو محب وطن قرار دیا گیا ۔ صرف ہاشم قریشی کو مخصوص جرائم کے تحت مجرم ٹھہرا کر اٹھارہ سال قید کی سزا سنائی مگر دس سال بعد سپریم کورٹ آف پاکستان نے اسے باعزت بری کر دیا ۔

مقبوضہ کشمیر میں ایک کوشش۔ الفتح کا قیام اسی دوران مقبوضہ کشمیر میں خفیہ طور پر ایک گوریلا تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کا نام الفتح رکھا گیا۔ اس کی قیادت غلام رسول زاہگیر کر رہے تھے جب کہ اس میں دو مجسٹریٹ تین ڈاکٹر اور چھ پروفیسر شامل تھے۔ عبدالحمید دیوانی، جو ستمبر ۱۹۷۶ء میں بھارت کا بوئنگ طیارہ اغوا کر کے لاہور لے آئے تھے، اسی تنظیم کے ممبر تھے۔ مقبوضہ کشمیر کے ڈی۔آئی۔جی غلام حسین شاہ نے "الفتح" کے ہیڈکوارٹر پر قبضے اور اس کے ممبروں کی گرفتاری کے بعد جو اعلان کیا، اس کے مطابق اس تنظیم کو پاکستان کی حمایت حاصل تھی۔ اس کا منصوبہ پاکستان سفارت خانہ کے ظفر اقبال راٹھور (۱) فسٹ سیکرٹری نے بنایا تھا۔

پاکستان کا ایک بریگیڈیئر اصغر خان دو کرنل بشیر احمد اور مسٹر علوی اور ایک میجر ظفر احمد کشمیری جوانوں کو گوریلا تربیت دیتے تھے۔ (۲) بہرحال اس تنظیم کو انتہائی جدید طریقے سے منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کی تفصیلات عبدالحمید دیوانی بانی جیکر انڈین بوئنگ (۳) نے بتائیں۔ ان باتوں کی تصدیق جسٹس صراف کی کتاب Kashmiris Fights for Freedom اور مقبوضہ کشمیر میں چھپنے والی ثناء اللہ بٹ کی کتاب "کشمیر کی جنگ آزادی (۱۹۴۷ء - ۱۹۷۸ء) سے کی جا سکتی ہے۔ ڈی آئی جی مقبوضہ کشمیر غلام حسین شاہ نے ۱۸ جنوری ۱۹۷۱ء کو ایک پریس کانفرنس میں اس کی تفصیلات بیان کیں، جس کی تفصیل یہ ہے:۔

"الفتح" نے یکم اپریل ۱۹۷۰ء میں پلوامہ میں تحصیل ایجوکیشنل آفس پر حملہ کیا تھا اور وہاں سے ۲۷ ہزار روپے حاصل کئے تھے پلوامہ سے حاصل کئے گئے روپے "الفتح" کے پھیلاؤ کے لئے استعمال میں لائے گئے۔

غلام حسین نے ۲۳ جنوری ۱۹۷۱ء کو اخباری نمائندوں کو بتایا" اس خفیہ تنظیم کے ساتھ کشمیر سٹوڈنٹس فیڈریشن، ینگ مینز لیگ Freedom For motherland اور شامل تھیں۔ پولیس نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔ (۳) عبدالحمید دیوانی نے مصنف کو بتایا کہ جب پولیس نے ہمارے ہیڈکوارٹر کو گھیرے میں

---

(۱) جسٹس صراف ص ۱۲۷۷ جلد دوم (۲) ثناء اللہ بٹ ص ۸۴ (۳) ایضاً

لے لیا تو اس تنظیم کے رہنما غلام رسول زاہگیر اور میرے سمیت چند اور ساتھی بھی وہاں موجود تھے تھوڑے مقابلے کے بعد ہمارے پاس اسلحہ ختم ہو گیا چنانچہ بقول عبدالحمید دیوانی میں نے سرنگ کے راستے بھاگ جانے کا مشورہ دیا جو دریائے جہلم تک جاتی تھی اور وہاں ایک کشتی ہماری منتظر رہتی تھی مگر غلام رسول زاہگیر بھاگنے کا فیصلہ نہیں کر پارہے تھے کہ گرفتار ہو گئے جبکہ وہ اور ان کا ایک ساتھی سرنگ کے راستے بھاگنے میں کامیاب ہو گئے ۔ کشتی کے ذریعے دریا عبور کر کے جنگل میں روپوش ہو گئے مگر دو ماہ بعد گرفتار ہو گئے ۔ عبدالحمید دیوانی کے مطابق تقریباً بارہ سو ممبر گرفتار کئے گئے تھے ۔ انٹروگیشن میں ممبران الفتح کو سخت اذیتیں دی گئیں ۔ غلام رسول زاہگیر پر بہت تشدد کیا گیا اور اذیت پہنچائی گئی ۔ ایک سال کے بعد تقریباً سب کی رہائی عمل میں آگئی کیونکہ کیس کورٹ میں چلا گیا تھا اور اس کی کافی تشہیر ہو رہی تھی ۔ افضل بیگ جو الفتح کی طرف سے وکیل مقرر ہوئے تھے ، انہوں نے بھارتی حکومت کو کیس واپس لینے کے لئے کہا کہ اس سے تشہیر کم ہو جائے گی ۔ چنانچہ حکومت نے کیس واپس لے لیا مگر اس کے بعد وہی ہوا جو یہاں محاذ رائے شماری اور قومی محاذ آزادی کے ساتھ ہوا ۔ بالآخر الفتح گروپوں میں تقسیم ہو گئی اور ان کی قوت کمزور ہو گئی ۔

بوئنگ ۷۳۷ کا اغواء

موجودہ دور کی مسلح جدوجہد میں دشمن کے جہاز اغوا کرنا ، انہیں اڑا دینا اور دوسری ایسی کارروائیاں کرنا ، جس سے براہ راست عوام متاثر ہوں، لازمی عنصر شمار کئے جاتے ہیں اور عموماً ابتداء میں یہ کارروائیاں عوام میں جوش اور تحریک سے آگاہی کے لئے اختیار کی جاتی ہیں ۔ کشمیریوں نے ہائی جیکنگ کی ایسی دو کامیاب کارروائیاں کی ہیں تاکہ عوام کو اس جدوجہد سے آگاہ کیا جا سکے ۔ گو ان سے کوئی اچھے نتائج اخذ نہیں کئے جا سکے ۔ پہلی کارروائی گنگا ہائی جیکنگ کی تھی ، جس کا ذکر ہو چکا ہے ۔ دوسری کارروائی بوئنگ ۷۳۷ کی تھی ، جسے چھ کشمیری حریت پسند عبدالحمید دیوانی کی قیادت میں بھارت کے سب سے بڑے اور مصروف ائیرپورٹ نئی دہلی سے ۸۳ مسافروں سمیت اغوا کر کے لاہور لے آنے

تھے ۔ ان چھ ہائی جیکروں کا تعلق بھی وادی سے ہے ۔ طیارہ پاکستانی کمانڈوز نے چھڑا لیا اور ہائی جیکروں کو بدنام زمانہ عقوبت خانہ شاہی قلعے میں اذیت ناک تشدد سے گزارہ گیا ۔ طیارہ اور مسافر بھارت کو واپس کر دیئے گئے ۔ اس کے اڑھائی سال بعد ہائی جیکروں کو بغیر پاسپورٹ کے داخل ہونے کے جرم میں تیرہ ماہ قید سنائی گئی ۔

شہید وطن ۔ مقبول احمد بٹ

۱۱ فروری ۱۹۸۴ء کا دن تحریک جدوجہد آزادی کشمیر کی تاریخ میں ایک سنگ میل ثابت ہوا ہے ۔ یہی وہ دن ہے کہ کئی صدیوں کی غلامی کے بعد ہر کشمیری نے اپنی بے بسی کو محسوس کیا ۔ اس دن ہر دل رنج و غم میں ڈوبا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔ وہ آنکھ جس نے کبھی آنسو نہیں بہایا تھا ، زارو قطار روئی ۔ مگر یہی وہ دن بھی ہے جس نے ایمان و یقین کی لہر پیدا کر دی ہے ۔ وہ غبار جو ذہنوں پر چھایا ہوا تھا کہ شاید بڑی مادی قوت رکھنے والے سامراج سے کشمیر نہ چھڑایا جا سکے ، وہ غبار چھٹ گیا ۔ ذہن و دل صاف ہو گئے اور یہ بات شہید وطن نے تہاڑ جیل کی کوٹھڑی میں پھانسی پر لٹک کر ثابت کر دی کہ وطن بے نظیر آزاد ہو گا ۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کسی قوم کو زیادہ دیر تک دبا کر نہیں رکھ سکتی ۔ مقبول احمد بٹ جدوجہد آزادی کشمیر میں ایک مینارہ بن گیا ، جس کی ولولہ انگیز جدوجہد سے کشمیر کے نوجوانوں میں یقین کی ایک نئی لہر پیدا ہو گئی ہے ۔

۱۹۶۵ء میں وہ محاذ رائے شماری کے سیکرٹری اطلاعات مقرر ہوئے ، اس کے بعد ۱۱ فروری ۱۹۸۴ء تک آزادی کشمیر کے لئے کسی طرف سے بھی اگر کوئی کوشش کی گئی تو مقبول احمد بٹ کا نام سرفہرست رہا ہے اور اب جب مقبول احمد بٹ شہادت حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے امر ہو گئے تو ان کا نام آزادی وطن کے لئے ایک نشان بن گیا ہے اور جب تک وطن بے نظیر آزاد نہیں ہو جاتا ، مقبول بٹ شہید آزادی کا روشن مینار رہے گا ، جو کشمیر کے نوجوانوں کو ہمیشہ جدوجہد پر اکساتا رہے گا

ہم آزاد کیوں نہ ہو سکے؟

------------ * --------

رکاوٹیں اور اسباب

ہمیں غلامی کا مسئلہ درپیش ہے اور آزادی کی جدوجہد درکار ہے۔ آزادی کی یہ جدوجہد مسئلہ کشمیر کی نئی علاقائی اور بین الاقوامی صورت حال کے حوالے سے کی جانی مقصود ہے۔ جو چیز حتمی اور قطعی ہے، وہ یہ ہے کہ غلامی پر قناعت کفر ہے۔ آزادی کا حصول مومنانہ شان ہے۔ اس لئے آزادی حاصل کی جانے گی، بے شک ہر متاع لٹ جائے۔ جب ہمارا یہ فیصلہ اٹل ہے، تو پھر حکمت عملی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم اس سارے مسئلے کی نوعیت کو نئے حالات کی روشنی میں جانیں اور پھر جدوجہد کا کوئی ٹھوس منصوبہ بنائیں۔ یہ ازبس ضروری ہے کہ ہم تقسیم ہند سے پہلے اور تقسیم ہند کے دوران ہونے والے اور پھر ۱۹۴۷ء سے تاحال ہونے والے واقعات کے پس منظر میں کوئی لائحہ عمل مرتب کریں۔ اس چیز کا ادراک ضروری ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد ہم آزادی حاصل کیوں نہ کر سکے یا کوئی ٹھوس منصوبہ بندی کیوں نہ کر سکے اور اگر کوششیں ہوئی ہیں، تو وہ کوششیں کن اسباب کی بنا پر کامیاب نہیں ہو سکیں۔ اگر ہم گذشتہ ۴۴ سالوں میں اپنی ناکامی کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کئے بغیر کوئی لائحہ عمل مرتب کرینگے، تو وہ قطعاً کامیاب نہ ہو گا۔ یہاں مختصراً ان اسباب کا بیان ضروری ہے، جو تحریک آزادی کی جدوجہد میں کسی نہ کسی مرحلے پر رکاوٹ بنے ہیں۔

۱۔ تاریخ کشمیر کا مسخ ہو جانا:

دراصل تقسیم ہند کی تلوار نے کشمیریوں کو بری طرح ذبح کیا ہے۔ تقسیم ہند کے قوانین میں الجھا کر ہمارا تشخص ختم کیا گیا اور پھر بندر بانٹ کر لی گئی۔ بندر بانٹ کے بعد ایک تو کشمیر کے مسئلے کو دو ملکوں کا علاقائی مسئلہ بنا دیا گیا اور مسئلے کی بین الاقوامی نوعیت ختم کرنے کی سازش کی گئی۔ دوسرا منقسم شدہ ٹکڑوں میں حکمت عملی کے تحت بھارت و پاکستان نے اس خطے کی تاریخ مسخ کرنی شروع کر دی۔ صرف اسی پر بس نہ کیا بلکہ ہر دو ممالک نے کشمیر کے حصوں کو اپنی اپنی نو آبادی بنا لیا۔ کشمیر کے متعلق تعلیمی نصاب مرتب نہیں کرایا گیا۔ یوں نئی نسل کو کشمیر کی حقیقت جاننے سے دور رکھا گیا۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ کسی قوم کو ختم کرنا ہو تو اس کی تاریخ مسخ کر دو۔ یہی المیہ

ہمارے ساتھ ہوا۔ ہم اپنی تاریخ کی توجیح بھارت و پاکستان کے سیاسی نقطہ نگاہ سے کرتے رہے اور پاکستانی اور بھارتی مصنفین نے اس پر لکھتے ہوئے اپنے اپنے ممالک کے مؤقف کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ ہم نے تاریخ کشمیر کی اصل حقیقت کھلے صفحات میں بیان کر دی ہے۔ اگر آزادی کی جدوجہد کے لئے کسی نئے لائحہ عمل کو مرتب کرنا ہے، تو ان حقیقتوں کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ایک اور قابل غور نقطہ مسلم کانفرنس کی قرارداد الحاق پاکستان ہے، جو تاریخ کشمیر مسخ کئے جانے کا ایک اہم سبب ہے، جسے جماعتی حلقے اور حکومت پاکستان کے نشریاتی ادارے صحیفہ الٰہی ثابت کر بیٹھے ہیں کہ بس یہ قرارداد منظور ہو گئی تھی، اس لئے کشمیر پاکستان کا حصہ بن گیا ہے۔ مگر اب جذباتی نعروں اور جماعتی قراردادوں کا دور نہیں، عمل کا دور ہے اور عمل کے تقاضے نعروں اور قراردادوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت پیش نظر رکھنی چاہیئے کہ یہ قرارداد ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو پاس ہوئی تھی اور آج ۱۹۹۱ء ہے۔ پھر یہ قرارداد دوسرے درجے کی ایک سیاسی جماعت نے منظور کی تھی۔ ایسی قرارداد ملت فروشی کے لئے کوئی جواز مہیا نہیں کرتی۔

۲۔ تقسیم کشمیر:

دوسرا بڑا سبب، جس نے جدوجہد کے لئے ضروری تیاری کے لئے ہمارے راستے میں رکاوٹ پیدا کی وہ کشمیر کا مختلف حصوں میں منقسم ہو جانا ہے۔ اس تقسیم نے کشمیر کی یک جہتی اور اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور درمیان میں ایسی وسیع خلیج حائل کر دی کہ اب ان کو بظاہر پاٹنا ممکن نظر نہیں آ رہا تین حصوں میں منقسم ہونے کی بنا پر آپس کا رابطہ قائم نہ رہ سکا اور تینوں علاقوں میں مختلف صورتحال پیدا کر کے قابض قوتوں نے سامراجی کردار اپنا لیا۔ خاندان بکھر گئے ہیں، جدائیاں ۴۴ سال پر محیط ہو گئیں۔ سوچیں مختلف ہو گئی ہیں۔ اس صورتحال میں ہمیں تقسیم کی ان منحوس لکیروں کو کسی خاص حکمت عملی سے مٹانا ہو گا اور تینوں ٹکڑوں میں رابطہ پیدا کرنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی ہم آزادی کی جدوجہد کے لئے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے سکتے ہیں۔

۳۔ کشمیری بنیادی کردار ادا نہ کر سکے:

مسئلہ کشمیر کے اصل فریق

کشمیری ہیں اور جب تک اصل فریق اس قابل نہیں ہو جاتا کہ آزادی کی جدوجہد میں بنیادی کردار ادا کر سکے، ممکن نہیں ہے کہ کامیابی حاصل کی جا سکے۔ ہمارے ساتھ یہ المیہ ہے کہ ۱۹۴۷ء سے ہی کشمیر کی آزادی کی جدوجہد میں ہمارا بنیادی کردار ختم کر دیا گیا۔ جو حصہ پاکستان کے حصے میں آیا، وہاں پاکستان نے اپنی خواہشات و منشا کے مطابق کٹھ پتلی سجائی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر کشمیریوں کی طرف سے بطور وکیل کشمیریوں کا مقدمہ پیش کرنا شروع کر دیا۔ یہ موقف کبھی کسی کشمیری کو پیش کرنے کا موقع نہ دیا گیا۔ اس لئے ہمیشہ پاکستان کی سیاسی اور خارجی صورت حال کی روشنی میں اس پر لب کشائی کی گئی۔ دنیا نے بھی اسے پاکستان اور بھارت کے علاقائی مسئلے کے حوالے سے جاننا شروع کر دیا۔ بالکل یہی صورت حال اس علاقے کے ساتھ رہی، جو بھارت کے تسلط میں ہے۔ بھارت سے ہمیں امید نہ تھی، نہ ہے کہ وہ ہمیں کبھی بھی ایسا کردار ادا کرنے کی اجازت دے گا، جو قومی تشخص کے حصول کے لئے ہو۔ مگر قائداعظم کی واضح پالیسی اور "آزاد کشمیر" کو ایک آزاد ریاست کا ڈھانچہ دینا ان کا ایسا فعل تھا، جس سے یہ امید بندھی تھی، کہ پاکستان کشمیریوں کو اصل کردار ادا کرنے کا موقعہ دے گا۔ مگر قائداعظم کے بعد پاکستان میں وہ ناٹک کھیلے جانے لگے کہ بالآخر پاکستان کے ٹکڑے ہو گئے اور کشمیر کو دوبار "تاشقند" اور "شملہ" میں ہمیشہ کے لئے دفن کرنے کی ناکام سعی کی گئی۔ مگر اس میں ضرورت اس امر کی ہے کہ بین الاقوامی فورموں پر کشمیر کے متعلق نقطہ نظر کشمیریوں کو پیش کرنے کی اجازت دی جائے۔ اگر پاکستان اجازت نہیں دیتا تو پھر خود ان راستوں کا انتخاب کیا جائے اور اپنے طور پر اس مسئلے کو بین الاقوامی طور پر اجاگر کیا جائے۔

۴۔ اقوام متحدہ پر تکیہ:

ہماری ناکامی کا ایک سبب اقوام متحدہ کا بین الاقوامی

ادارہ ہے، جس سے ہم نے غلط امیدیں وابستہ کئے رکھیں کہ بس اب اقوام متحدہ کشمیر کو بھارتی فوجوں سے پاک کر دے گی۔ یہ ایک مکمل خودفریبی ہے۔ اقوام متحدہ کبھی بھی مؤثر ادارہ نہیں رہا ہے اور اس بات سے سب ہی ممالک آگاہ ہیں۔ مگر پھر بھی ہمیں اقوام متحدہ کے چکروں میں الجھایا گیا۔ اقوام متحدہ کوئی ایسا ادارہ ہرگز نہیں، جو اپنے فیصلوں پر بذریعہ طاقت عمل کرا سکے۔ پھر یہ ادارہ چند بڑی طاقتوں کی لونڈی ہے اور لونڈی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کوئی عمل نہیں کر سکتی۔ جبکہ آقاؤں کے اپنے مخصوص مفادات ہوتے ہیں۔ کشمیر میں زیادہ مسلمان بستے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف بہت سی صیہونی طاقتیں ازل سے نبردآزما ہیں۔ بھلا وہ کیسے یہ گوارا کرتیں کہ کشمیر آزاد ہو جائے۔ ویسے آزادی وہ پری نہیں کہ بغیر جدوجہد کے حاصل ہو جائے۔ قراردادوں اور تقریروں کے ذریعے آزادی حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اب وقت کا تقاضا ہے کہ اقوام متحدہ کے بجائے قوم اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کرے اور خود کو ذہنی اور جسمانی طور پر جدوجہد کے لئے تیار کرے۔ یہ کام بہت پہلے شروع ہو جانا چاہئے تھا۔ مگر آزاد کشمیر پاکستان کے کنٹرول میں اور مقبوضہ کشمیر بھارت کے کنٹرول میں ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ "آزاد کشمیر" میں لوگوں کو تیار کیا جاتا۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان بین الاقوامی مفادات کی خاطر آزادی کشمیر سے مخلص نہ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے آزاد کشمیر کے لوگوں کو آزادی کے تصور سے ہٹا کر دولت اور اقتدار کے پیچھے لگا دیا ہے۔ یہ صورت اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اگر پاکستان آزادی کشمیر سے مخلص ہوتا تو آزاد کشمیر میں موجودہ بے حسی اور بے ضمیری کو رواج نہ دیتا۔ اخبارات اور ریڈیو دن بھر سرکاری پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں۔ نئی نسل کو الحاق پاکستان کے سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگایا جا رہا ہے۔ یہ سب باتیں کس عمل کی غماز ہیں؟ لیکن اب ہم نے پاکستان کی پالیسیوں کو سدراہ نہیں بننے دینا۔ اپنی سوچوں کو کسی پابندی کے بغیر آزادی کی طرف لگانا ہے۔ قوم کو ذہنی، جسمانی اور عسکری طور پر تیار کرنا ہے۔ یہ عمل اب شروع ہو جانا چاہئے۔ اقوام متحدہ کی کاغذی قراردادیں اور پاکستان کی شعلہ بیان مگر جھوٹی تقریریں ہمیں آزادی نہیں دلا سکتیں۔

۵۔ رائے شماری کا افسانہ:

رائے شماری کیا ہے؟ ایک طریق کار ہے، جس سے ایک قوم اپنے مستقبل کا فیصلہ کر سکتی ہے۔ تقسیم ہند کے بعد کشمیری مجاہدوں نے بھارتی عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچنے نہ دیا تو بھارت اقوام متحدہ میں فریاد لے کر جا پہنچا۔ اقوام متحدہ نے رائے شماری کرانے کے فیصلے کا اعلان کیا، تاکہ کشمیریوں کی رائے معلوم کی جا سکے کہ کشمیری کیا چاہتے ہیں۔ دونوں ممالک نے اس فیصلے کو تسلیم کیا۔ مگر بھارت نے بعد میں انکار کر دیا اور اب پاکستان بھی اقرار نہیں کرتا۔ اب زبانی طور پر ۴۴ سال سے یہ کہا جا رہا ہے کہ رائے شماری کرائی جائے۔ یہ بات پاکستانی اخبارات اور ریڈیو کے ذریعے مسلسل باور کرائی گئی۔ یوں کشمیریوں نے یہ سمجھ لیا کہ رائے شماری کے علاوہ ہمارے لئے اور کوئی راستہ ہی نہیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ہم نے اپنی جدوجہد کو آزادی کے بجائے رائے شماری کے لئے استوار کرنا شروع کر دیا۔ مقبوضہ کشمیر میں ایک سیاسی تنظیم محاذ رائے شماری کے نام سے بنی، جس کو شیخ عبداللہ کی حمایت حاصل تھی۔ شیخ عبداللہ عرصہ تک کشمیریوں کے لیڈر تسلیم کئے جاتے رہے۔ ادھر بھی آزادی کشمیر کے لئے ایک تنظیم قائم ہوئی، جس کا نام محاذ رائے شماری رکھا گیا۔ مگر یہ رائے شماری والا قصہ اب ختم ہونا چاہیئے۔ اس چکر میں ہم نے ۴۴ سال گزار دیئے ہیں اب یہ جان لینا چاہیئے کہ رائے شماری صرف ایک طریقہ ہے، جس کے ذریعے اپنی رائے کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ طریق کار اور بہت سے ہو سکتے ہیں۔ ہم اپنی عملی جدوجہد کو رائے شماری کے لئے محدود نہیں کر سکتے۔ ہمارا مقصود کشمیر کی آزادی ہے اور اس کے لئے مسلح جدوجہد درکار ہے۔ مسلح جدوجہد ایک ایسا طریقہ ہے، جس کے ذریعے ہم بہتر طور پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں اور رائے ظاہر کرنے کا یہی ایک مؤثر طریقہ ہے۔ رائے شماری بھارت یا پاکستان کے ہاتھ میں نہیں، ہمارے ہاتھ میں ہے۔ آزادی کے لئے ہماری جدوجہد ہی ہماری رائے ہو گی۔ یہ بات کسی کے ذہن میں کبھی نہ آئی کہ جب ہم آزادی کے لئے گوریلا طرز پر جدوجہد شروع کر دیں گے، تو پھر کسی موقع پر ہمیں رائے شماری کے لئے کہا

جانے گا، تو کیا ہم اپنی جدوجہد ترک کر دیں گے ؟ رائے شماری کا وقت اب گزر گیا ہے۔ رائے شماری امن میں ہی ہو سکتی تھی، جب کشمیری کچھ کرنے کے قابل نہ تھے، اب ہم کچھ نہ کرنے والی پوزیشن میں نہیں رہے ہیں۔ اس لئے اب ہماری جدوجہد مکمل آزادی تک ہوگی۔ کسی بھی موقع پر رائے شماری کا چکر نہیں دیا جا سکتا۔ ہم بزور شمشیر بیرونی نوجوں کو کشمیر سے بھگائیں یہی ہماری رائے شماری ہے۔

۶۔ پاکستان پر تکیہ:

دراصل تقسیم ہند کے عام فارمولے نے بیشتر کشمیریوں کے ذہنوں کو پاکستان کی طرف راغب کر دیا اور انہوں نے اپنی امیدیں پاکستان سے وابستہ کر دیں۔ جن اصولوں، جن نظریات اور جن مقاصد کے لئے پاکستان بنا تھا، ان کے حوالے سے امیدیں وابستہ کرنا کوئی زیادہ غلط بھی نہ تھا۔ مگر پاکستان بننے کے بعد یہ حقیقت جلد ہی کھل گئی تھی کہ اس ملک کی پالیسی میں نہ وہ نظریات رہے اور نہ وہ مقاصد۔ ہم نے ان مقاصد کو مدنظر رکھ کر پاکستان پر تکیہ کیا تھا، جن مقاصد کے لئے یہ بنا تھا۔ جب ان سے وہ مخلص نہیں رہا، تو ہمارے اعتماد پر پورا اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پاکستان نے تو کشمیر کے بارے میں اپنی پالیسی بدل لی۔ مگر ہم پاکستان کے بارے میں اپنی پالیسی بدل نہ سکے، جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہماری تحریک آزادی پاکستان کی سیاسی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھتی رہی اور وقت غلامی کی عمر میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ اب حقائق سامنے ہیں۔ پاکستان پر ہمیں الزام دینے کی زیادہ ضرورت اس لئے نہیں کہ یہ فطری بات ہے کہ دوسرے کی آگ میں کوئی نہیں جلتا۔ رہا جذبہ اسلام تو وہ آغاز ہی میں پاکستان نے نہ جانے کہاں گروی رکھ دیا تھا۔ اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان میں نظام تعلیم سیکولرازم کے تحت اور نظام حکومت لادینی بنیادوں پر چل نکلا، جو آج تک جاری ہے۔ پھر بھی ہم پاکستان سے اسلامی جذبے یا اصولوں کی توقع رکھیں تو پھر ہم سے بڑا اپنے ہاتھوں فریب خوردہ اور کون ہو سکتا ہے۔ حقائق کو قبول کرنا ہی انسان کی عظمت ہے۔ پاکستان کو بھی حقائق قبول کر لینے چاہئیں اور ہمیں بھی۔

یہ بات تاریخی طور پر مسلمہ ہے کہ جو علاقہ براہ راست غلامی سے متاثر ہو رہا ہوتا ہے، تحریک آزادی وہاں سے ہی اٹھتی ہے۔ دھواں وہاں سے ہی اٹھتا ہے، جہاں آگ لگی ہو۔ لہریں سمندر سے ہی اٹھ سکتی ہیں، اس طرح تحریک آزادی بھی غلام علاقے سے اٹھ سکتی ہے، اسلام آباد سے نہیں۔ یہ خیال اب ذہن سے نکال دینا چاہیئے کہ کشمیر کو پاکستان آزاد کرائے گا یا وہ ہماری مدد کرے گا۔ مدد کی بات بعد کی ہے، جب ہم تحریک آزادی کو چلانے کی پوزیشن میں ہوں گے۔ وزارت امور کشمیر اور آزاد کشمیر کے سیاسی لیڈروں کی اس سازش کو اب ناکام بنانا ہے کہ کشمیریوں کو خود کچھ نہیں کرنا، پاکستان نے ہی کرنا ہے۔

۷۔ سیاسی لیڈروں پر تکیہ:

اس میں شک نہیں کہ قوم کی حقیقی راہنمائی قوم کے رہنما کرتے ہیں مگر ہم نے "راہنمائی" اور "راہنما" میں سخت دھوکہ کھایا۔ جدید سیاست کا تقاضا ہماری شریعت سے متصادم ہے۔ شریعت، سچائی، دیانت اور حسن معاملگی کا درس دیتی ہے، جبکہ جدید سیاست فریب، چکر اور بے ایمانی کو بنیاد بناتی ہے۔ چنانچہ کشمیر کی غلامی نے ہمیں راہنما بھی غلامانہ ذہن کے دیئے اور ہم انہیں حقیقی راہنما سمجھ کر اپنی توانائی ان کی آواز پر قربان کرتے رہے۔ لیکن حقیقت واضح ہوئی کہ "آزاد کشمیر کے سیاستدان" "وزارت امور کشمیر" کے وظیفہ خوار ہیں اور حکومت پاکستان کی لے پر "آزاد کشمیر کی کٹھ پتلی بننے کے لئے محو رقص ہیں۔ ادھر مقبوضہ کشمیر" کے سیاستدان بھارت کے وظیفہ خوار ہیں اور وہ بھارت کی لے پر "مقبوضہ کشمیر" کی کٹھ پتلی بننے کے لئے ہمہ وقت تیار ہیں۔ جب یہ حقیقتیں منکشف ہوئیں تو ۴۴ سال کا طویل عرصہ گذر چکا۔ "مسئلہ کشمیر" کی ساری نوعیت تبدیل ہو کر صرف پاکستان و بھارت کی علاقائی ضرورت بن کر رہ گئی ہے۔ یوں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آزادی اور سیاست کے راستے جدا جدا ہیں۔ سیاسی میدان کے پہلوان کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھارت یا پاکستان کا وظیفہ خوار ہو۔ مکر و فریب میں اپنا ثانی نہ رکھتا ہو۔ شیطانی سرشت کا حامل ہو۔ ذاتی مفادات کو اولیت دیتا ہو۔ سمگلنگ، بدمعاشی اور ڈاکہ زنی جانتا ہو۔ بے پناہ دولت کا مالک ہو۔ اگر

کسی میں یہ صفات اور خصائص نہیں پائے جاتے تو وہ میدان سیاست میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اقتدار تک اس کی رسائی ممکن نہیں۔ جب کہ آزادی کی جدوجہد کے لئے جس راہنما کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے خصائص سچائی، اخلاص، مقصد سے لگن، جدوجہد کی تڑپ، قومی مفادات کو اولیت دینا اور قربانی کے جذبے سے مالا مال ہونا شامل ہیں اور یہ خصائص نہیں تو پھر آزادی کا مجاہد بننا ممکن نہیں رہتا۔ شہید حریت مقبول احمد بٹ اس دھرتی کا سپوت تھا۔ وہ نہ بھارت کا وظیفہ خوار تھا نہ پاکستان کا۔ وہ میدان سیاست کا بھی شہ سوار نہیں تھا۔ اس نے سٹیج نہیں سجائے۔ اس نے جھوٹی تقریریں نہیں کیں۔ وہ اوپر سے مسلط نہیں ہوا بلکہ عوام میں سے عوامی مقاصد کے حصول کے لئے اٹھا اور کشمیریوں کے لئے مینارہ نور بن گیا۔ اگر ہمیں آزادی کی جدوجہد درکار ہے تو ہمیں سیاستدانوں سے جان چھڑانی ہوگی اور مقبول بٹ شہید کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

۸۔ گلگت و بلتستان کی علیحدگی:

۱۹۴۷ء میں کشمیر کے دو حصے ہو گئے اور جو حصہ پاکستان کے حصے میں آیا، اسے حکمت عملی سے مزید دو حصوں میں منقسم کر کے ہماری قوت کو کمزور تر کر دیا گیا۔ ۲۸ ہزار مربع میل گلگت و بلتستان کو براہ راست کنٹرول میں لے کر وہاں انگریز کی طرز پر ایک ریذیڈنٹ بٹھا دیا گیا، جو اس دور میں بھی ڈوگرہ شاہی سے کم نہیں۔ اس طرح اس علاقے کو نہ صرف بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا، بلکہ آزادی کشمیر میں اس کا کردار بھی ختم کر دیا گیا اور آج ۴۴ سال بعد بھی صورت یہ ہے کہ وہ بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ نہ عدالت نہ دادرسی۔ ریذیڈنٹ کے اشارے پر لوگوں کی قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں جبکہ اڑھائی اضلاع پر مشتمل صرف چار ہزار مربع میل کے ٹکڑے پر "آزاد کشمیر" کی ایک کٹھ پتلی سجائی گئی، جو بظاہر دنیا کا آٹھواں عجوبہ ہے۔ اگر ہم نے قومی آزادی، خود مختاری اور ریاستی سالمیت کی جنگ لڑنی ہے اور کشمیر کے اس حصے کو بیس کیمپ بنانا ہے، تو پھر گلگت و بلتستان کو الگ رکھ کر یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔

۹۔ "آزاد کشمیر" یا کٹھ پتلی:

نام نہاد "آزاد کشمیر" کی سیاسی اکھاڑ پچھاڑ بھی ایک اہم رکاوٹ بن گئی ہے۔ حقیقت میں شروع دن سے یہ کٹھ پتلی بنا دی گئی تھی، مگر ہم خود فریبی کا شکار رہے۔ نہ تو آزاد کشمیر کو ایسا درجہ دیا گیا کہ کوئی آزادانہ کارروائی ہو سکتی، نہ اسے بیس کیمپ بنانے کی اجازت دی گئی۔ بلکہ اسے تحریک آزادی کا مدفن بنانے کی کوشش ضرور کی گئی۔ حکومت آزاد کشمیر کے کردار مقبوضہ کشمیر کے نوجوانوں کی مشکلات اور "آزاد کشمیر" کا کٹھ پتلی بنے رہنے کے مضر اثرات کا جائزہ تفصیلاً نذیر احمد گیلانی نے "کشمیر کا وارث" میں لیا ہے۔ چند اقتباسات وضاحت کے لئے کافی معلوم ہوتے ہیں:۔

" ہم نے آزاد کشمیر کو آزادی کے عمل سے الگ کر کے خود تحریک آزادی کشمیر کی منزل دور کر لی۔ نہ صرف آزاد کشمیر کی سرزمین پر شرمناک غفلت کا ارتکاب ہوا، ملک سے باہر بھی اس سلسلے میں کسی قسم کا عمل نہ ہو سکا۔ بھارت نے ہماری اس خود فریبی کا مکمل حساب رکھا۔ تیز رفتار دنیا میں عملی لمحات سے پہلو تہی کرنے والی اقوام میں ہمارا نام سرفہرست درج ہوا۔ آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے عوام کے درمیان ریڈیو پاکستان، ریڈیو تراڑ کھل اور ریڈیو مظفر آباد رابطہ کا واحد ذریعہ تھے۔ اس پروپیگنڈہ میں حقائق کا تناسب وہ نہیں تھا، جو مقبوضہ کشمیر کا عام انسان اور خاص کر نوجوان محسوس کرتا رہا اور اس پروپیگنڈہ کی نذر کشمیر کی نوجوان نسل ہوتی رہی۔ نوجوانوں کی چھوٹی موٹی ٹولیاں چوری چھپے ہجرت کرتی رہیں۔ ان میں اکثر کا تعلق جدوجہد آزادی کرنے والوں سے تھا۔ مگر بد قسمتی سے انہیں پاکستان اور آزاد کشمیر میں توقعات کے برعکس ناقابل فہم تفتیشی عمل سے گزرنا پڑا۔ ان دشوار گزار مراحل سے گزرتے گزرتے مایوس اور ناامیدی ان کے اندر رچ بس گئی۔ چونکہ مقبوضہ کشمیر میں رہ کر وہ نہ ہی ان تفتیشی مراحل کا گمان کر سکتے تھے اور نہ ہی یہاں پائی جانے والی لاتعلقی اور عدم دلچسپی کا علم تھا۔ یہ سب کچھ ان پر مصیبت کے ایک بے پناہ پہاڑ کی طرح ٹوٹ پڑا۔ آہستہ آہستہ بددل اور مایوس لوگوں کی تعداد بڑھنے لگی اور یقین پختہ ہونے لگا کہ حکومت پاکستان

مسئلہ کشمیر میں مخلص نہیں۔۔

" آزاد کشمیر کا خطہ ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا ہے اور اب تک اکتیس سال گزر گئے۔ اگر یہ علاقہ بیس کیمپ کا بنیادی کردار ادا کرنے میں ناکام رہنے کے ساتھ ساتھ سیاسی عدم استحکام کے علاوہ شکستہ سوچ کی ایک علامت بنا رہے تو مقبوضہ کشمیر کا مسلمان آزادی کے مفہوم سے کیا نتیجہ اخذ کرے گا؟ اس دنیا میں آزاد اقوام کے معیار پر اگر آزاد کشمیر کا علاقہ پورا نہ اترے اور پھر حیران کن حد تک حقائق سے چشم پوشی کا سلسلہ جاری رکھا جائے ، ایسی بے مقصد مساعی اور وقتی کوششوں سے ہم بھارت کے عزائم کو نہ ہی شکست دے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے عوام اور آزاد کشمیر کے ذریعے کشمیر کے عوام تک آزادی کی رونق پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں یہ بات کرنی چاہیئے کہ آزاد کشمیر موجودہ صورت حال میں کسی بھی طرح آزادی کی رونق کا عکاس نہیں۔ اگر آزادی کا معیار اس کی موجودہ حالت کو مقرر کیا جائے تو آج کا باشعور انسان ہماری دلیل کسی بھی طرح قبول نہیں کر سکتا۔ یہ دنیا تقابلی جائزے کی دنیا ہے اور اکتیس سال کا عرصہ کوئی معمولی مدت نہیں۔ اب اگر اکتیس سال کے بعد بھی مظفرآباد سرینگر سے شرما جائے ، اگر یہاں آزادی کی دھوپ سے ہماری ذہنی انتشار ، معاشی بدحالی ، بے عملی ، جوڑ توڑ کی یخ پگھل کر عمل کے میدان سیراب نہ کرے تو ہم باعزت مقام کے قطعی اہل نہیں ہیں۔ اس علاقے کو اس عرصے میں معاشی اور سیاسی میدان میں ترقی دینے کی ذمہ داری ہم بھارت کے کندھوں پر نہیں ڈال سکتے۔ اگر ہم نے معاشی اور سیاسی میدان میں بے پناہ عمل و تحریک کی ہوتی تو بھارت کی پیشانی ہر لمحہ خوف و ہراس سے تر اور شرابور رہتی۔ بدقسمتی سے بھارت کو ہماری اس کمزوری کا شروع دن سے علم تھا اور آج اس نے اس کا برملا اظہار کر کے ہمیں سنبھلنے اور خوداحتسابی کا ایک اور موقع فراہم کیا۔ عوام سے قطع تعلق ہو کر صرف چند سیاسی بردہ فروشوں کی معیت میں آزادی جیسا نصب العین کبھی ممکن نہیں۔۔ (۱)

---

(۱) نذیر احمد گیلانی " کشمیر کا وارث۔

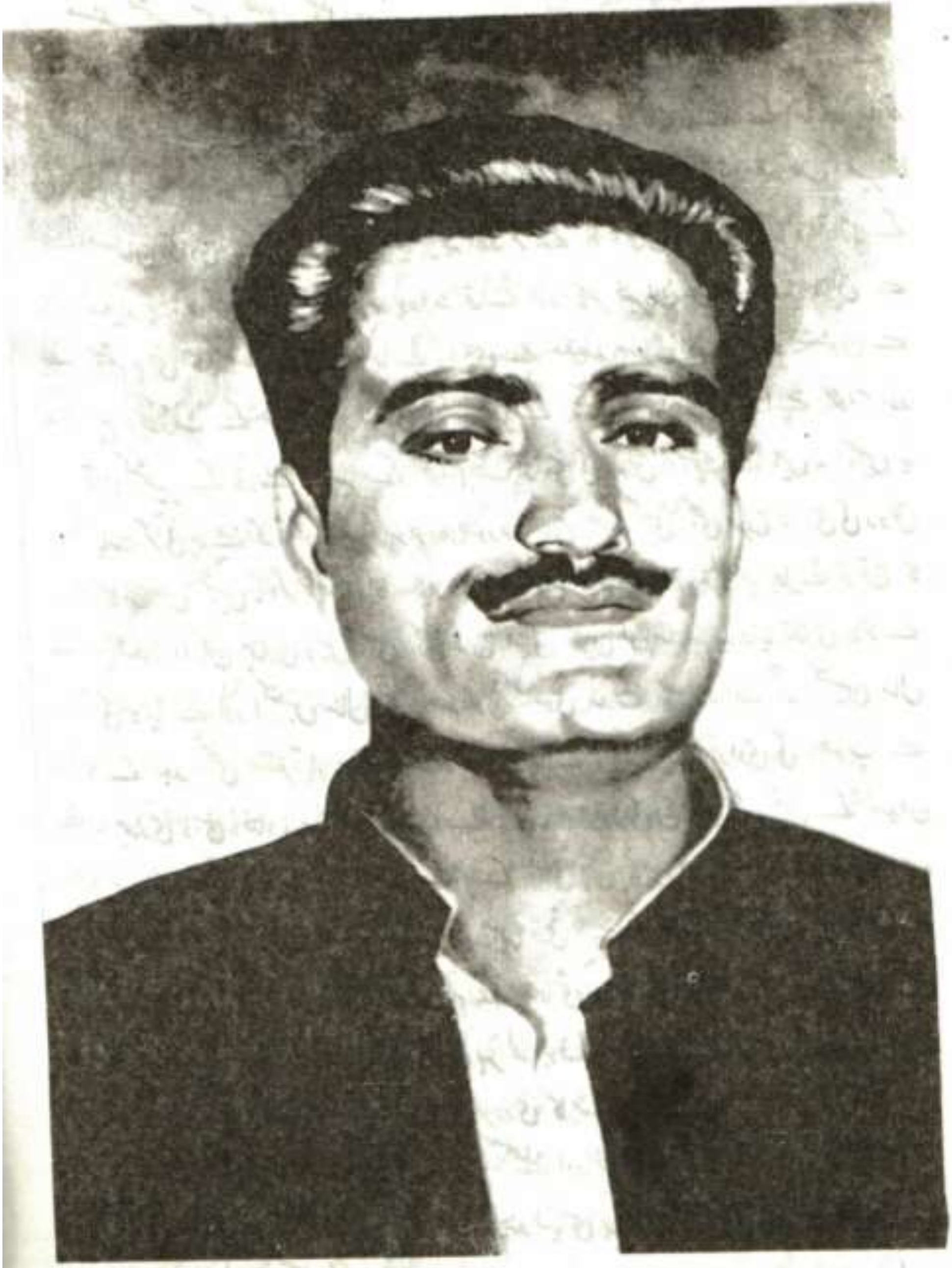

محمد مقبول بٹ

لائحہ عمل ----- خدوخال

۱۔ آزادی کا تقاضا، مسلح جدوجہد

۲۔ اسلام کا تقاضا، مسلح جدوجہد

۳۔ مسلح جدوجہد کا تقاضا ---- "آزاد کشمیر"

۴۔ اسلام کا تقاضا ---- "آزاد کشمیر

کیا کشمیر "آزاد" رہ سکتا ہے؟

۱۔ آزادی کا تقاضا ۔۔۔۔ مسلح جدوجہد

آزادی کے چند بنیادی تقاضے ہوتے ہیں، جن کو نظرانداز کر کے نہ تو جدوجہد کا رخ متعین کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے مثبت نتائج پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ آزادی کے تقاضے کیا ہیں اور انہیں صحیح معنوں میں حاصل کرنے کے لئے کون سا راستہ اختیار کرنا ہے۔ اس کے تعین کے لئے ضروری ہے کہ ہم قوموں کی جدوجہد کا بنظر غائر مطالعہ کریں خصوصاً جن قوموں کی جدوجہد نتیجہ خیز ہوئی ہو۔ اس وقت تک آزادی کی جدوجہد کے لئے دو طریقے سامنے آئے ہیں۔ ایک سیاسی یعنی پرامن طریقہ جدوجہد اور دوسرا مسلح جدوجہد۔

پرامن جدوجہد:۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد آزادی کی جدوجہد کا آغاز ہوا۔ ابتداء میں یہ ساری جدوجہد پرامن تھی۔ غلام قوم میں سے ایک گروہ نے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی اور اس تنظیم کا مقصود آزادی قرار دیا۔ اس کے لئے انہوں نے عوام کو شعور دینے کے لئے زمانے کے مروج طریق کے تحت کام کیا۔ عوام کو شعور آزادی دیا اور سامراج سے آزادی کا مطالبہ کیا۔ سامراج نے روایتی طور پر اپنے جبروقہر کا مظاہرہ کیا اور آزادی کے نام لیواؤں کو پابند سلاسل کر دیا۔ جو لوگ پابند سلاسل کئے جاتے ہیں، انہیں زیادہ عرصہ جیل میں نہیں رکھا جا سکتا۔ کیونکہ معاشرے میں اس کے خلاف شدید ردعمل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جیل سے باہر آنے والے کچھ عرصہ خاموشی اختیار کرتے ہیں اور پھر اپنی صفیں درست کرتے ہیں دوسری بار زیادہ شدت سے سامراج کو اپنے مطالبہ آزادی سے آگاہ کرتے ہیں اور پھر پابند سلاسل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نوبت ہڑتالوں، بھوک ہڑتال اور لانگ مارچ وغیرہ تک آ پہنچتی ہے یوں سارا معاشرہ سامراج کے خلاف نبرد آزما ہو جاتا ہے

بہت سے لوگ طویل عرصے کے لئے جیلوں میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ مظاہروں اور ہڑتالوں میں حصہ لینے والوں پر بعض اوقات سختی بھی کی جاتی ہے۔ بعض جانیں بھی تلف ہو جاتی ہیں مگر جدوجہد ختم نہیں ہوتی۔ جب جدوجہد معاشرے کے تمام طبقوں میں پھیل جائے تو سامراج کو آزادی دیتے ہی بنتی ہے۔ اس طرح کی آزادی جنگ عظیم دوئم کے بعد اکثر ملکوں نے حاصل کی ہے۔ ان میں ہم برصغیر پاک و ہند میں پاکستان و بھارت کی مثال پیش کر سکتے ہیں۔ یہ دونوں ممالک پرامن جدوجہد کے ذریعے آزاد ہوئے ہیں۔

مسلح جدوجہد کیا ہے؟

مسلح جدوجہد۔ گوریلا جنگ۔ عوامی جنگ یہ الفاظ تقریباً ایک ہی معنی میں بولے جاتے ہیں۔ اسے عوامی سطح پر خود عوام منظم کرتے ہیں۔ اس کی قیادت اوپر سے نہیں بلکہ عوام سے ہی اٹھتی ہے۔ "مسلح" کے معنی اسلحہ سے لیس ہونے کو کہتے ہیں اور "جدوجہد" سعی و کوشش کو کہتے ہیں مگر یہ اسلحہ اور یہ سعی و کوشش ہر دو فریق کی طرف سے ہوتی ہے۔ پہلے یہ چیزیں سامراج محکوم عوام پر استعمال کرتا ہے۔ پھر اس کے رد عمل کے طور پر یہی چیزیں محکوم قوم اختیار کر لیتی ہے۔ اصطلاح جدید میں سامراج کے خلاف عوامی سطح پر خود عوام کے ہاتھوں منظم ہونے والی غیر روایتی جدوجہد کو "مسلح جدوجہد" کہتے ہیں۔ دراصل ایک بڑی فوج اور وسائل سے لیس طاقت کے خلاف یہ ایک ناگزیر اور کامیاب طریق جنگ ہے۔ کسی اور طریقے سے کسی بڑے سامراج کے خلاف کامیابی ممکن نہیں ہے۔ آزادی کے لئے یہ طریقہ بہت تھوڑی قوموں نے اپنایا ہے۔ آغاز میں اس کا طریق کار بھی پرامن ہوتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ آغاز میں کر لیا جاتا ہے کہ اسے گوریلا جنگ کی طرز پر استوار کیا جائے گا۔ اصل میں جب کسی قوم کو غلامی میں ایک طویل مدت گزر جائے تو قانون فطرت کے مطابق اس میں جذبہ آزادی بیدار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ معاشرتی ناانصافیاں، معاشی ناہمواریاں اور سیاسی جبر و تشدد جب عروج پر پہنچ جائیں تو پھر غلام قوم میں معاشرتی ناانصافیوں، معاشی ناہمواریوں اور سیاسی جبر و تشدد کے حوالے سے سامراج کے

خلاف مزاحمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ۔ جب غلام قوم کے کسی فرد، گروہ یا جماعت کی طرف سے مزاحمت کے جذبے کا اظہار ہو جانے تو سامراج بپھر کر ایسے فرد، گروہ یا جماعت کو تشدد سے دبانے کی سعی کرتا ہے ۔ سامراج کا یہی تشدد کسی فرد، گروہ یا جماعت کی تقویت کا باعث بنتا ہے ۔ عوام میں یگانگت، ہم آہنگی اور مشترکہ احساس محکومیت فروغ پاتا ہے ۔ رفتہ رفتہ سامراج کے خلاف نفرت و مزاحمت کا جذبہ قومی شعور کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے ۔ جب قومی شعور کا جذبہ پھیلنا شروع ہو جاتا ہے تو سامراج کا تشدد اس شعور کے پختہ کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے ۔

معاشرتی ناانصافیوں، معاشی ناہمواریوں اور سیاسی حقوق کی پامالی میں سامراج مقامی حکومت کو استعمال کرتا ہے ۔ یہ مقامی حکومت سامراج کی مسلط کردہ ہوتی ہے اور سامراج کی عائد کردہ دہشت کے بل بوتے پر حکومت کرتی ہے ۔ غلام قوم سے افراد کو خریدنا سامراج کے لئے کبھی مشکل نہیں رہا ۔ کیونکہ دنیا کا بڑے سے بڑا ملک کسی ملک پر اس وقت تک جابرانہ قبضہ نہیں کر سکتا، جب تک اس ملک کے باشندوں میں سے بکنے والے پیدا نہ ہو جائیں، جو وطن کے تقدس کی قیمت پر مفاد حاصل کرتے ہیں ۔ یہ وطن فروش طبقہ کسی آزادی کی تحریک کو دبانے کے لئے سامراج کی بھرپور اعانت کرتا ہے اور یوں غلام غلام ہی رہتے ہیں ۔ مسلسل ناانصافی اور جبر و تشدد فرد سے گروہ میں اور گروہ سے جماعت میں اور جماعت سے قوم میں جذبہ آزادی بیدار کر دیتے ہیں اور سامراج اور سامراجی حکومت کی نظروں سے اوجھل رہ کر سرفروشوں کا ایک گروہ تیار ہونا شروع ہو جاتا ہے ۔ یہی گروہ آزادی کا نقیب بن جاتا ہے ۔

چین کے گوریلا اور انقلابی رہنما ماوزے تنگ " چھ فوجی مضامین " میں اس طریق جنگ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں :۔

" فوجی کارروائیوں کے تمام راہنما اصول ایک بنیادی اصول سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ بنیادی اصول یہ ہیں کہ اپنی قوت کو محفوظ رکھنے اور دشمن کی قوت کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جانے ۔ ایک انقلابی جنگ میں یہ اصول بنیادی سیاسی اصولوں سے براہ راست منسلک ہوتا ہے ۔ گوریلا جنگ میں گوریلا یونٹ عام طور پر عدم سے وجود میں آتا ہے اور چھوٹی قوت سے بڑھ کر بڑی قوت بن جاتے ہیں ۔ اس

لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے علاوہ اپنی توسیع بھی کریں۔ محفوظ رکھنے اور توسیع دینے کے لئے پالیسی کی ضرورت ہے۔ ماوزے تنگ اس کے لئے درج ذیل چھ پالیسیاں درج کرتے ہیں:۔

"(۱) مدافعانہ جنگ کے اندر حملہ آورانہ کارروائیاں، طویل جنگ کے اندر فوری فیصلے کی کارروائیاں اور اندرونی محاذوں پر کارروائیوں کے اندر بیرونی محاذوں پر کارروائیاں کرنے کے سلسلے میں پیش عملی، لچک پذیری اور منصوبہ بندی کو بروئے کار لانا۔ (۲) باقاعدہ جنگ کے ساتھ اشتراک و تعاون (۳) اڈوں کے علاقوں کا قیام (۴) حکمت عملی کے اعتبار سے دفاع اور حکمت عملی کے اعتبار سے حملہ (۵) گوریلا جنگ کی گشتی جنگ کی صورت میں نشوونما (۶) اور کمان کا صحیح تعلق

گوریلا جنگ درحقیقت منتشر نوعیت کی حامل ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ ایسی جنگ بن جاتی ہے، جو ہر جگہ پھیلتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کے بہت سے فرائض ہیں، مثلاً دشمن کو ہراساں کرنے اور اسے روکے رکھنے اور تخریبی کارروائیاں کرنے میں اور عوام میں کام کرنے میں اس کا اصول فوجوں کو منتشر کرنا ہے۔۔

چہ گویرا "گوریلا جنگ۔ میں لکھتے ہیں:

"گوریلا جنگ عوام کی جنگ آزادی کا سنگ بنیاد ہے۔

پرامن جدوجہد اور مسلح جدوجہد میں فرق

جدوجہد کے ان دو طریقوں میں فیصلہ کن فرق ہے۔ جن ممالک نے پرامن جدوجہد سے آزادی حاصل کی ہے، اگر ان کی تحریک کا تجزیہ کیا جائے، تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آزادی کے تقاضے یہ ممالک پورے نہیں کرتے۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے ممالک کو یہ آزادی حاصل کئے طویل عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کے باوجود ان کی آزادی نیم آزادی محسوس ہوتی ہے، جبکہ اس کے برعکس وہ ممالک جنہوں نے مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی حاصل کی ہے، آزادی کے تقاضے پورے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اصل میں جو آزادی پرامن جدوجہد سے حاصل کی جاتی ہے، اس میں سامراج کو مکمل طور پر ملک سے نہیں نکالا جا سکتا۔ اس صورت میں سامراج صرف جسمانی طور پر ملک

سے باہر نکالا جاتا ہے ، نظریاتی طور پر وہ ملک سے نہیں جاتا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سامراج کی گرفت معاشرے پر بدستور موجود رہتی ہے۔ اس کا ایک نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ تخلیقی سرگرمیاں ختم ہو جاتی ہیں اور ملک سائنسی ٹیکنالوجی میں سامراج کا مرہون منت رہتا ہے جیسے تیسری دنیا کے سارے ممالک آج بھی جدید ٹیکنالوجی اور مشینری میں روس امریکہ اور مغرب کے محتاج ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ملک کو سیاسی استحکام نصیب نہیں ہوتا اور توڑ پھوڑ اور افراتفری سے ملک ترقی نہیں کر سکتا، جبکہ مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی حاصل کرنے والے ممالک کا اگر ہم جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سامراج کو جسمانی و نظریاتی دونوں طور پر ملک سے باہر نکال دیا ہے۔ جس نظریے پر انہوں نے جدوجہد کی ہوئی ہے، بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اسے عملی جامہ پہنایا ہے۔ یہ ممالک پسماندہ نہیں رہتے اور بڑی تیزی سے ترقی کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے چین۔ الجزائر، ویت نام، کیوبا وغیرہ کی مثالیں موجود ہیں۔

۲۔ اسلام کا تقاضا .... مسلح جدوجہد

اسلام دراصل جدوجہد کا نام ہے۔ یہ کوئی انسانی ذہن کا تراشیدہ نظریہ حیات نہیں کہ انسان کے سربستہ رازوں کا ادراک نہ کر سکے۔ یہ اسی کا عطیہ ہے، جس نے یہ کائنات تخلیق کی ہے۔ قرآن حکیم انسانی زندگی کے سارے پہلوؤں، مرحلوں اور نشیب و فراز کے لئے ہدایت دیتا ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں، جہاں قرآن خاموش ہو۔ مگر موجودہ صورت حال مختلف ہے۔ اس کے لئے بین الاقوامی طور پر ایک طویل عرصہ غلامی میں گذارنے کے بعد ہم غلامانہ سوچ کے عادی ہو گئے ہیں۔ تخلیق کی صلاحیتوں سے محروم ہو کر تقلید کے خوگر ہو گئے ہیں اور کسی نئی زندگی کے ظہور کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کوئی جدوجہد شروع کرنے سے عاری ہیں۔ جدوجہد کے لئے یقین درکار ہے اور غلامانہ سوچ کی وجہ سے ہم اس یقین سے محروم ہیں۔ قرآن جو کسی جدوجہد اور اس کے یقینی نتیجہ خیز ہونے کا دعوی کرتا ہے، اس کے مطالعہ سے ہم گریزاں ہیں۔

یہ بات مسلم ہے کہ اسلام ایک عالمگیر تحریک ہے۔ اس کے عالمگیر ہونے کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ یہ انسانی زندگی اور اس کی جدوجہد کے ہر پہلو پر محیط ہو۔ انسانی جدوجہد کے تین پہلو ہیں۔

انفرادی .... اجتماعی ...... بین الاقوامی

۱۔ انفرادی سطح پر انسان کا مقصود " انسان مرتضی " بننا ہے۔ یعنی جس سے اللہ تعالی راضی ہو۔ ارشاد باری تعالی ہے:۔

ورضوان من اللہ اکبر (توبہ ۲،)

ترجمہ: اور اللہ کی طرف سے رضا (کا حاصل ہو جانا) سب سے بڑی نعمت ہے۔

اب قرآن نے انسان کی انفرادی جدوجہد کو " انسان مرتضی کی منزل تک پہنچانے کے لئے واضح ہدایت دی ہے۔ یہ ہدایت ہر معاشرے کی مخصوص نوعیت کے عین مطابق ہے۔ یعنی اگر معاشرہ آزاد ہے تو پھر اس انسان کی انفرادی زندگی کا مقصود حاصل کرنے کے لئے مختلف طریق کار بتایا گیا ہے۔ یہ صراحت کے

ساتھ بیان کر دیا گیا ہے کہ مسلمان کی زندگی جہاد ہے۔ یعنی وہ اپنے نصب العین کے حصول کے لئے مسلسل کوشاں رہے گا۔ مگر آزادی میں نصب العین کے حصول کی نوعیت اور ہوگی اور غلامی میں اور -- آزادی میں جہاد کے تقاضے اور ہوں گے اور غلامی میں اور۔ مگر غلامی اور آزادی ہر دو صورت میں جہاد لازمی قرار دیا گیا ہے اور جہاد ہی کو موجب رضائے الہی قرار دیا گیا ہے۔ قرآن میں ایسی متعدد آیات بیان کر دی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے :-

ترجمہ : اور جو شخص اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اپنی جان بیچ دیتا ہے۔ اللہ اپنے (ایسے) بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرہ۔ ۲۰۷)

ایک اور جگہ ارشاد ہے " اے اطمینان یافتہ نفس انسانی! لوٹ آ اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی ہو۔ پس میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں آرام کر۔ الفجر (۲۷ تا ۳۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے " جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار اور وطن کو خیر باد کہا اور خدا کے راستے میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا۔ پس اللہ تعالے کے ہاں ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی کامیاب و کامران ہیں۔ ان کا رب انہیں اپنی رحمت کی اور اپنی رضا کی خوشخبری سناتا ہے۔ (توبہ ۲۰۔ ۲۱)

اس کے علاوہ الحشر ۸، الفتح ۱۸ میں رضائے الہی کو جہاد فی سبیل اللہ سے مشروط کیا گیا ہے۔

۲۔ انسانی زندگی کا دوسرا پہلو اجتماعی زندگی کا ہے۔ وہ مقاصد جو انسان انفرادی طور پر حاصل نہیں کر سکتا، وہ اجتماعی سطح پر ایک گروہ کی شکل میں حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے۔ اجتماعی مقاصد بھی قرآن نے بیان کر دیئے اور ان کے حصول کے لئے لائحہ عمل بھی۔ اجتماعی سطح پر مقصود ایک ایسے معاشرے کا قیام ہے، جو

ا۔ وحدت نسل انسانی پر قائم ہو۔

ب۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر مشروط وفاداری پر قائم ہو۔

ج۔ افراد روحانی الذہن ہوں اور ہمہ وقت رضائے الہی ان کا مقصود ہو۔

د۔ افراد کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر زندگی خوف و غم سے محفوظ ہو۔

ر۔ بین الاقوامی سطح پر غلبہ حق کی آرزو لے کر باطل قوتوں سے نبرد آزما ہو۔۱

۳۔ انسانی زندگی کا تیسرا پہلو بین الاقوامی زندگی ہے۔ بین الاقوامی زندگی تضاد پر مشتمل ہے۔ یہی تضاد جدوجہد پر ابھارتا ہے۔ قرآن اپنے ماننے والوں کو بین الاقوامی جدوجہد میں یہ درس دیتا ہے کہ وہ غلبہ حق کی آرزو لے کر عالمگیر انقلاب کے لئے جدوجہد کریں۔ کیونکہ قرآن کسی مخصوص قوم یا خطے کے لئے نہیں آیا بلکہ قرآن کی ہدایت ساری کائنات کے لئے ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: " یہ قرآن تمام اقوام عالم کے لئے صحیفہ ہدایت ہے "۔ (الانعام ۹۰)

اسلام اپنی غائیت کے اعتبار سے جدوجہد کا علمبردار ہے۔ غلامی اور آزادی ہر دو صورتوں میں اسلام کا مؤقف بڑا واضح ہے۔ بلکہ اسلام نام ہی آزادی کا ہے غلامی کا سرے سے تصور ہی نہیں ہے۔ اسلام کی بنیاد ہی یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرے۔ اس لئے اسلام یہ گوارا ہی نہیں کرتا کہ انسان خدا کے سوا کسی اور کا غلام ہو جائے۔ کیونکہ جب انسان اللہ کے علاوہ کسی اور کا مطیع اور فرمانبردار ہو جاتا ہے، تو پھر وہ مقصد فوت ہو جاتا ہے، جس کے لئے یہ دنیا اور یہ انسان تخلیق ہوا ہے۔ جب کوئی مسلمان کسی طاقت کے تسلط میں آجائے، جہاں وہ بندگی کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہو، تو اسلام کا اس بارے میں بڑا واضح مؤقف ہے کہ بندگی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے وہ رکاوٹیں ہر حالت میں دور کی جائیں۔ اس کے دو طریقے اسلام سے ثابت ہیں۔ بیرونی تسلط سے آزادی کے لئے جدوجہد کرنا اور اس جدوجہد کا عروج آخر کار جان کی قربانی ہے اسلام نے اس حالت میں جان بچانے کی قطعاً تلقین نہیں کی، حالانکہ اسلام انسانی جان تو کجا کسی دوسرے جاندار کو بھی ختم کرنے سے منع کرتا ہے۔ آزادی اور غلبہ حق کی آرزو کے لئے جان کی قربانی سے منع نہیں کیا بلکہ ہدایت کی حق بندگی یہ ہے کہ یا تو آزادی کی فضا میں بندگی

---

(۱) ان پانچ نکات کو قرآن نے بالترتیب (۱) سورہ النساء آیت (۲) الاحزاب ۳۶ (۲) الاحزاب ۳۶ (۳) الیل ۱۹۔ ۲۱ البقرہ ۳۰ (۵) الانفال ۳۹ (بحوالہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ منہاج القرآن)

کے تقاضے پورے کئے جائیں یا پھر اللہ کی راہ میں قربان ہو کر حق بندگی ادا کر دیا جائے ۔ کیونکہ اسلام نے اس حالت میں مر جانے کو شہادت کا درجہ عظیم دیا ہے شہادت کا بڑا وسیع فلسفہ ہے ۔ مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم تحفہ دیا ہے کہ وہ اگر اس دنیا کی رنگینوں کو چھوڑے گا، تو رنگینیوں سے زیادہ حسین انعام اسے ملے گا ۔ گویا آزادی کے لئے جدوجہد لازم ہے ، چاہے آزادی حاصل ہو یا شہادت ۔ قرآن نے اسے جہاد فی سبیل اللہ کہا ہے ۔

اسلام سے جو دوسرا طریقہ ثابت ہے ، وہ یہ ہے کہ جب انسان بندگی کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر ہو جائے ، تو وہ جگہ یا علاقہ چھوڑ کر ایسی جگہ یا علاقے میں چلا جائے ، جہاں وہ آزادانہ بندگی کے تقاضے پورے کر سکے ۔یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایسی حالت میں اس علاقے میں دوبارہ فتح مندی سے جانا ہے ۔ یہ طریقہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے معلوم ہوتا ہے ۔

کشمیر کے حوالے سے صورت حال یہ ہے کہ مسلمانان کشمیر ایک طویل عرصے سے بھارتی تسلط میں ہیں اور جو باقی ہیں ، آزادی کی نعمتوں سے وہ بھی محروم ہیں ۔ دنیا کی تمام اقوام نے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر اتفاق رائے سے یہ بات تسلیم کی ہے کہ کشمیر واقعی ایک غلام خطہ ہے ۔ اس لئے کشمیری قوم کو حق آزادی ملنا چاہیئے ۔ قرآن پاک میں اس حالت میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کے متعلق دوسرے مسلمانوں کو یوں تنبیہ کی گئی ہے ۔

ترجمہ : اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں ، عورتوں اور بچوں کے لئے نہیں لڑتے ، جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ! ہم کو اس بستی سے نکال ، جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے ۔ ۔ (النساء ۷۵)

گویا قرآنی اور بین الاقوامی ہر دو قوانین کی رو سے کشمیر غلام ہے ۔ ان ہر دو قوانین کی رو سے غلامی قابل نفرت اور انسانی تخلیق کے مقاصد کے خلاف ہے ۔ ان ہر دو قوانین کے تحت غلامی کے خلاف جدوجہد جائز اور لازم ہے ۔ ہمارا یہاں موضوع اسلام کے حوالے سے " مسلح جدوجہد " ہے ۔ مسلح جدوجہد کے بارے میں یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ طریق جنگ ہے اور قرآن پاک میں دشمنوں کے

خلاف جنگ کو " جہاد " کہا گیا ہے " جہاد " کا لفظ بھی " جہد " سے نکلا ہے ۔ یہاں مختصراً قرآنی حوالے سے فرضیت و فضیلت جہاد بیان کرنا مقصود ہے۔

جہاد " جہد " سے نکلا ہے ، جس کے معنی کوشش و سعی ہے ۔ یہ کوشش و سعی مسلمانوں کی ساری زندگی پر حاوی ہے ۔ آزادی میں بھی جہاد فرض ہے اور غلامی میں بھی ۔ البتہ آزادی میں جہاد کے تقاضے اور ہیں ، غلامی میں اور ۔ اسلام ایک عالمگیر تحریک ہے اور تحریک ہر لمحہ جدوجہد مانگتی ہے ۔ قرآن نے جدوجہد کے ان تمام مراحل کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔

۱۔ یوں تو ہر شخص یہ دعوی کر سکتا ہے کہ اس نے اللہ تعالی پر ایمان لا رکھا ہے مگر ایمان لانے کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایسی شہادت میسر آنے کہ وہ واقعی اللہ پر ایمان رکھتا ہے۔ صرف یہ کہنا کہ میں اللہ پر ایمان لایا ، ایک دعوی ہے ۔ اس دعوی کی تصدیق کا نام " ایمان باللہ " ہے اور یہ شہادت کب میسر آتی ہے ، قرآن میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے :۔

" جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے ، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے ، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں ۔ پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں نہایت کمزور ہیں " ۔ (النساء ۷۶)

۲۔ ایسے لوگوں کے بارے میں بھی وضاحت کر دی جو دعوی ایمان تو کرتے ہیں مگر راہ حق میں لڑنے سے گریزاں ہیں ۔ فرمایا:

ترجمہ : " اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلو گے ، تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اٹھائے گا اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے ۔ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے " ۔ (توبہ ۔ ۳۹)

۳۔ جب جہاد فرض عین ہو جائے ، تو اس میں حصہ لینا مسلمانوں پر لازمی ہو جاتا ہے ۔ ہمارے ہاں ایک طویل عرصہ سے جہاد فرض عین ہے ۔ مگر ہمارا ایک طبقہ علماء پہلے تو فرضیت جہاد سے ہی انکاری ہے اور طرح طرح کی حیلہ طرازیوں سے جہاد سے روکتا ہے ۔ مساجد میں دھواں دھار تقریروں کی بھرمار ہے ۔ کانفرنسوں کے چرچے ہیں ۔ احیائے اسلام کے بلند بانگ دعوے ہیں ۔ مگر کشمیر میں جہاد

کے بارے میں کسی کو ایک لفظ بھی کہنے کی توفیق نہیں، کیونکہ جان دینے کا جذبہ ہی باقی نہیں رہا۔ صرف نماز کے چند سجدوں اور مساجد سے دھواں دھار مگر بے اثر وعظ کو ہم نے دین اور ایمان کا تقاضا سمجھ رکھا ہے۔ قرآن میں اس صورت حال کو صراحت سے بیان فرمایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ: "کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھہرا لیا ہے، جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخرت پر اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اور اللہ ظالموں کی راہنمائی نہیں کرتا۔" (توبہ۔ ۱۹)

ایک اور آیت میں یوں فرمایا:

ترجمہ "مسلمانو! کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں۔" (آل عمران۔ ۱۴۱)

۵۔ فضیلت جہاد کے بارے میں متعدد آیات و احادیث موجود ہیں۔ یہاں تفصیل میں جانے کا موقعہ نہیں۔ شہادت جسے موت کہنے سے قرآن نے منع کیا ہے، انسان کے لئے اللہ تعالی کا عظیم تحفہ اور انعام ہے کہ موت میں زندگی رکھی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

ترجمہ "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔" (البقرہ ۱۵۴)

اور اجر و ثواب کے بارے میں فرمایا:

ترجمہ "اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ تو اللہ کی جو بخشش اور رحمت تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے، جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔" (عمران ۱۵۷)

۳۔ مسلح جدوجہد کا تقاضا --- "آزاد کشمیر"

"خود مختار کشمیر" کا نعرہ اب سیاسی طور پر بھی استعمال ہونے لگا ہے اور یہ "الحاق" پاکستان کے نعرے کی ضد کے طور پر ابھرا ہے۔ سیاسی میدان میں یہ دونوں نعرے سیاسی مفاد پرستی کے طور پر استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہاں خالصتاً علمی اور حکمت عملی کے اعتبار سے کشمیر کی حقیقی صورت حال اور آئندہ کے خدوخال بیان کرنا مقصود ہے۔ سیاسی میدان میں ان نعروں کی جو پوزیشن ہے۔ ان سے ہمیں غرض اس لئے نہیں کہ سیاسی بازار کی ہر شے مفاد پرستی کے نکتہ نظر سے چلتی ہے۔

۱۔ مسلح جدوجہد، جو عوام میں منظم ہوتی ہے، عام روایتی جنگ کی نسبت قطعی مختلف ہوتی ہے۔ روایتی جنگ ہمیشہ ایک منظم فوج لڑتی ہے، جس کی پشت پر ایک مملکت ہوتی ہے۔ اس جنگ کی نسبت یہ ضروری نہیں کہ اس کے مقاصد عام شخص پر واضح ہوں۔ حکومت حکمت عملی کے تحت اپنے کسی مخصوص مقصد کے لئے جنگ کر سکتی ہے، جبکہ عوام اسے بیرونی حملہ سمجھتے رہے ہوں۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بارے میں عام پاکستانی اور کشمیری کا یہی تاثر رہا کہ یہ جنگ صرف اور صرف کشمیر کی آزادی کے لئے لڑی گئی تھی۔ بعد میں یہ انکشافات ہوئے کہ اس جنگ کا مقصد سرے سے ہی کچھ اور تھا۔ مسلح جدوجہد میں یہ صورت نہیں ہوتی مسلح جدوجہد چونکہ عوام خود منظم کرتے ہیں اور خود لڑتے ہیں، اس لئے یہاں نصب العین ہر شخص تک پہنچایا جاتا ہے اور اس نصب العین کی سچائی ثابت ہونے پر عوام خود بخود اس جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے سیاسی میدان کی طرح یہاں کبھی الحاق اور کبھی خود مختار کا چکر نہیں چلایا جا سکتا۔ یہاں سارے عوامل سامنے رکھ کر ابتدا میں فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ سیدھی اور سادہ بات آزادی کشمیر کی ہے۔ ہم نے سارے کشمیر کو بیرونی تسلط سے آزاد کرانا ہے اور جب آزادی" کی بات کی جائے تو اس کے مقابل صرف" غلامی" کا لفظ آتا ہے، تیسرا کوئی راستہ دریافت ہی نہیں ہوا۔

۲۔ نصب العین نہ ہو تو ممکن ہی نہیں کہ آپ مسلح جدوجہد منظم کر سکیں اور قوم

سے قربانی مانگ سکیں۔ مبہم فکر و سوچ پر کوئی جان دینا پسند نہیں کرے گا۔ جان دینے کا ولولہ سچا نصب العین دیتا ہے اور کامیابی تب ہی ممکن ہوتی ہے، جب نصب العین سچا اور واضح ہو اور اس پر یقین کامل ہو۔

۳۔ الحاق کے چکر نے کشمیریوں میں بے حسی، افسردگی اور بے یقینی پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس فرسودہ نعرے کی وجہ سے کشمیریوں نے یہ جان لیا ہے کہ آزادی کشمیر میں ان کا رول ختم ہو گیا ہے۔ یہ اب پاکستان کا کام ہے کہ کشمیر کو آزاد کرائے۔ اس احساس ذمہ داری کے خاتمے نے ہمیں طویل غلامی کے تاریک غاروں میں دھکیل دیا ہے۔ ان تاریک غاروں سے نکلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس بات کو واضح کریں کہ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کا الحاق سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ نعرے سوچے سمجھے اور گھناؤنے مقاصد کے لئے بلند کئے گئے ہیں۔ آزادی کشمیر کے لئے بنیادی کردار کشمیریوں نے ادا کرنا ہے اور بنیادی کردار ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے سامنے اس جدوجہد کے واضح نقوش ہوں۔ کشمیر کی آزادی کی جب بھی جنگ ہو گی، وہ کشمیری خود شروع کریں گے اور بے بہا قربانیاں دینے کے بعد وہ منزل آزادی سے ہمکنار ہوں گے۔

۴۔ موجودہ دور میں آزادی کی تحریکوں میں ایک اہم رول بین الاقوامی امداد ادا کرتی ہے۔ یہ امداد مالی، اخلاقی، سفارتی سطح پر ہوتی ہے۔ اس دور میں بیرونی امداد و اعانت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اقوام متحدہ میں اقوام عالم اگرچہ پانچ بڑی طاقتوں کے آگے بے بس ہیں، جنرل اسمبلی میں انہوں نے قوموں کے حقوق کے لئے بعض انتہائی اہم فیصلے کئے ہیں، جس سے ظلم کے خلاف برسرپیکار اقوام کو بڑا حوصلہ ملا ہے۔ اقوام عالم کسی قوم کا صرف حق آزادی ہی تسلیم کرتی ہیں۔ ایسی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں کہ اقوام عالم نے کسی ایسے ملک یا قوم کی اخلاقی امداد بھی کی ہو، جس کا دعویٰ یہ ہو کہ ہم آزادی نہیں چاہتے بلکہ الحاق چاہتے ہیں۔ کشمیر میں الحاق کو وحی الٰہی ثابت کر کے قوم کو عمل سے دور رکھنے کا چکر مسلسل جاری ہے۔ علم و شعور سے عاری عوام کا اس نعرے کے چکر میں آنا تو بات سمجھ میں آنے والی ہے مگر مفاد پرستی نے اب اس حد تک جال پھیلا دیا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ نوکری کے لئے "الحاق پاکستان" کے سرٹیفکیٹ کے حصول

کے لئے بے تاب رہتے ہیں۔

۵۔ کشمیر کی آزادی سے پہلے "الحاق" کا ورد صرف آزادی کے راہ میں ہی سنگ گراں نہیں، بلکہ لاشعوری طور پر اس سے ہم خود ہی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ کشمیر کا تنازعہ دو ملکوں بھارت اور پاکستان کے درمیان سرحدی جھگڑا ہے اور یہ کہ کشمیر نے ایک پسندیدہ ملک سے الحاق کرنا ہے۔ یہ بات آزادی کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔ دو ملکوں کے درمیان متنازعہ علاقہ کو بین الاقوامی دنیا ان دو ملکوں کو دوستی اور دشمنی کے معیار پر رکھتی ہے یا پھر ان ملکوں کے تاریخی یا جغرافیائی دلائل پر رائے قائم کرتی ہے۔ اگر بات کسی قوم کی آزادی اور قومی تشخص کی ہو، تو بین الاقوامی دنیا کے متمدن ممالک انسانیت کی بنیاد پر سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اخلاقی لحاظ سے انہیں اس قوم کی آزادی اور قومی تشخص کی حمایت کرنا پڑتی ہے۔ اس وقت تک بین الاقوامی اخلاقی یا مالی امداد ہمیں نہ ملنے کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ مسئلہ کشمیر بھارت و پاکستان کے درمیان علاقائی تنازعہ سمجھا جاتا ہے۔

۶۔ ہمارا بڑا دشمن بھارت ہے اور ہماری رائے یہ ہے کہ بھارت رضامندی سے اپنی فوجوں کو کشمیر سے نہیں نکالے گا، جب تک اسے نکلنے کے لئے مجبور نہ کر دیا جائے۔ پاکستان کے بارے میں ہمارا اس سے مختلف نظریہ ہے کہ معاہدہ کی رو سے جب کشمیریوں نے پاکستان کو اپنی افواج نکالنے کے لئے کہا، تو اس کی تعمیل ہو گی۔ اس حوالے سے ہماری مسلح جدوجہد بھارت کے خلاف ہو گی اور وہ مکمل آزادی کی بنیاد پر ہو گی۔ الحاق کے چکر میں نہیں ہو گی۔ پاکستان کے ساتھ الحاق کا کوئی تصور باقی تھا بھی تو وہ رائے شماری سے مشروط تھا، جو پاکستان نے منعقد کرانی تھی۔ وہ کرا نہ سکا اور نہ آئندہ کرا سکے گا۔ اب اگر خود کشمیری کسی طرح منظم ہو کر بھارت سے مسلح جدوجہد کرتے ہیں تو الحاق کا نعرہ جدوجہد کی بنیاد بن ہی نہیں سکتا کہ اس طرح مسئلہ پھر بھارت اور پاکستان کے مابین معلق ہو کر رہ جائے گا۔ بھارت پاکستان کے لئے کشمیر کسی حالت میں نہیں چھوڑے گا، بے شک خود تباہ ہو جائے۔ پاکستان بھارت کے لئے یہ ہرگز تسلیم نہیں کرے گا کہ

سارا کشمیر وہ ہڑپ کر لے ۔ دونوں کو مجبور کر کے صرف اسی ایک بات پر لایا جا سکتا ہے کہ وہ کشمیر کو ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے تسلیم کر لیں یہی حقیقت کا تقاضا ہے ۔۔

۴۔ اسلام کا تقاضا ۔۔۔۔۔ "آزاد کشمیر"

آزادی کے متضاد ایک ہی لفظ ہے اور وہ ہے غلامی۔ فیصلہ یہ درکار ہے کہ غلامی پر قناعت کرنی ہے، یا آزادی حاصل کرنی ہے۔ یہ دو الفاظ اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے مکمل ہیں۔ ان کی اس کے علاوہ تشریح و توضیح ممکن نہیں۔ نہ غلامی کی کوئی قسم ہوتی ہے اور نہ آزادی کی۔ ایسا کہیں نہیں ہے کہ ہم آزادی تو چاہتے ہیں مگر فلاں ملک کی ماتحتی میں۔ اسلام نے ہر معاملے میں واضح اور صریح حکم دیا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی غلامی کے خلاف سب سے پہلے اسلام نے ہی آواز اٹھائی اور ساری دنیا کو یہ باور کرایا کہ غلامی انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ ہے۔ یہ تخلیق کے ان مقاصد کے خلاف ہے، جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔

کشمیر کی صورت حال کے حوالے سے اسلام ہم سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس مسلم اکثریتی خطے کی آزادی کے لئے جدوجہد کریں۔ مسلمان کی جدوجہد کا مقصد ہمیشہ اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے اور کشمیر میں ہماری جدوجہد کا یہی نکتہ محور ہو گا کہ ہم غلبہ حق کی آرزو لے کر جدوجہد کریں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا تقاضا یہ ہے کہ ایسا خطہ زمین ہو، جس میں انسان کے بنائے ہوئے نظام حیات کے بجائے اللہ تعالی کے بھیجے ہوئے نظام حیات کی آبیاری ہو۔ اس لحاظ سے ہمارا نظریہ اسلام ہے اور کوئی قوم اپنی نظریاتی سرحدوں کے تعین اور ان کی حفاظت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اسلام کے حوالے سے ہمارے سامنے یہی صورت حال ہے۔ پاکستان کے حوالے سے اسلام اور پھر آزاد و خود مختار کشمیر کو نتھی کرنا جاہلانہ اور غیر دانشمندانہ فعل ہے۔ یہ لوگ مفاد پرستی کی بنیاد پر کشمیر اور اسلام کے تقاضوں کو پاکستان سے نتھی کرتے ہیں۔

بحیثیت مسلمان ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا تعین اسلام کے حوالے سے کریں۔ اسلام اور پاکستان ہم معنی نہیں ہیں۔ اس لئے ان کو غلط ملط کرنا کم نظری کی دلیل ہے۔ کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنا جہاد ہے اور جہاد اسلام کا بنیادی ستون ہے۔ یہ کہنے کی کوئی جسارت نہیں کر سکتا کہ کشمیر کی آزادی کی جنگ جہاد نہیں۔ اگر کوئی یہ جسارت کرتا ہے کہ کشمیر کی آزادی و خود مختاری کے لئے

جدوجہد خلاف اسلام ہے، تو پھر یہ مانے بغیر بھی چارہ کار نہیں رہتا کہ تشکیل پاکستان اور اس کی جدوجہد بھی خلاف اسلام تھی۔ کیونکہ کشمیر کی آزادی و خود مختاری کی جدوجہد کو صرف اس لئے غیر اسلامی قرار دیا جاتا ہے کہ یہ پاکستان سے علیحدگی ہو گی، اور یہ کہ اسلام علیحدگی کا نہیں، اتحاد کا درس دیتا ہے۔ حقیقی صورت حال یہ ہے کہ تشکیل پاکستان کے وقت، جو حالات مسلمانوں کے سامنے تھے، وہ آج کشمیر کی آزادی و خود مختاری کی جدوجہد میں مضمر ہیں۔ اس وقت برصغیر پاک و ہند میں مسلمان زوال پذیر ہو کر اقتدار کھو چکے تھے اور ہندو اکثریت کے استحصال اور غیر اسلامی نظام حیات میں اپنا تحفظ کرنے سے قاصر تھے۔ اپنی روایات، تہذیب اور اخلاقی نظام کو جاری رکھنے سے معذور تھے۔ علامہ اقبال اور محمد علی جوہر جیسی شخصیات نے ایک ایسے خطہ زمین کی مانگ کر ڈالی، جہاں مسلمان اپنے اصولوں، اپنی روایات اور نظام کے تحت نظام معاشرت استوار کر سکیں۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو افغانستان اور ایران کی موجودگی میں ایک الگ پاکستان کی مانگ غیر اسلامی ہو سکتی تھی۔ جس طرح یہ تلوار آج ہم پر چلائی جا رہی ہے کہ پاکستان کی موجودگی میں آزاد خود مختار کشمیر کی کیا تک ہے۔ پاکستان کی الگ مانگ اس لئے کی گئی تھی کہ افغانستان اور ایران دو اسلامی ممالک ضرور تھے، مگر ان ممالک میں سیکولرازم اور آمرانہ طرز کا نظام مسلط تھا اور اسلام کے احیا کی کوئی جدوجہد وہاں کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ ورنہ علامہ اقبال اور محمد علی جوہر جیسی شخصیتوں سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کوئی ایسا فعل کرتے یا ایسی فکر دیتے، جو غیر اسلامی ہو۔ اگر تشکیل پاکستان کی تجویز غیر اسلامی ہوتی تو یقیناً برصغیر کے مسلمان اس کا ساتھ نہ دیتے۔ مگر ایسا نہیں تھا۔ برصغیر کے مسلمان افغانستان یا ایران میں ضم ہو کر کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ مناسب حکمت عملی اور طریق کار یہی تھا کہ الگ پاکستان حاصل کیا جائے۔ اس میں دین اسلام کے تحت نظام معاشرت اور نظام حکومت ترتیب دیا جائے اور دنیا کا ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیا جائے۔ جب ایسا ہو گا، تو افغانستان اور ایران پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے اور وہ ممالک بھی صحیح اسلامی معاشرے کا مشاہدہ کر کے اسے اپنائیں گے۔ اس طرح اسلام کی اعلیٰ خدمت ہو گی اور یہی بات درست بھی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ نظریہ

پاکستان کے ان بزرگوں کے خیالات تشنۂ تکمیل رہے۔ وہ خود تشکیل پاکستان سے پہلے اس دار فانی سے رخصت ہو گئے اور پاکستان وہ پاکستان نہ بن سکا، جس مقصد کے لئے یہ بنایا گیا تھا۔ مفکر اسلام ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے بقول:

" پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا گیا تھا کہ بااقتدار خود مختار مملکت میں زندگی کو اسلامی نمونے پر ڈھالنے کی کامیاب کوشش ہو سکے اور اجتماعی ادارہ اپنے نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے اپنی آرزو کے مطابق جدوجہد کر سکے گا۔ مگر مستثنیات سے قطع نظر، جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہوا، ان پر مفاد پرستی غالب آ گئی "۔

ہم نے ۴۴ سال میں اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا کہ پاکستان میں اسلامی نظام کا اجراء نہ ہو سکا بلکہ اسلام کے نام پردہ ظالمانہ و جابرانہ ہتھکنڈے آزمائے گئے کہ اسلام کی صورت بگاڑ دی گئی۔ اسلام کے نام پر اقتدار کو طول دیا گیا اور تمام اسلام دشمن کارروائیاں کی گئیں۔ اگر پاکستان کی ۴۴ سالہ تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو صورت حال بالکل اسی طرح کی سامنے آتی ہے، جیسی تشکیل پاکستان کے وقت افغانستان اور ایران کی تھی۔ اگر افغانستان و ایران میں غیر اسلامی صورت حال نے برصغیر کے اسلامی دانشوروں کو الگ ملک کی تشکیل پر مجبور کیا تھا، تو آج وہی جذبہ کشمیر کی آزادی و خود مختاری میں کارفرما ہے۔ اگر ہم نے اپنے تشخص کو پاکستان میں مدغم کر دیا تو تبدیلی صرف یہ آئے گی کہ ہم ایک سیکولر نظام کے تحت چلنے والے ایسے ملک کے باشندے بن جائیں گے، جہاں اسلام کے نام پر ظالمانہ اور جابرانہ استحصالی نظام قائم ہے۔ جہاں اسلام کے نام پر انسانوں کے جذبہ آزادی کا قتل ہوتا ہے۔ دولت ایمان ہے اور طاقت نظام غریبوں کی حالت بالکل وہی ہے، جو بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کی ہے۔ جس طرح بھارت میں برہمن ہندوؤں کا سرمایہ دار ٹولہ مسلط ہے، جس نے دوسرے انسانوں کو اپنے تسلط میں دبا رکھا ہے، اسی طرح یہاں برہمن نما مسلمانوں کا ٹولہ مسلط ہے، جس نے اسلام اور پاکستان دونوں کی شکل بگاڑ دی ہے۔

اسلامی نقطہ نگاہ سے ہمارے سامنے جو صورت سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم کشمیر کی شکل میں ایک الگ " آزاد و خود مختار۔ خطہ میں موجودہ دور کے

تقاضوں کے مطابق اپنے اصول، کردار اور جدوجہد کے ذریعے اسلام کے اصولوں کی آبیاری کریں، دنیا کا ایک مثالی معاشرہ تخلیق کریں اور دوسروں کے لئے نمونہ پیش کریں اور دنیا پر یہ ثابت کریں کہ اسلام ایک انسانیت نواز دین ہے۔ یہ سیکولرازم، کمیونزم اور سوشلزم کے انداز میں نہیں سوچتا اور یہ کہ یہ کوئی تجرباتی نظام نہیں ہے کہ نتائج پیدا کرے گا یا نہیں۔ بلکہ یہ نظام بارہا تاریخ کے مختلف ادوار میں دنیا کے مختلف حصوں میں انقلاب کا موجب بنتا رہا۔ یہ الٰہی مذہب ہے۔ انسان اس کو اگر پوری طرح اپنا کر اس کے مکمل ہونے کا اقرار نہ کرے تو اس سے الٰہی نظام کی افادیت اور اکملیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ قیامت تک کے لئے حجت اور ہدایت ہے۔

قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے بھی ایک اہم بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہ کوئی عام انسانی فلسفیانہ کتاب نہیں، جسے جو اٹھائے، اپنی تاویل کر کے اپنے حق میں دلائل پیدا کرے۔ قرآن سراسر ہدایت ہے۔ حصول ہدایت کے لئے قرآن نے آغاز میں ہی چند شرائط کا اعلان کیا ہے کہ جسے حصول ہدایت کی تمنا ہے، وہ شرائط ہدایت کی تکمیل کئے بغیر ہدایت نہ لے سکے گا اور قرآن نے یہ بات ھدی اللمتقین میں فرما دی اور اگلی آیات میں متقی بننے کا لائحہ عمل بھی بتا دیا۔ ان شرائط پر پورا اترے بغیر یا سرے سے دوسرا لٹریچر پڑھ کر یا ایمان کے تقاضے پورا کئے بغیر اگر کوئی شخص قرآن کی تعلیمات اور ہمہ گیری پر شک کرتا ہے یا درست تسلیم نہیں کرتا تو وہ کبھی ہدایت نہ پا سکے گا۔ یہ عام دنیاوی کتاب نہیں ہے کہ ہر کوئی اس پر تبصرہ کرتا پھرے۔ اسے سمجھنے کے لئے اس کا ہونا پڑتا ہے۔ یہ راز ہے، جو محنت کرنے والوں پر کھلتا ہے۔ ریاضت کرنے والوں پر منکشف ہوتا ہے۔

دوسری بات جو غور کے قابل ہے، وہ آزادی کی جدوجہد ہے۔ اگر فیصلہ صرف یہ درکار ہو کہ ہمیں فوری طور پر پاکستان سے ملنا ہے، تو ممکن ہے تامل نہ ہو مگر بات یہ ہے کہ ۴۴ سال گزر گئے پاکستان اور بھارت کشمیر کا فیصلہ نہ کر سکے۔ پاکستان اب ہماری جنگ لڑنے کی پوزیشن میں نہیں، جبکہ ہم نے بھارت سے جنگ لڑنی ہے۔ پاکستان روایتی جنگ لڑ کر کشمیر نہیں چھڑا سکتا۔ مگر ہم کشمیری

مسلح جدوجہد کے ذریعے بھارت کو کشمیر سے نکلنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ جدوجہد استوار کرنے کا ہمیں حق ہے۔ پاکستانی حکومتیں یہ حق دینے سے ہمیشہ سے انکار کرتی رہی ہیں اور جو کوئی ایسی کوشش کرتا ہے، اسے اذیت ناک مرحلوں سے گذارا جاتا ہے لیکن ایسا کب تک ہو گا؟ مسلح جدوجہد کی راہ آج نہیں تو کل ہمیں اپنانی ہی پڑے گی۔

کیا کشمیر "آزاد" رہ سکتا ہے ؟

یوں تو یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے ۔ مگر یہاں انتہائی اختصار سے اس موضوع کا جائزہ لیا جائے گا ، تاکہ عام قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات رفع کئے جائیں کہ کیا آزادی کے بعد کشمیر " آزاد " رہ سکتا ہے ؟ دراصل غلامی میں اس قسم کے نظریات و خیالات سامراجی حکمت عملی کے تحت پھیلائے جاتے ہیں ، تاکہ قوم اپنے مستقبل کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو کر جدوجہد سے باز آ جائے اور استحصالی طبقہ اپنی من مانی پالیسی جاری رکھ سکے ۔ کشمیر میں اس سوچ کو بھارت و پاکستان کے نشریاتی اداروں کے علاوہ ان ممالک کے مقامی وظیفہ خواروں نے بھی پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا ہے ۔ یہ ساری حکمت عملی ہمیں جدوجہد سے باز رکھنے کے لئے کی گئی ہے ۔ اس سوچ پر ان لوگوں نے لبیک کہی ہے ، جو ذاتی طور پر آزادی کی جنگ میں کچھ کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں ۔ مگر جو لوگ کچھ کرنے کی امنگ رکھتے ہیں اور اس بات کا ادراک رکھتے ہیں کہ انسانی عزم اور جدوجہد سے دنیا میں کیا کچھ ممکن نہیں ، انہیں اس سوچ سے مایوس نہیں کیا جا سکتا ۔

جدید بین الاقوامی سیاسی اصطلاح میں ایک آزاد و خود مختار ملک کے چار عناصر کا ہونا ضروری ہے ۔ علاقہ ، آبادی ، حکومت اور اقتدار اعلی ۔ ان عناصر میں سے کوئی ایک عنصر بھی کم ہو تو اس ملک کو آزاد تصور نہیں کیا جاتا ۔ کشمیر کے معاملے میں صورت حال یہ ہے کہ اس کا علاقہ تین ٹکڑوں میں منقسم ہو کر موجود ہے ۔ اس کا رقبہ ۸۴۴۹۴ مربع میل ہے ، جو دنیا کے بہت سے ملکوں سے بڑا ہے ۔ رقبہ کے لحاظ سے کشمیر چھوٹا ملک نہیں ہے ۔ وہ ممالک جو رقبے کے لحاظ سے کشمیر سے کئی گنا چھوٹے ہیں ، ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر موجود ہیں ۔ ان میں البانیہ ۱۲،۰۰۰ مربع میل ، اردن ۳۸،۰۰۰ مربع میل ، آئس لینڈ ۴۰،۰۰۰ مربع میل ، آئرلینڈ ۲۶،۶۰۰ مربع میل ، بلجیم ۱۲،۰۰۰ مربع میل ، پرتگال ۳۵،۰۰۰ مربع میل ، تیونس ۴۸،۰۰۰ مربع میل ، چیکوسلواکیہ ۴۹،۰۰۰ مربع میل کوریا ۲۶،۰۰۰ مربع میل ، کیوبا ۴۴،۰۰۰ مربع میل ، ملایا ۶۱،۰۰۰ مربع میل ، نیپال

۵۲,۰۰۰ مربع میل، ہالینڈ ۱۳,۰۰۰ مربع میل اور ہنگری ۳۶,۰۰۰ مربع میل رقبے پر مشتمل ہیں۔ اگر دنیا کے اتنے ممالک کشمیر کے مقابلے میں بالکل معمولی رقبہ ہونے کے باوجود آزاد و خود مختار رہ سکتے ہیں تو یہ سوال صرف کشمیر کے معاملے میں کیوں پیدا ہوتا ہے کہ یہ آزاد و خود مختار نہیں رہ سکتا!

آبادی

جہاں تک آبادی کا تعلق ہے، کشمیر کی آبادی اس وقت ایک کروڑ بیس لاکھ کے قریب ہے۔ یہ آبادی دنیا کے بے شمار ممالک سے زیادہ ہے۔ دنیا میں ایک لاکھ تک آبادی پر مشتمل ممالک آزاد و خود مختار شکل میں موجود ہیں۔ یہاں چند ممالک کی آبادی کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے: قطر ایک لاکھ، متحدہ عرب امارات ۲ لاکھ، کویت ۷ لاکھ، اومان ۸ لاکھ، لیبیا ۱۹ لاکھ، لبنان ۳۰ لاکھ، عوامی جمہوریہ یمن ۱۵ لاکھ، نیوزی لینڈ ۲۹ لاکھ، ناروے ۳۹ لاکھ، ڈنمارک ۵۰ لاکھ، سوئیزرلینڈ ۸۰ لاکھ، سویڈن ۸۰ لاکھ، یونان ۸۷ لاکھ، پرتگال ۹۰ لاکھ، شام ۶۳ لاکھ، تیونس ۴۵ لاکھ اور عراق کی آبادی ایک کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ یہ تمام ممالک نہ صرف آزاد و خود مختار ہیں، بلکہ دنیا میں ان میں سے کئی ایک کو اہم مقام حاصل ہے۔

حکومت:

یہ تیسرا عنصر ہے، جو علاقے اور آبادی کے بعد آتا ہے۔ کشمیر چونکہ تقسیم ہے۔ زیادہ حصہ بھارت کے قبضے میں ہے، جہاں ایک حکومت موجود ہے اسی طرح پاکستان کے پاس، جو کشمیر کا علاقہ ہے۔ اسے مزید دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا ہے۔ ۴ ہزار مربع میل کے ایک مختصر ٹکڑے پر حکومت قائم ہے جبکہ ۲۹ ہزار مربع میل ٹکڑے کو ابھی تک انسانی حقوق حاصل نہیں اور نہ وہاں کوئی برائے نام حکومت موجود ہے۔ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر کی حکومتوں کی مثال ایسی ہے، جیسی مغلوں، افغانوں اور سکھوں کے دور میں رہی ہے۔ مغلوں کے دور میں دہلی سے سب احکام آتے تھے۔ افغانوں کے دور میں کابل سے اور سکھوں کے دور میں لاہور سے آتے تھے۔ تبدیلی معمولی سی ہوئی ہے۔ اب احکام

" لاہور - کی بجائے اسلام آباد اور کابل کی بجائے دہلی سے آتے ہیں - بہر حال یہ بات مد نظر رہنی چاہیئے کہ حکومت موجود ہے ، یعنی بھارت و پاکستان دونوں نے دو حکومتیں قائم کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ کشمیر میں آزاد حکومت کی ضرورت ہے اور یہ کہ یہ لوگ حکومت کامیابی سے چلا سکتے ہیں -

اقتدار اعلیٰ:

یہ چوتھا عنصر ہے ، جو آزادی و خود مختاری کی علامت ہے - جس ملک کا اپنا اقتدار اعلیٰ نہیں ، اس ملک کو دنیا آزاد ملک تصور نہیں کرتی - ہمارا اقتدار اعلیٰ نہیں ہے ، اسی لئے دنیا کشمیر کو آزاد ملک یا اس کے کسی حصے کو آزاد تسلیم نہیں کرتی - حالانکہ پاکستان نے آزاد کشمیر میں بظاہر اقتدار اعلیٰ کو بھی تسلیم کر رکھا ہے - الگ صدر ، وزیر اعظم ، سپریم کورٹ ، ترانہ اور پرچم ، موجود ہیں - مگر حقیقی اقتدار اعلیٰ اپنی آزادی کا ثبوت خود پیش کرتا ہے - یہاں اسے نیتوں کے دوغلے پن کا شکار بنا رکھا ہے - اس لئے دنیا نے اسے آزاد تسلیم نہیں کیا -

دفاعی لحاظ سے:

کوئی قوم ترقی کر سکتی ہے نہ زندہ رہ سکتی ہے ، اگر اس کے سامنے کوئی واضح ، ٹھوس ہدف نہ ہو - کوئی عظیم نصب العین نہ ہو - عظیم نصب العین ہی دراصل کسی قوم کو ایک قوم ہونے اور اجتماعی جدوجہد کا شعور دیتا ہے - جہاں تک کشمیر کی دفاعی صورت حال کا تعلق ہے ، ہم معروضی حالات میں اس پر بحث کر رہے ہیں اور یہ بحث مطلق موجودہ صورت حال کے مطابق ہے - ضروری نہیں کہ جب کشمیر آزاد ہو ، علاقے کی صورت حال ایسی ہی ہو - مگر حقیقت یہ ہے کہ کشمیر پانچ طاقتوں کا نقطہ اتصال ہے - ان میں سے دو بڑی طاقتیں ہیں - اس لئے ہمیں علاقے کی مقامی اور گردوپیش کی صورت حال کو نگاہ میں رکھنا ہو گا - مختصراً یہاں چند باتوں کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے -

۱- جدید دنیا میں بحیثیت ملک و قوم زندہ رہنے کے لئے صرف وسیع علاقہ اور کثیر آبادی ہی کافی نہیں ، بلکہ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ وسیع علاقے اور آبادی

والے اپنا دفاع نہ کر سکے اور اس کے مقابلے میں مختصر علاقہ اور مختصر آبادی والے زندہ ہیں۔ دنیا میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ یہاں صرف پاکستان کی مثال دینا ہی کافی ہو گا، جو وسیع رقبہ اور کثیر آبادی کے باوجود اپنا دفاع نہ کر سکا اور دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس کے برعکس ایران نے عراق کے محاذ پر ساری دنیا کی افواج اور جدید تکنیک کے خلاف ۱۰ سال تک کامیاب دفاعی جنگ لڑی ہے۔ ایرانیوں نے یہ کامیاب دفاعی جنگ اس لئے لڑی کہ امام خمینی نے ان کے اندر ایک نصب العین اور اس کے ساتھ والہانہ محبت و شیفتگی پیدا کر دی تھی۔ پاکستان امریکی ہتھیاروں کے باوجود اپنا مؤثر دفاع کرنے میں اس لئے ناکام رہا کہ یہ قومی نصب العین کو بھلا کر علاقائی اور گروہی تعصبات میں الجھ گیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ جو قوم اپنے نصب العین کو نہ بھولے، وہ کامیاب و کامران رہتی ہے۔ اگر آزادی کے بعد ہم نے نصب العین بھلا دیا تو تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی جب تک نصب العین کے لئے جئیں گے، کامیاب رہیں گے۔

۲۔ جدید دور میں خارجہ حکمت عملی بھی ایک فیصلہ کن عنصر ہے۔ غلط حکمت عملی کسی وسیع علاقے اور وسیع آبادی والے ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا سکتی ہے اور اچھی اور مثبت حکمت عملی چھوٹی قوم اور چھوٹے ملک کو زندہ رکھنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس کی مثالیں دنیا میں موجود ہیں۔ جرمنی جو وسیع طاقت کا ملک تھا، غلط سوچ اور حکمت عملی کی وجہ سے جنگ عظیم میں تباہ ہو کر دو ٹکڑوں میں منقسم ہو گیا، جبکہ سوئٹزرلینڈ انتہائی چھوٹا ملک ہونے کے باوجود دونوں عظیم جنگوں میں تباہی سے محفوظ رہا۔ پاکستان کی مثال ہمارے سامنے ہے کشمیر سے کئی گنا بڑا ملک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو متحد نہ رکھ سکا۔ جبکہ بھارت کے دوسرے ہمسایوں میں نیپال بھی شامل تھا، جو اپنی سالمیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔ گویا ہمسایہ ملکوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ خارجہ حکمت عملی اپنانے سے دفاع میں آسانی رہتی ہے۔

۳۔ (۱) آزادی کے بعد کشمیر زندہ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ دراصل کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے اور آزادی کے لئے کام کرنے والے گروہوں کو مایوس کرنے کے لئے یہ نعرہ سامراجی گماشتوں کا پیدا کردہ ہے۔ روس، چین اور بھارت

سے ہمیں ڈرایا جاتا ہے، کہ ان کی موجودگی میں آزادی کیسے برقرار رکھی جا سکے گی۔ حالانکہ اس ساری بات کا جواب ہماری آزادی کی جدوجہد میں اور اس کے نتائج میں مضمر ہے۔ اگر ہم ایک ایسی جدوجہد منظم کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، جو وطن بے نظیر کو بیرونی افواج سے پاک کر سکے۔ اگر ہم گوریلا جنگ کو اس مقام پر لے جاتے ہیں، جب بھارت و پاکستان خود اپنی افواج کو کشمیر سے نکال لیں، تو اصل سوال یہی باقی رہتا ہے کہ کیا ہم اس جدوجہد کو کامیابی تک لے جا سکتے ہیں اگر یہ ہو جاتا ہے، ہم اپنی عظیم جدوجہد اور قربانیوں سے بیرونی افواج کو وطن بے نظیر سے نکال دیتے ہیں، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنی آزادی کو برقرار نہ رکھ سکیں۔ دراصل ہماری آزادی ہی میں ہماری آئندہ زندگی اور بقا کا راز مضمر ہے۔ جو قوم ایک بہت بڑے سامراج کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتی ہے، اس کی آزادی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ ہاں قوموں کے عروج و زوال کے فطری قوانین کشمیر پر بھی لاگو ہو سکتے ہیں۔ اگر آزادی کے بعد ہم اپنے نصب العین کو بھول جاتے ہیں، تو پاکستان کی طرح ہمارا حشر بھی اچھا نہیں ہو گا۔ بنگلہ دیش کے متعلق عام خیال یہی تھا کہ یہ بھارت کی نوآبادی بن جائے گا۔ مگر زمانے نے دیکھا کہ بنگلہ دیش بھارت کا طفیلی بنا نہ نوآبادی، بلکہ دوستی بھی باقی نہیں رکھی۔ بنگلہ دیش زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ وجہ اس کی صاف ظاہر ہے کہ دوران آزادی، جو انہوں نے بے مثال قربانیاں دی ہیں، وہ قربانیاں ان کی مقصد سے محبت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور دشمنوں کو معلوم ہے کہ بنگالیوں کو اگر اپنی آزادی کی فکر دامن گیر ہوئی تو وہ پھر ایسی ہی قربانیاں دیں گے۔

(۴) گویا کشمیر سے کم رقبے اور آبادی والے کئی ممالک انتہائی طاقت ور ملکوں کے درمیان واقع ہونے کے باوجود آزاد و خود مختار چلے آرہے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ کامیاب حکمت عملی اختیار کر کے کشمیر ایشیا کا سوئیٹزرلینڈ نہ بن جائے۔ جہاں تک بین الاقوامی موجودہ سرد جنگ اور تناؤ کا تعلق ہے، تو بڑی طاقتیں بھی تنہا رہنا پسند نہیں کرتیں، بلکہ اپنی قوت کو بڑھانے اور اسے منظم کرنے کے لئے چھوٹے ممالک سے برابری کی سطح پر معاہدے کرتی آرہی ہیں۔ اس سلسلے میں امریکہ کی طرف سے نیٹو اور روس کی طرف سے وارسا پیکٹ جیسے معاہدے موجود ہیں۔ بھارت

جیسے ملک نے روس کے ساتھ دفاعی معاہدہ کر رکھا ہے ۔ دنیا کے اکثر ممالک نے ایسے ہی معاہدے اپنے دوست ممالک یا کسی بڑی طاقت سے کر رکھے ہیں ۔ یہ راستہ " آزاد کشمیر " کے لئے بھی کھلا ہے اور ہم آزادی کے بعد حالات و ضرورت کے مطابق کوئی بھی قدم اٹھا سکتے ہیں ۔

(۲) تاریخی لحاظ سے

تاریخی لحاظ سے یہ جائزہ لینا مقصود ہے کہ کیا کشمیر تاریخ کے کسی دور میں دنیا کی آزاد و خود مختار مملکت رہی ہے ۔ اس اہم موضوع پر جتنی درخشاں تاریخ کشمیر کی ہے ، برصغیر کا کوئی دوسرا خطہ اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کشمیر کی تاریخ کا سراغ ۴ ہزار سال قبل مسیح سے ملتا ہے اور ۱۳۲۴ء تک کشمیر میں ہندو راجاؤں کا دور ہے ۔ ۱۳۲۴ء کے بعد اسلام کشمیر میں داخل ہوتا ہے ۔ ہندو مسلم دور کے راجاؤں کی تفصیل اس سے قبل " تاریخ قدیم " کے عنوان کے تحت بیان کی جا چکی ہے ۔

(۱) ہندو راجاؤں کا دور تقریباً ۴۵۰۴ سال پر محیط ہے ۔ اس دوران ان کے ۲۱ خاندانوں نے حکومت کی ہے ۔ اس دوران بہت کم ایسے مواقع آئے ہیں کہ کشمیر نے کبھی اپنی آزادی و خود مختاری کھو دی ہو ۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ اس دوران کشمیر دنیا کی ایک آزاد و خود مختار مملکت رہی ہے ۔ خصوصاً ایک مشہور راجہ للتادت کا دور خاصی شہرت اور اہمیت کا حامل ہے اور محمد دین فوق کے مطابق یہ دنیا فتح کرنے نکلا اور چینی ترکستان کے علاوہ بخارا ، سمرقند ، کاشغر ، تاشقند اور سائبریا تک جا پہنچا اور ہندوستان کا تقریباً سارا علاقہ فتح کر لیا تھا ۔

(۲) کشمیری مسلمانوں کا دور تقریباً ۴۶۰ سالوں پر محیط ہے ۔ اس دور میں کشمیر کم و بیش دنیا کا ایک آزاد اور طاقت ور ملک سمجھا جاتا رہا ہے ۔ اس دور کے حکمرانوں میں سے سلطان شہاب الدین اور سلطان زین العابدین بہت مشہور ہیں ۔ سلطان شہاب الدین نے ان تمام علاقوں کو دوبارہ کشمیر کی مملکت میں شامل کیا ، جو راجہ للتادت کے دور میں کشمیر میں شامل تھے ۔

(۳) یوں بھی اگر کسی علاقے یا ملک کا ماضی نہیں تو بھی اس کا مطلب یہ

نہیں کہ اسے اب آزاد رہنے کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ آزادی ایسا حق ہے، جو کوئی قوم کسی بھی وقت حاصل کر سکتی ہے۔ یوں بھی دنیا میں بے شمار ممالک ایسے ہیں، جن کا ماضی میں کہیں بھی تذکرہ نہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، پاکستان اور بنگلہ دیش اس کی واضح مثالیں ہیں۔ ان کے قیام سے پہلے تاریخ میں ان کا نام موجود نہیں تھا، مگر اب یہ تاریخ کا ایک حصہ ہیں، جب کہ کشمیر کی ماضی کی تاریخ روشن اور تابناک ہے۔ جب دنیا کے نقشے پر چند ممالک تھے، کشمیر ان میں سے ایک تھا۔

(۳) سیاسی لحاظ سے:

اگر کسی ملک کے سیاسی ادارے مستحکم نہ ہوں تو اس ملک کی آزادی ہمیشہ خطرے میں رہتی ہے۔ ملک کی سلامتی کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی ادارے مستحکم ہوں اور انہیں عوامی تائید حاصل ہو۔ پاکستان میں قیام پاکستان سے ہی سیاسی نظام مستحکم نہ ہو سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف ملک دو ٹکڑے ہوا، بقیہ ملک بھی اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔ "آزاد" کشمیر سیاسی لحاظ سے مستحکم رہ سکے گا یا نہیں، اس کا انحصار لوگوں کی سیاسی سوچ اور بیداری پر ہے۔ اس سیاسی سوچ اور بیداری کا تجزیہ اگر ہم غلامی کے اس دور میں بھی کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ کشمیری سیاسی لحاظ سے پختہ ذہن کے مالک ہیں۔

اس کی مثالیں کشمیر کے دونوں حصوں میں کئی بار دیکھی گئی ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا کہ مقبوضہ کشمیر میں بھارت نے سامراجی کھیل کھیلنا چاہا۔ اپنی مرضی کی حکومت مسلط کرنا چاہی۔ مگر ایک سے زائد بار کشمیری عوام نے بھارت کے اس کھیل کو ناکام بنا کر اپنی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا۔ بالکل اسی طرح پاکستان نے کئی بار آزاد کشمیر میں ایسا ہی کھیل کھیلنا چاہا، مگر عوام نے بھرپور مزاحمت کی اور حکومت پاکستان کو آخر کار اپنی مرضی کی حکومت مسلط کرنے کے لئے بعض انتہائی طفلانہ اور جابرانہ قسم کے ہتھکنڈے آزمانے پڑے۔ ۱۹۸۵ء کے الیکشن کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ حکومت پاکستان وزارت امور کشمیر کی وظیفہ خوار ایک تنظیم کو کامیاب کرانا چاہتی تھی، مگر اس کی مزاحمت جب شدید ہو گئی تو الیکشن شیڈول کے بعد ایک آرڈی نینس جاری کر کے اس مزاحمت کو کم کرنے کی کوشش کی گئی اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی گئی۔ بھارت یہ کامیابی فاروق عبداللہ کو برطرف کر کے غلام محمد شاہ کی شکل میں حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ ان مثالوں کو بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سخت پہروں اور آرڈی نینسوں کی موجودگی میں کشمیریوں نے دونوں اطراف میں انتہائی اعلیٰ سیاسی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ اس لئے ایسی قوم کے بارے میں یہ قیاس کرنا کہ وہ سیاسی لحاظ سے اپنی آزادی قائم رکھنے کے قابل نہیں ہے، ایک غلط انداز فکر ہے۔

(۲) سیاسی نقطہ نظر سے دوسرا اہم نکتہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ہم کشمیر کو "مسلح جدوجہد" کے ذریعے آزاد کرانے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور فی الحقیقت اس کے علاوہ اور کوئی طریق کار کامیاب بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلح جدوجہد کا امتیازی وصف یہی ہے کہ یہ نیچے سے پروان چڑھتی ہے، عوام میں منظم ہو کر سامنے آتی ہے اور جب تک عوام اس کے مقاصد کی سچائی پر ایمان نہ لائیں، یہ آگے نہیں بڑھ سکتی۔ اس کے آگے بڑھنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ عوام شعوری لحاظ سے اس کے مقاصد پر ایمان لا چکے ہیں۔ آزادی کی جدوجہد جب نتیجہ خیز ہوتی ہے تو یہ جدوجہد کسی گوریلا تنظیم کے تحت مسلح جدوجہد کے ذریعے نتیجہ خیز ہوتی ہے۔ یہ یاد رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ گوریلا تنظیم عام سیاسی تنظیموں سے نوعیت، مقاصد اور طریق کار میں مختلف ہوتی ہے۔ گوریلا تنظیم اپنے قومی مقاصد، اپنے ملکی

ڈھانچے اور اس کے اداروں کو مستحکم کرنے کے لئے لائحہ عمل کا، جدوجہد شروع کرنے سے پہلے ہی فیصلہ کر لیتی ہے اور اس لائحہ عمل کو عوام میں روشناس کرا کر عوام کی تائید و حمایت حاصل کر لیتی ہے۔ مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی حاصل کرنے والے ملکوں میں سیاسی انتشار دوسرے ملکوں کی نسبت کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عوام یہ سارے فیصلے بہت پہلے کر لیتے ہیں اور آزادی کے بعد صرف اداروں کو مستحکم کرنے کا کام باقی ہوتا ہے۔

معاشی نقطہ نظر:

معیشت صرف اس دور میں ہی نہیں بلکہ یہ ہر دور میں ملکوں اور قوموں کی زندگی میں انتہائی اہم اور بنیادی رول ادا کرتی رہی ہے۔ غلامی و آزادی کے پس منظر میں ہمیشہ ایک اہم پہلو معاشی خودکفالت کا رہا ہے۔ دور جدید میں بھی ترقی یافتہ ممالک نے ایسی حکمت عملی تیار کر رکھی ہے کہ وہ ترقی پذیر ممالک کو ترقی یافتہ ممالک کی صف میں شامل ہونے کا موقعہ نہیں دیتے۔ جدید سیاسی مفکرین نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو ملک معاشی لحاظ سے خود انحصاری کی پوزیشن میں نہیں، انہیں مکمل طور پر "آزاد" شمار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حقیقت ہے کہ اس مصروف دور میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو، جو دوسرے ملکوں کا محتاج نہ ہو۔ امریکہ تیل کی بھیک ساری دنیا سے مانگنے پر مجبور ہے اور صرف تیل کے آسان حصول کے لئے وہ اپنے ملک کی خارجہ حکمت عملی وضع کرنے اور عسکری لحاظ سے بہتر پوزیشن کے لئے تگ و دو میں مصروف ہے۔ روس اپنے عوام کے لئے امریکہ سے گندم خریدنے پر مجبور ہے۔ یہی حال دوسرے ممالک کا ہے۔ دوسرے ملکوں سے تجارتی روابط اس دور کا خاصہ ہے۔

جدید دور کے تناظر میں ہم اس بات کا جائزہ لینے کے لئے کہ کیا کشمیر معاشی طور پر زندہ رہ سکتا ہے۔ ہمیں ان ذرائع کا علم ہونا ضروری ہے، جن سے کسی ملک کی معیشت ترقی کرتی ہے۔ خطہ کشمیر کو ساری دنیا کے سیاحوں نے "دنیا کی جنت" قرار دیا ہے اور اس سے ان کا مدعا یہی ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت ایسی نہیں، جو اس سرزمین میں موجود نہ ہو۔ کشمیر کی سرزمین بے پناہ قدرتی خزانوں

سے بھری پڑی ہے۔ زرمبادلہ اس وقت بھی کشمیری باشندے اتنا کمار ہے ہیں، جو پاکستان و بھارت کی ضروریات پوری کر رہا ہے۔ کشمیر کے لئے یہ زرمبادلہ بہت بڑا اثاثہ ہے۔ منگلا ڈیم کی رائلٹی اور بجلی سے حصہ آزاد کشمیر کا بنیادی حق ہے۔ بیرونی تجارت غلامی کی وجہ سے براہ راست نہیں ہو رہی اور ریاست کے وسائل پر پاکستان و بھارت قابض ہیں، جس سے عام کشمیری اپنی معاشی خودکفالت کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہیں۔

ملکی وسائل:

مختصراً ملکی وسائل کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ کشمیری عوام کے ذہن سے یہ تاثر دور ہو کہ کشمیر معاشی طور پر خودکفیل نہیں ہو سکتا۔

زراعت

ایک ایسی چیز ہے، جس کو بھرے بغیر انسان غلامی و آزادی کے امتیاز کو کم ہی سمجھتا ہے اور پیٹ بھرنے کے لئے غلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ غلہ زرخیز و شاداب زمینوں میں اگایا جا سکتا ہے۔ بنیادی طور پر کشمیر ایک زرعی ملک ہے۔ اس کی سرزمین نہایت زرخیز ہے اور اگر سائنسی طور پر یہاں کے کسانوں کی مدد کی جائے تو کشمیر اپنے لئے زیادہ سے زیادہ اناج حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت غلے کی بہتات نہیں ہے، اس کی وجہ غلامی ہے کہ کسانوں کی مدد اور اعانت کرنے کی بجائے، الٹا نہیں کچلا جاتا ہے۔

اب سرسری طور پر کشمیر کی سرزمین پر پیدا ہونے والے اناج، پھل وغیرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ صوبہ جموں میں ضلع کٹھوعہ میں قصبہ کٹھوعہ اور اس کے اردگرد کے علاقے میں اور تحصیل بسوہلی میں چاول۔ آم اور لہسن وغیرہ کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔

ضلع جموں میں موتیا، گلاب، جامن، لوکاٹ اور آم خاص طور پر مشہور ہیں۔ ضلع جموں میں تھانہ رام گڑھ کے علاقے کو رنبیر نہر سیراب کرتی ہے، اس لئے یہاں گندم کے علاوہ چاول کی کاشت بھی ہوتی ہے۔ تحصیل رنبیر سنگھ پورہ میں

گندم کی پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ آم بھی عمدہ قسم کا پیدا ہوتا ہے۔

ضلع ادوھم پور میں ہوٹ کا مشہور قصبہ ہے۔ یہاں کے پھل سیب، ناشپا خوبانی وغیرہ مشہور ہیں۔ اس ضلع کے علاقے کشتواڑ میں مکئی خوب پیدا ہوتی ہے بھدر واہ قصبہ میں کشمیر کی تمام سبزیاں اور پھل کافی مقدار میں پیدا ہوتے کشتواڑ میں زعفران عمدہ قسم کا پیدا ہوتا ہے۔ پھیل میں مکئی کیزو وغیرہ کی فہ چالیس دن میں تیار ہوتی ہے۔ علاقہ سزواہ میں مکئی کی عام کاشت ہوتی ہے زیرہ اور اخروٹ بھی عام پیدا ہوتا ہے۔

ضلع ریاسی میں چائے کے باغات کے علاوہ آم، لوکاٹ، بانس خوب پیدا ہے۔ مکئی کی کاشت عام ہے۔ ضلع میرپور میں گندم، باجرہ اور مکئی اور مختل دالوں کی کاشت ہوتی ہے۔ گو یہاں کے لوگوں کا بغرض روزگار ملک سے باہر جانے سے زراعت کو بہت حد تک نقصان پہنچا ہے، مگر یہاں یہ بتانا مقصود کہ یہ زمینیں تو موجود ہیں، جنہیں جدید طریقوں سے زیر کاشت لایا جا سکتا ہے۔

وادی کشمیر میں عام لوگوں کی خوراک چاول ہیں۔ ضلع بارہ مولا کے تمام ع میں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔ کہیں کہیں مکئی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ع چنار، اخروٹ، بادام، سیب، ناشپاتی، آڑو، خوبانی، آلو بخارا کے عام درخت پا جاتے ہیں۔

ضلع اسلام آباد (انیت ناگ) میں سبزیوں اور پھلوں کی بہتات ہے۔ بہتر بہتر قسم کی ناشپاتی سیب، بگوگوشہ، آلو بخارا، آڑو، بادام، گلاس، شاہرنی، خوبانی انگور بھی پیدا ہوتے ہیں۔

اس مختصر سے جائزے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضروریات زندگی کی کون سی چیزیں کہاں کہاں اور کس کس مقدار میں پیدا ہوتی ہیں۔

یہاں ایک اور بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ ہے زعفران کی پید اور برآمدات۔ کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں زعفران کی برآمدات سے ہی اتنا فائدہ سکتا ہے کہ مزید کسی اور کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ زعفران زیادہ تر کشتواڑ، پا اور وادی کے علاقے میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اون اور ریشم بھی پایا جاتا

صنعت:

کشمیر بنیادی طور پر زرعی ملک ہے۔ صنعت کا دارومدار چھوٹے پیمانے پر لوگوں کی اپنی کوششوں پر ہے۔ مگر معیشت کا بہت حد تک انحصار صنعتی مال کی برآمدات اور فروخت پر ہے۔ یہاں کی چیزیں بیرونی ممالک میں بہت فروخت ہوتی ہیں۔ صنعت کا دار و مدار دست کاریوں پر ہے۔ بڑی صنعتوں میں جموں میں ریشم کا کارخانہ اعلیٰ ریشم پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اب کئی کارخانے قائم کئے جا رہے ہیں۔ خصوصاً ضلع میرپور میں کافی کام ہو رہا ہے۔

دستکاریاں:

کشمیر کی صنعت کادارومدار یہی دستکاریاں ہیں۔ دو سو سال سے یہ دستکاری بام عروج پر تھی۔ فرانس، انگلینڈ اور یورپ کے اونچے گھرانوں میں کشمیری شال کا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ تمام اونچے طبقے کی خواتین شال اوڑھنے میں فخر محسوس کرتی تھیں اور تقریباً ۲۸ کھڈیاں اس وقت کشمیر میں اس صنعت میں لگی ہوئی تھیں۔ اب یہ صنعت سستے مشینی کپڑوں کی وجہ سے ماند پڑ رہی ہے پھر بھی اس وقت سالانہ تقریباً دس ہزار شال برآمد ہوتے ہیں۔ اونی شال بھی کافی مقدار میں برآمد ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ نقاشی، خوش نویسی، زردوزی، گبہ سازی، نمدہ قالین بانی، سلک بانی، پیپر ماشی، جلد سازی، ملمع، کارچوبی، کشتی سازی، کانگڑی سازی، چرم سازی، زرگری اور اسلحہ سازی اور کھالوں کا کام اور اس کے علاوہ جواہرات سازی یہاں کی اہم مصنوعات ہیں۔

بھیڑ بکریاں پالنا:

ایک اور بات جس کا میں خصوصی طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں اور بہت سے کشمیریوں کا اس پر دارومدار ہے، وہ ہے، بھیڑ بکریاں اور دوسرے مویشی پالنا۔ یہ کام کشمیر میں تقریباً ہر جگہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کشمیر میں گھی بہت پیدا ہوتا ہے۔ کئی جگہوں پر گھی منڈیاں ہیں، جن میں ضلع اودھم پور میں

ہوٹ۔ تحصیل رام نگر کے قریب پہاڑ کے دامن میں ڈوڈو اور بسنت گڑھ۔ رام بن میں منڈی رام شو، ضلع ریاسی میں دادو کے مقامات پر گھی کی مشہور منڈیاں ہیں۔ سب سے زیادہ بھیڑ بکریاں ضلع اسلام آباد میں، گریز اور پہلگام میں ہوتی ہیں، جن کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

جڑی بوٹیاں:

کشمیر کے مخفی خزانوں کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ کیونکہ جب سے دنیا میں تحقیق و تدقیق کا کام شروع ہوا ہے، کشمیر غلامی کے چنگل سے ہی نہیں نکل سکا۔ اس طرح یہاں کے مخفی خزانوں سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کیا جا سکا۔ کشمیر کے علاقے میں جس قدر جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں۔ شاید ہی دنیا کا کوئی اور علاقہ اس کی ہمسری کر سکے۔ مگر کشمیری اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہیں۔

جموں کے میدانوں، چناب، راوی، جہلم اور نیلم کے کناروں، شمالی سلسلہ ہائے کوہ کی ترائیوں اور گھاٹیوں سے لے کر بلند و بالا برف پوش چوٹیوں کے دامن تک مختلف اقسام کی جڑی بوٹیاں اگتی ہیں، جو دوا سازی کے لئے برآمد کی جاتی ہیں۔ جون جولائی میں برف پگھلنی شروع ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی جڑی بوٹیاں اگنی شروع ہو جاتی ہیں، مگر جنگلات کے پیداوار خفیفہ کا عملہ سرگرم ہو جاتا ہے۔ کہیں ٹھیکہ پر نکاسی کی جاتی ہے اور کہیں محکموں کا اپنا کام جاری رہتا ہے۔ مگر یہ سب ملک سے باہر جاتی ہیں اور ان سے استفادہ کرنے والے بھی باہر کے لوگ ہوتے ہیں۔

جنگلات:

کشمیر کے تقریباً ۱۰،۲۷۴ مربع میل کے رقبے میں جنگلات پھیلے ہوئے ہیں اور ان میں دنیا کی بہترین لکڑی پیدا ہوتی ہے۔ یاد رہے کہ البانیہ اور بلجیئم کا رقبہ بارہ ہزار مربع میل ہے، جہاں ۸۴ ہزار مربع میل کے علاقے میں ۱۰،۲۷۴ مربع میل جنگلات ہوں، اس ملک یا علاقے کی معیشت کے بارے میں رائے قائم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا خزانہ ہے، جس سے کشمیر کی بہت سی ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں۔ ان جنگلوں میں دیودار اور چیل کے درخت

بکثرت پائے جاتے ہیں۔

معدنی دولت:

دنیا میں جتنا طویل اور بلند پہاڑوں کا سلسلہ کشمیر میں پایا جاتا ہے، دنیا کے کسی اور ملک میں نہیں پایا جاتا۔ یہ پہاڑ بے شمار معدنیات سے بھرے پڑے ہیں۔ مگر کیا کریں، اس غلامی کا جو ہمارے ملک کو گھن کی طرح کھائے جا رہی ہے۔ غلامی کی وجہ سے اس علاقے میں معدنیات کی تلاش نہیں کی گئی اور جو معدنیات، ان علاقوں سے نکالی جاتی ہے، وہ اسی لمحے بھارت یا پاکستان میں پہنچا دی جاتی ہیں۔

ضلع اودھم پور جنگل گلی کے مقام پر کوئلہ کی کانیں ہیں، جہاں سے کافی مقدار میں کوئلہ نکالا جاتا ہے۔ دریائے توی کے قریب پتھر سے چونا بنایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جموں ہی میں باکسانٹ کی قسم کی فوجی اہمیت کی ایک معدن میں بے پناہ ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کوٹلی اور گلگت بلتستان کے پہاڑوں میں بہت سی دھاتوں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ گلگت بلتستان سے سونا کے علاوہ زمرد، یاقوت، زبرجد اور دیگر قیمتی پتھر نکالے جاتے ہیں۔

سیاحت:

سیر و سیاحت کشمیر کی آمدنی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے سیاح کشمیر کے حسین سبزہ زاروں، بلند و بالا طویل سلسلوں میں پھیلے پہاڑوں، بل کھاتی ندیوں جھیلوں اور رنگ برنگ پھولوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے آتے ہیں۔ تنازعے کے باعث لوگوں کی تعداد میں وقتی طور پر کمی بھی آئی ہے۔ لیکن یہ علاقہ آزادو خود مختار حیثیت اختیار کر لے اور سیاحت کے لئے مؤثر انتظامات کئے جائیں، تو یقیناً ہماری معیشت کا یہ ایک ایسا ذریعہ ہے، جو کبھی بھی ختم ہونے والا نہیں ہے۔ لیکن غلامی نے اس سارے خطے کی نشوو نما روک رکھی ہے۔ جو حصہ پاکستان کے قبضے میں ہے اور زمانہ جسے "آزاد کشمیر" کہتا ہے، اس علاقے میں بھی بے شمار ایسی حسین جگہیں موجود ہیں، جو سیاحوں کے لئے کشش

کا باعث بن سکتی ہیں۔ غلامی کے اثرات کا بھی کیا کہنے ، آزاد کشمیر کے پانچ اضلاع کے لوگوں کو آپس میں ملانے کا کوئی ذریعہ ، کوئی سڑک نہیں ، بھلا سیاحوں کے لئے کون سوچے !

جدوجہد آزادی ۱۹۸۷ء تا ۱۹۹۰ء

---------*---------

مختصر جائزہ

ایک قاری جب غور سے اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے، تو یقیناً اسے یہ بات محسوس ہوتی ہوگی کہ قریب ہی تحریک آزادی بارپر ہونے والی ہے۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں اس کے خدوخال کا نقشہ بھی ملتا ہے۔ ۱۹۸۶ء میں کتاب پریس کے مرحلے طے کر کے سامنے آئی، تو ۱۹۸۷ء میں کسی سطح پر یہ منصوبہ بندی ہوئی کہ کشمیر کے محاذ کو بھی گرم کیا جائے۔ کشمیر کی تقسیم اور پھر اس کی مدت غلامی میں اضافہ بے پناہ مسائل پیدا کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے کسی فیصلے میں فی الحال کشمیریوں کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ۱۹۸۷ء کے بعد مقبوضہ کشمیر میں خصوصاً وادی کے علاقہ میں کشمیریوں کو ایک تحریک کے حوالے سے نوید سنائی جانے لگی۔ ایک خاص نقطہ نظر سے ان کو عسکریت کی طرف مائل کیا جانے لگا۔ عسکریت کی طرف رجحان وادی میں اب کئی برسوں سے بڑھ رہا تھا۔ یہ موقع انہوں نے غنیمت جانا۔ یاد رہے اس سے قبل وادی سے کسی عسکری جدوجہد کو تقویت نہیں ملی تھی۔ ۱۹۴۷ء کی جدوجہد میں شیخ محمد عبداللہ (مرحوم) نے وادی کے لوگوں کی راہنمائی بھارت دوستی کے انداز میں کی تھی۔ اس لئے وادی کے لوگ اس جدوجہد میں شریک نہ ہو سکے اور خود کشمیریوں کی اس ذہنی تقسیم نے سیز فائر لائن قائم کرنے میں مدد دی۔ ۱۹۶۵ء میں بھی، جو ایک طفلانہ کوشش کی گئی گذشتہ صفحات میں اس جنگ کی نوعیت اور مقاصد کی تفصیل دی جا چکی ہے۔ اس کوشش میں بھی وادی کے لوگ کسی طور شرکت پر آمادہ نہ ہونے تھے۔ ۱۹۷۱ء میں وادی کے لوگ پرجوش نہ تھے۔ اب کی بار بھی کھیل ۱۹۶۵ء والا ہی کھیلا گیا۔ آزاد کشمیر میں حکومت یا سیاسی لیڈروں یا آزادی پسند گروہوں کو اجتماعی صورت میں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔ البتہ اس دفعہ اس منصوبے میں " وادی " کو بنیاد بنایا گیا تبدیلی یہ کی گئی کہ وہاں کے نوجوانوں کو ہی بنیادی تربیت دے کر اسلحہ سے لیس کیا جائے۔ منصوبہ افغان جہاد سے متاثر ہو کر بنایا گیا، جس کا انکشاف بھارتی اخباروں

نے بھی کیا۔ ایک مقامی گروہ کو وادی کے لوگوں اور " منصوبہ باز طبقے " کے درمیاں واسطہ بنایا گیا۔ مقامی گروہ جو ایک آزادی پسند تنظیم کے طور پر اپنا تشخص منوانے کی کوشش میں تھا۔ انتہائی کمزور بلکہ ابھی ابتدائی مرحلوں میں تھا، اس کے ذمے ایک بہت بڑا کام لگایا گیا، جس کی نہ اس میں صلاحیت تھی نہ قوت۔ منصوبہ سازوں کو اس کا علم تھا یا نہیں، یہ الگ بحث ہے۔ جو لوگ جہاں کہیں اس طرح کے منصوبے پر کام کرتے ہیں، ہمیشہ سے ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس منصوبے کے منطقی انجام تک باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ یقیناً یہ سوچ یہاں بھی کارفرما نظر آتی ہے۔ ایک کمزور گروہ کو ایک بڑا کام سونپنا، ایسی ہی بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ایسے عسکری منصوبوں میں کمزور گروہ، جہاں منصوبہ سازوں کی گرفت میں رہتے ہیں، وہاں بعض اوقات ان کے لئے پیچیدگیوں کا باعث بھی بنتے ہیں۔ سو یہاں بھی مذکورہ گروہ پیچیدگی کا باعث بنا۔ پاکستان کی وہ حکومت، جس کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ اس منصوبے کی محرک تھی، وہ ختم ہوئی تو نئی حکومت کی ترجیحات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ یوں منصوبہ سازوں اور واسطہ بننے والے گروہ کے درمیان پیچیدگی پیدا ہوئی اور منصوبہ وقت سے پہلے ہی افشاء ہو گیا اس کی ایک وجہ کمزور گروہ کا اپنی طاقت کا غلط اندازہ تھا یا کمزوری کو دور کرنے کے لئے تیز قدم بڑھانے کا رجحان۔ بہرحال بہت جلد ایک پیچیدگی نے جنم لیا اور تادم تحریر پیچیدگی کے رد عمل میں برپا ہونے والے حالات و واقعات کو سمجھنے اور سنبھلنے کی تگ و دو ہوتی نظر آتی ہے۔ اس سمجھنے اور سنبھلنے کی تگ و دو میں سارے فریقوں کی طرف سے اخلاص کے مظاہرے کم اور " انانیت " کے مظاہرے زیادہ نظر آتے ہیں۔

(۲)

سیاست و مفادات کی جنگ یہاں زوروں پر ہے۔ منصوبہ سازوں نے یہ کھیل، جو آگ اور خون کا کھیل تھا، خلوص سے شروع کیا تھا یا مفاد پرستی اور انا کی تسکین کے لئے، اس کا ثبوت دعووں سے حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس کا ثبوت مثبت نتائج ہیں۔ اگر سب قوتیں مل کر حالات و واقعات کو اپنے حق میں لا کر مثبت نتائج پیدا کر دیتی ہیں تو لامحالہ منصوبہ سازوں کی نیت پر کسی کو شک کی گنجائش نہیں رہتی

اور نتائج اگر مثبت برآمد نہیں ہوتے تو اخلاص کے خالی خولی دعوے کافی نہیں ہوں گے۔

جو صورت حال ۱۹۹۱ء کے اوائل تک ابھر کر سامنے آئی ہے، بقول نوابزادہ نصراللہ خان "پاکستان آخری کشمیری کے قتل کا انتظار کر رہا ہے"۔ ایسی صورت حال کیوں پیدا کی گئی کوئی ہے جو اس کا جواب دے سکے۔! وحشت و بربریت کی ایک نئی تاریخ رقم کی جا رہی ہے۔ سویلین لوگوں میں عسکری آثار دکھا کر بھارتی افواج کو نسل کشی کا موقع فراہم تو کر دیا گیا، اب اس کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں ظلم بڑھتا جا رہا ہے۔ بستیوں کی بستیاں مٹائی جا رہی ہیں اور پاکستان اور آزاد کشمیر میں سیاست کے اکھاڑ پچھاڑ کا مکروہ کھیل انتہا کو پہنچا ہوا ہے۔ منصوبہ سازوں نے آگ لگا تو دی، اسے بجھانے کی تدابیر سے قاصر نظر آتے ہیں۔ اس دھوکہ دہی کے جواب میں نفرت اور بداعتمادی کا طوفان علاقے کی ساری نوعیت تبدیل کر سکتا ہے۔

-۲-

موجودہ تحریک آزادی کشمیر، باہر کے "منصوبہ سازوں" اور مقامی کمزور گروہ کی ملی بھگت سے شروع ہو کر ایک بیچیدگی اور ٹھہراؤ کا شکار ہو چکی ہے۔ اب صرف بھارتی افواج کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ عسکریت کی طرف رجحان رکھنے والے کشمیریوں کو چن چن کر قتل کر دیں۔ میدان عمل یعنی مقبوضہ کشمیر میں بھارت نواز سیاسی قیادت یا تو قطعی بے اثر ہو گئی ہے یا فنا ہو گئی ہے اور پاکستان نواز قیادت، "منصوبہ سازوں" اور مقامی کمزور گروہ میں اختلاف کی بھینٹ چڑھ کر بھارتی جیلوں میں پہنچ چکی ہے۔ "بیس کیمپ" یعنی آزاد کشمیر میں سیاست کا گندا کھیل عروج پر ہے۔ آزادی پسند گروہ غیر مؤثر ہیں۔ سیاستدان اعتماد اور عدم اعتماد کے مکروہ دھندے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں اجتماعی سطح پر یہ احساس ناپید ہے کہ ہم اپنی تحریک آزادی کے انتہائی نازک موڑ پر کھڑے ہیں۔

-۳-

۱۹۹۱ء کے اوائل تک تحریک آزادی کشمیر کے اتار چڑھاؤ سے جو ایک صورت حال سامنے آئی ہے۔ راقم اس کے تناظر میں چند باتوں کی نشاندہی ضروری سمجھتا

ہے۔

۱۔ میدان عمل اور بیس کیمپ کے مخلص راہنما قوم، اس خلیج و بعد کا ادراک کریں جو تینوں حصوں میں ۴۴ سالوں میں برپا ہو کر ایک حقیقت بن چکا ہے۔ ادراک کے بعد اس بعد کو کم کرنے کی مؤثر شعوری تدابیر اختیار کریں۔

۲۔ منقسم کشمیر کے تینوں حصوں کے لوگوں کے مجموعی مزاج کے مطابق ایک ایسے نصب العین کا تعین، جس کے لئے جدوجہد کو ملکی و غیر ملکی سطح پر پذیرائی حاصل ہو۔

۳۔ آزادی پسند گروہوں میں کم سے کم سطح پر سہی ہم آہنگی کا جذبہ موجود رہے۔ کشمیر کی سطح پر ایک منظم و مضبوط گروہ کی تشکیل کے ساتھ تحریک آزادی کشمیر پر "بیرونی اثرات اور کمان" کم ہو جائے گی۔

۴۔ عسکری جدوجہد کا رخ "میدان عمل" میں سست کر کے بھارت کے اندر موڑا جائے۔ عام کشمیری کو اس کے علاوہ قتل ہونے سے بچانے کے لئے کوئی اور تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔ دنیا میں انسانی حقوق کی اپیلیں اس مادی دور میں کام نہیں کرتیں۔ یہ صرف مفروضے ہیں۔ حقائق اس کے برعکس ہیں۔

۵۔ تحریک آزادی کی قیادت کو سیاست دانوں کے ہاتھوں میں منتقل ہونے سے روکنا ہو گا۔ مقبوضہ کشمیر میں کسی حد تک کامیابی ہوئی ہے۔ آزاد کشمیر میں سیاست دان کافی مؤثر ہے۔ یہ سیاست دان تحریک آزادی کی قیادت کا اہل نہیں ہے۔ تحریک آزادی کشمیر کو اپنے منطقی انجام تک پہنچانے کی خاطر ان سیاست دانوں کو مکمل طور پر بے اثر کیا جانا ضروری ہے۔

وما علینا الا البلاغ

۔اختتام۔

کتابیات

وہ اہم کتابیں۔ رسائل و اخبارات جو تفصیلی یا جزوی زیر مطالعہ رہیں اور جن سے اس کتاب کے لئے مدد لی گئی:۔

نمبر شمار	نام مصنف	نام کتاب
	شریف الدین پیرزادہ	پاکستان منزل بہ منزل
	صلاح الدین ناسک	تحریک آزادی
۳	محمد علی	ظہور پاکستان
۴	عبدالحمید ایم اے	تاریخ پاک و ہند
۵	صاحبزادہ عبدالرسول	تاریخ پاک و ہند
۶	پیام شاہجہان پوری	نظریہ پاکستان
۷	محمد مظفر مرزا	تحریک پاکستان و آئین پاکستان
۸	پروفیسر احمد سعید	حصول پاکستان
۹	خلیق الزمان	شاہراہ پاکستان
۱۰	سید نور محمد	مارشل لاء سے مارشل لاء تک
۱۱	سید حسن ریاض	پاکستان ناگزیر تھا
۱۲	رئیس احمد جعفری (مترجم)	کشمیر اور جوناگڑھ کی کہانی
۱۳	سید محمود آزاد	تاریخ کشمیر
۱۴	سلیم خان گمی	کشمیر میں اشاعت اسلام
۱۵	خان کفایت اللہ خان	فغان کشمیر
۱۶	ظفر اعوان	آزاد کشمیر کا بحران
۱۷	فضل الٰہی صدیقی	خونبانہ کشمیر
۱۸	عبدالصمد وانی	کے۔ایل۔ایم
۱۹	غلام عباس	کشمکش
۲۰	عبدالمجید سالک	مسلم ثقافت پاکستان میں

۲۱	بی۔ ایم۔ کول	ان کہی کہانی
۲۲	اللہ بخش یوسفی	تاریخ کشمیر
۲۳	عزیز بیگ	کشمیر پابہ زنجیر
۲۴	ڈاکٹر عبدالباسط	کشمیر کی جنگ آزادی
۲۵	شیخ اکرام	آب کوثر
۲۶	سلیم خان گمی	اقبال اور کشمیر
۲۷	ظہور احمد	تاریخ کشمیر
۲۸	ملک غلام حیدر خان	وقت کی پکار
۲۹	محمد عبداللہ قریشی	آئینہ کشمیر
۳۰	میر غلام محمد کشفی	کشمیر ہمارا ہے
۳۱	سردار محمد ابراہیم	کشمیر کی جنگ آزادی
۳۲	ممتاز احمد	مسئلہ کشمیر
۳۳	ابوالکلام آزاد	آزادی ہند
۳۴	کے ایچ خورشید	پاکستان اور مسئلہ کشمیر
۳۵	کلیم اختر	شیخ محمد عبداللہ۔ شیر کشمیر
۳۶	محمد دین فوق	تاریخ کشمیر (تین جلدیں)
۳۷	چوہدری حکم داد	کشمیر کی کہانی اس کی اپنی زبانی
۳۸	سید محمود آزاد	شیر کشمیر۔ شیخ محمد عبداللہ
۳۹	فضل الٰہی	مسئلہ جہاد کشمیر
۴۰	محمود ہاشمی	کشمیر اداس ہے۔
۴۱	جی ایم صادق	کشمیر چھوڑ دو
۴۲	جنرل اکبر خان (ترجمہ عنایت اللہ)	کشمیر کے حملہ آور اور پنڈی سازش کیس
۴۳	مشتاق احمد قریشی	جہاد کشمیر
۴۴	پریم ناتھ بزاز (ترجمہ اے ایچ نظامی)	آزاد کشمیر

۴۵	مشتاق احمد گورمانی	مسئلہ کشمیر کا جائزہ
۴۶	حشمت اللہ	تاریخ جموں
۴۷	ڈاکٹر شجاع ناموس	گلگت اور شینا زبان
۴۸	کیمبل جانسن (ترجمہ محمد یونس)	عہد لارڈ ماؤنٹ بیٹن
۴۹	سردار محمد ابراہیم	متاع زندگی
۵۰	عبدالرحیم افغانی	فتح کشمیر
۵۱	محمد حنیف رامے	ہفت روزہ " نصرت "۔ کشمیر نمبر ۱۹۶۰ء لاہور
۵۲	جی ایم لون	آتش چنار
۵۳	امان اللہ	این ایل ایف ، الفتح اور کشمیری نوجوان
۵۴	جی ایم میر	دست جفاکش
۵۵	ڈیفنس کمیٹی گنگاہائی جیکنگ کیس	صفائی کی بحث
۵۶	محمد دین فوق	حکایات کشمیر
۵۷	محمد دین فوق	کلام فوق
۵۸	نقاش	نقاش جنگ ۱۹۶۵ء نمبر
۵۹	حکومت پاکستان	قرطاس ابیض
۶۰	سر ظفر اللہ	مسئلہ کشمیر
۶۱	محی الدین حاجنی (نظر ثانی ممتاز ہاشمی) ترجمہ جی ایم میر	کشمیر پر مغلوں کی جارحیت
۶۲	جی ایم میر	گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت
۶۳	امان اللہ	نظریہ خود مختار کشمیر
۶۴	ممتاز احمد ہاشمی	گلگت و بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں؟
۶۵	جی ایم میر	وادی کی آواز
۶۶	محمد اسحاق عباسی	مسئلہ کشمیر تعطل کا شکار کیوں؟

۶۷	محمد اشرف قریشی	سونے دار چلے
۶۸	سید نذیر گیلانی	کشمیر کا وارث
۶۹	گائیڈ	رہنمائے کشمیر
۷۰	انعام اللہ خان	کشمیر پکار رہا ہے
۷۱	انوار سلطان	کشمیر میں قومی آزادی کی تحریک
۷۲	ہاشم قریشی	ہاشم قریشی کی آپ بیتی
۷۳	غلام احمد بٹ	سات لاکھ جاسوس
۷۴	عنایت اللہ	ہاشم مجرم یا مجاہد
۷۵	حمید کاشمیری	خون

رسالہ جات جو زیر مطالعہ آئے

۱۔ زندگی (ہفت روزہ) تین شمارے ۱۱ ستمبر ۱۹۷۷ء، ۲۳ جون تا ۲۹ جون ۱۹۷۸ء ۱۰ نومبر ۱۹۷۷ء الطاف حسین قریشی

۲۔ اداکار (مجیب الرحمن شامی) ۴ شمارے ۱۸ تا ۲۴ مئی ۱۹۷۵ء، ۱۳ تا ۱۹ جولائی ۱۹۷۵ء، ۳۱ اگست تا ۶ ستمبر ۱۹۷۵ء، ۲۴ تا ۳۰ نومبر ۱۹۷۴ء

۳۔ طاہر (مجیب الرحمن شامی) تین شمارے ۱۷ تا ۲۳ مئی ۱۹۷۶ء ۵ تا ۱۱ فروری ۱۹۷۶ء ۲۰ تا ۲۶ مارچ ۱۹۷۶ء

۴۔ الفتح (وہاب صدیقی) ۲۷ اگست تا ۳ ستمبر ۱۹۷۶ء

۵۔ صحافت (ضیاء شاہد) ۵ مئی ۱۹۷۸ء

۶۔ بادبان (مجیب شامی) ۲۰ تا ۲۶ ستمبر ۱۹۷۷ء، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء

۷۔ اسلامی جمہوریہ (مجیب شامی) ۲۰ تا ۲۶ ستمبر ۱۹۷۷ء، ۲۷ دسمبر ۱۹۷۷ء

۸۔ نقیب ملت (اختر کاشمیری) ۲ تا ۸ جولائی ۱۹۷۸ء

۹۔ وائس آف کشمیر (ماہنامہ) امان اللہ) تین شمارے جنوری ۱۹۷۷ء جولائی ۱۹۷۹ء نومبر ۱۹۷۶ء

۱۰۔ شعور (ماہنامہ) پنجاب یونیورسٹی کشمیر سٹوڈنٹس ویلفیئر ایسوسی ایشن ۶ شمارے ۱۹۷۶ تا ۱۹۷۸ء

۱۱۔ آزادی K.S.F.M کے ۹ شمارے

اخبارات، جو شمارے خصوصی طور پر زیر مطالعہ آئے۔

نوائے وقت راولپنڈی ۱۱ مارچ تا ۱۴ مارچ ۱۹۷۶ء، ۹ اپریل ۱۹۷۵ء، ۸ مئی ۱۹۷۵ء ۳۰ مئی ۷۳، ۲۰ جولائی ۱۹۷۶ء، ۲۵ ستمبر ۷۴ء، ۱۶ اپریل ۷۵ء، ۱۲ مارچ ۷۵ء یکم مارچ ۷۷ء، ۱۰ نومبر ۷۳ء، جون ۷۶ء، ۴ جولائی ۷۶ ۲۹ اپریل ۷۵ء

جنگ راولپنڈی ۱۶ اپریل ۷۵ء، ۳۰ اکتوبر ۷۰ء، ۴ مارچ ۷۵ء، ۲۰ مئی ۱۹۷۵ء

مغربی پاکستان لاہور ۱۷ مئی ۷۵ء، ۲۰ اپریل ۷۵ء، ۸ مئی ۱۹۷۵ء

تعمیر راولپنڈی ۱۳ جولائی ۱۹۷۱ء

جمہور لاہور یکم مئی ۱۹۷۵ء

حکایت ماہنامہ لاہور

شمارہ اکتوبر ۱۹۷۱ء، جنوری ۱۹۷۳ء، اگست ۱۹۷۳ء، جولائی، اگست ۱۹۷۴ء، جنوری، اپریل، جون، ستمبر ۱۹۷۵ء، نومبر ۱۹۷۶ء، جنوری، فروری جون، اگست ۱۹۷۷ء جنوری، اپریل، نومبر ۱۹۷۸ء، نومبر ۱۹۷۸ء، جنوری، فروری، مئی، جولائی، ستمبر، نومبر ۱۹۷۹ء فروری ۱۹۷۹ء، فروری ۱۹۸۱ء، مئی ۱۹۸۳ء

1.	Siser Gupta.	Kashmir (A Study in India-Pakistan Relation)
2.	Josef Korbal.	Danger in Kashmir
3.	Abdual Manan Khalifa.	Kashmir Story.
	G. M. D. Suffi	Kashmir (2 Volumes)
4.	Mohammad Yusuf Saraf.	Kashmiries Fights for Freedom (2 Vol.)
5.	Historical Section	The Kashmir Compaign (1947 - 48)
6.	Bureau of National & Research (Pakistan)	Kashmir dispute (3 vol.)
7.	Govt. Press Jammu (1946)	Administration Report of Jammu & Kashmir State.
8.	Govt. Press Jammu (1943)	Laws of Jammu & Kashmir
9.	Govt. Press Jammu (1944)	Laws of Jammu & Kashmir
10.	Aziz Bag.	The Wailing Vale.
11.	Aziz Bag.	Pakistan Faces India.
12.	Aziz Bag.	Captive of Kashmir.
13.	M. B. Pathawala.	An Introduction to Kashmir
14.	Jan Stephens.	Horned Moon.
15.	P.Premnath Bazaz	The History of Struggle for Freedom in Kashmir
16.	A.De.Mhaffe.	Road to Kashmir
17.	Azad Kashmir Govt.	Azad Kashmir on Road to progress.
18.	Tufail Mohd Dogar	Kashmir Affairs
19.	Arthur Neve	Tourists Guide to Kashmir and Skardu.
20.	Govt. of Pakistan	Story of Kashmir (1947-65)
21.	Govt. of Pakistan	Kashmir Documents
22.	Pak Mission Newyork	Karshmir "The India Pakistan Question".
23.	Pak Mission Newyork	Kashmie and The People voice.
24.	Zial-ul-Islam	The Revolution in Kashmir
25.	Aman Ullah Khan	Free Kashmir
26.	Alaster Lamb.	Crises in Kashmir
27.	Joyti Bahusan Dus Gupta.	Jammu & Kashmir
28.	Joyti Bshusan Dus Gupta (Delhi)	Essential Documents and Notes on Kashmir Dispute.
29.	Hon.Mrs.C.G.Bruce	Kashmir.
30.	Francis Young Hubsent	Kashmir
31.	P.N.Gunjro.	Portrait of Sheikh Abdullah
32.	B.Sharma	The Kashmir Story
33.	M.Abrahim	The Kashmir Saga
34.	Sheikh Izzatullah	Kashmir-Plebiscite
35.	E.F.Neve	A Crusader in Kashmir
36.	Bharat Tikku	Tikkus, Guide of Kashmir
37.	Bharat Tikku	Collier, Encyclopedia
38.	Bharat Tikku	Encyclopedia Burtanaca
39.	A.De.Mhaffe	Road of Kashmir
40.	K.Bureau of Newyork	Truth About Kashmir
41.	Motamar Publication Karachi	Genocide in Kashmir
42.	Aman Ullah Khan	The Tragic Story of Kashmir
43.	Walliam Digby	Condemed Unheared
44.	M.Gen.s.Shahid Hamid (Retd.)	Karakuram Hunza
45.	Lord Birdwood	Two Nations And Kashmir
46.	Lod Birdwood	Imperial Gazetter of India
47.	Lord Frederic	The Northen Barrier of India
48.	Lord K.M. Panikhar	The Founding of Kashmir State
49.	Lord. H.S. Gurruraj Rao.	Leagle Aspects of Kashmir Problem
50.	Lord. s.L.Poplai	Selected Documents on Asian Affairs (India 1947-50 Vol.2)
51.	Dr.M.N.R.Khan	The United Nation and Kashmir

52. W.R.LAwrance	The Valley of Kashmir
53. W.L.Warnar	The Protected Princes of India
54. Mattibbal Hassain	Kashmir-Under the Sultans.
55. Marlon Doughty	Through the Kashmir Valley
56. Pearce Cervis	This is Kashmir
57. Pearce Cervis	Political Quarterly
58. Pearce Cervis	International Affairs (July, 1952)
59. Kashmir Bureau of Information (Delhi)	Truth About Kashmir
60. Premnath Bazaz	Kashmir in Crucible
61. K.Sarwar Hasan	The Kashmir Question
62. Ministry of Information and Broadcasting (Vot. of India)	Defending Kashmir
63. Michael Breacher	The Struggle for Kashmir
64. Michael Breacher	Pakistan Horizon
65. S.M.Burk	The Main Springs of Pakistan Foreign Policy.
66. S.M.Burk	Modern Asian Studies (Vol. 16, Part-1 Feb. 1982)

ہماری مطبوعات

۱ـ	کشمیر تاریخ کے آئینے میں کمپیوٹر کتابت اور خوبصورت جلد کے ساتھ دوسرا ایڈیشن	ایم۔اے خاں
۲ـ	انقلاب ایران	پروفیسر محمد عارف خان
۳ـ	کشمیر۔ انقلابی فکر کی روشنی میں	پروفیسر محمد عارف خان
۴ـ	کشمیر۔ کیا، کیوں اور کیسے ؟	پروفیسر محمد عارف خان
۵ـ	کشمیر۔ الحاق و خود مختار کی بحث	پروفیسر محمد عارف خان
۶ـ	کشمیر میں ایک آزاد اسلامی ریاست کیوں ؟	پروفیسر محمد عارف خان
۷ـ	کشمیر میں انقلاب کی راہ	پروفیسر محمد عارف خان
۸ـ	کشمیر میں عوامی جنگ کیوں ؟	ایم۔اے خان
۹ـ	بسلسلہ جہاد کشمیر۔ فکری کشمکش	پروفیسر محمد عارف خان

لالہ زار پبلشرز

میر پور۔ آزاد کشمیر